

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226324

UNIVERSAL
LIBRARY

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قدیم قانون

تصنیف

سرمنبری سمنر مین

کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی، ایف۔ آر۔ ایس۔

ترجمہ

مولوی مسعود علی صاحب، بی۔ اے (ملک)

سابق مشن جج علاقہ سرکار عالی و مال رکن سرگزشتہ

تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی

۱۳۵۲ھ م ۱۳۴۲ھ ف م ۱۹۳۳ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

یہ کتاب مسٹر جان مڑے کی اجازت سے جن کو
حق اشاعت حاصل ہے اُردو میں ترجمہ
کر کے طبع و شائع کی گئی ہے۔

فہرست مضامین

”قدیم قانون“

صفحہ ۱ تا ۱۶	فصل اول: قدیم مجموعہ ہائے قانون
۱۷ تا ۳۳	فصل دوم: مفروضات قانونی
۳۵ تا ۵۶	فصل سوم: قانون فطرت و نصفت
۵۷ تا ۸۶	فصل چہارم: قانون فطرت کی زمانہ مال کی تاریخ
۸۷ تا ۱۳۳	فصل پنجم: ابتدائی تمدن اور قدیم قانون
۱۳۴ تا ۱۷۰	فصل ششم: وصیتی توریث کی قدیم تاریخ
۱۷۱ تا ۱۹۵	فصل ہفتم: وصیتوں اور توریث (جانشینی) کے متعلق { قدیم اور جدید خیالات
۱۹۶ تا ۲۴۶	فصل ہشتم: جائیداد کی ابتدائی تاریخ
۲۴۷ تا ۳۰۰	فصل نہم: معاہدہ کی ابتدائی تاریخ
۳۰۱ تا ۳۳۰	فصل دہم: افعال قابل ہرجا اور جرائم کی قدیم تاریخ
۳۶۱ تا ۳۶۶	اشاریہ: (ا تا ی)
	صحت نامہ:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قدیم قانون

فصل اول

قدیم مجموعہ نئے قانون

دنیا کے سب سے زیادہ مشہور و معروف نظام قانونی کا آغاز 'سطح' ایک مجموعہ قانون سے ہوا تھا، اسی طرح، اس کا انجام بھی ایک ہی مجموعہ قانون پر ہوا۔ قانون روما کے مفسرین نے، اس کی تاریخ بیان کرنے میں، متواتر ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں، جن کا یہ مفہوم ہے: کہ ان کا تمام نظام قانونی عدالت ارکان عشرہ کی بارہ الواح (Twelve Decemviral Tables) یعنی قانون منضبطہ (تحریری) (Written Law) پر مبنی ہے؛ باستثنا ایک خاص صورت کے، ان بارہ الواح سے پہلے کا کوئی آئین، روما میں قابل تسلیم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ نظریہ یہ ہے کہ، روما کا قانونی نظام، مجموعہ قوانین سے، اور انگلستان کا نظام قانونی قدیم زبانی روایات سے، پیدا ہوا ہے۔ یہی وہ خاص وجہ ہے، جس نے ہمارے نظام قانونی کی نشوونما کو، روما کے نظام قانونی کی نشوونما سے، مختلف اور جدا کر دیا ہے۔ اگرچہ ان میں سے کوئی نظریہ بھی، واقعات حقیقی کے مطابق نہ تھا،

مگر ہر ایک سے، مہتمم بالشان نتائج پیدا ہوئے۔
 مجھے اس امر کے بیان کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، کہ ان بارہ لوگوں کے
 نفاذ کا زمانہ، وہ ابتدائی زمانہ نہیں ہے، جہاں سے ہمیں قانون کی تاریخ
 شروع کرنی چاہئے۔ روم کا قدیم مجموعہ قوانین، اسی قسم کا ہے جس قسم کے
 مجموعے دنیا کی ہر مذہب قوم میں پائے جاتے تھے؛ اور جو کم از کم، تمام رومی
 اور یونانی دنیا میں، ایسے اوقات میں رائج اور شائع تھے، جو ایک دوسرے سے
 زیادہ بعید نہ تھے؛ ان کا ظہور تقریباً یکساں حالات میں ہوا، اور جہاں تک
 ہمارا علم کام دیتا ہے، ان کی پیدائش کے اسباب بھی، ایک ہی سے تھے۔
 اس میں اکلام نہیں ہو سکتا، کہ علم قانون کے بہت سے اصول، ان مجموعہ ہائے
 قوانین کی بنیاد ہیں؛ اور زمانہ کے لحاظ سے، اصول مذکور کو، ان مجموعوں پر تقدم
 حاصل ہے۔ اکثر ایسی تحریریں موجود ہیں، جن سے، ان قانونی اصول کا، ایک حد تک
 پتہ چلتا ہے؛ لیکن، جب تک کہ علم اللسان سے، سنسکرت کا علم ادب، پورے
 طور سے، منکشف نہ ہو جائے؛ ہمارا بہترین ذریعہ علم، ہو مر یونانی کی نظمیں ہیں؛
 جو، اگرچہ حقیقی واقعات کی تاریخ، سمجھے جانے کے قابل نہیں ہیں؛ مگر، بالکل خیالی
 بھی نہیں کہی جاسکتیں؛ بلکہ وہ، اس سوسائٹی کی حالت کا بیان ہیں، جس سے
 شاعر واقف تھا۔ شاعر کے تخیل نے، عہد فتوحات (Heroic age) کے خاص خاص
 واقعات، سورماؤں کے کس بل، اور دیوتاؤں کی قدرت میں خواہ کتنا ہی مبالغہ
 کیوں نہ کیا ہو؛ مگر، اس امر کے باور کرنے کی، کوئی وجہ نہیں ہو سکتی، کہ اس نے
 اخلاقی اور طبعی تصورات میں، جن پر اس وقت تک، خاص توجہ مبذول نہیں
 کی جاتی تھی، کوئی تبلیغ کی ہوگی۔ اور اس لحاظ سے، ہو مرن کی نظمیں، ان بعدگی
 تحریرات سے، جو قدیم زمانہ کے حالات سے، بحث کرنے کا ادعا کرتی ہیں، مگر جہد ہی
 اور فلسفی انزات کے تحت، تابیف ہوئیں، زیادہ تر قابل اعتبار ہیں۔ اگر فن قانون
 کے، ابتدائی تصورات کا، ہم کو، کسی طرح بھی علم ہو جائے، تو ہمارے لیے
 بیکار مفید ہوگا۔ مفسرین کے لیے، یہ ابتدائی تصورات، ایسے ہی ہیں، جیسے طبقہ الارض
 کے ماہرین کے لیے، زمین کے ابتدائی طبقات۔ ان ابتدائی تصورات میں، بالقوت،

وہ تمام مشکلیں موجود ہوتی ہیں، جن میں، 'بعد' قانون، اپنے آپ کو نمایاں کرتا ہے۔ اصول قانون، کے علم کی جو ناقابل اطمینان حالت، ہمیں نظر آتی ہے، اس کی ذمہ داری، اس عجلت یا تعصب، پر عائد ہوتی ہے، جس نے، 'مقننین کو' عام طور سے، سطحی اور سرسری تحقیقات کے علاوہ، کچھ اور نہ کرنے دیا۔ حقیقت یہ ہے، کہ مقننین کی تحقیقات، اسی روش پر چلتی ہے، جس پر، علم طبیعیات اور علم عضویات کی تحقیقات، اس زمانہ میں چلتی تھی، جبکہ مشاہدے کی جگہ، صرف مفروضات سے کام لیا جاتا تھا۔ تمدن اور قانون، کی ابتدائی تاریخ کی معقول تلاش پر، عام طور سے، ایسے مفروضات کو ترجیح دی جاتی ہے، جو بظاہر، معقول اور عادی معلوم ہوتے ہیں؛ مثلاً، قانون فطرت یا تمدنی یتاق کا مفروضہ، گہری الحقیقت، یہ مفروضہ بالکل غیر مصدقہ ہوتے ہیں۔ ان مفروضات سے، حقیقت پر، پردہ پڑ جاتا ہے؛ اور خیالات، صحیح راستہ سے، بھٹک جاتے ہیں۔ اور، ایک ایسا قوی اور حقیقی رجحان پیدا ہو جاتا ہے، جو، ایک دفعہ قائم و مضبوط ہو جانے کے بعد، فن اصول قانون کے، مراتب مابعد پر، اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا۔

'قانون' یا 'قواعد حیات' کے ابتدائی تصورات، جو اس وقت، بڑھکر، اس قدر وسیع ہو گئے ہیں؛ وہی ہیں، جن پر، 'ہومر کے الفاٹھیمس' (Themis) اور 'تھیمسٹس' (Themistes) عادی تھے۔ "تھیمس" جیسا کہ مشہور و معروف ہے، یونانیوں کے آخر زمانہ کے دیوتاؤں کے مجمع میں، انصاف کی دیوی کی حیثیت سے، شریک تھی؛ لیکن یہ حالیہ اور بہت ترقی یافتہ خیال ہے؛ اور 'ایلیڈ' کے اس خیال سے مختلف ہے، جس میں، 'وہ زمیس' (Zeas) دیوتا کی مددگار (Assessor) بتائی گئی ہے۔ جن لوگوں نے، انسان کی، ابتدائی زندگی کے حالات، بہ نظر تعمق، ملاحظہ کئے ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں؛ کہ قوموں کی آغاز زندگی میں، ہر موقت اور متوالی واقعہ کو، ایک فرضی شخصیت دے دی جاتی تھی۔ اسی بنا پر، چلنے والی ہوا، پھلنے بڑھنے اور ڈوبنے والا سورج، اور فراوانی بخش زمین، یہ سب اشخاص، اور آسمانی اشخاص تھے۔ اور، جس طرح، یہ عمل، احصائی عالم میں تھا، اسی طرح، اس کا عمل، اخلاقی عالم میں بھی جاری تھا۔ جب، کوئی بادشاہ، کسی

نزاع کا فیصلہ کرتا تھا، تو سمجھا جاتا تھا، کہ وہ فیصلہ، براہ راست، آسمان سے اس کے دل پر، القا ہوا ہے۔ بادشاہوں، اور سب بادشاہوں سے بڑھے ہوئے دیوتاؤں کے دلوں پر، جو فیصلے، القا ہوتے تھے، وہ، آسمانی پیا تمبھیمس کے ذریعہ سے ہوتے تھے۔ اس تصور کی خصوصیت کا اظہار، اس کے فیصلہ جمع کے استعمال سے، ہوتا ہے: پس لفظ تمبھیمس کی جمع، تمبھیمس سے، خود وہ فیصلے اور تجویز مراد ہیں جو بادشاہوں کے دلوں پر القا کی جاتی تھیں۔ بادشاہوں کی نسبت، کہا جاتا تھا، کہ ان کے پاس، ان تجویزوں کا، ایک ذخیرہ رہتا تھا، جن کو، وہ، ضرورت کے وقت، کام میں لاتے تھے؛ مگر، یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، کہ یہ، قانون نہیں ہیں، صرف فیصلے یا تجویز ہیں۔ سترگروٹ، اپنی تاریخ یونان میں، لکھتے ہیں: کہ ”زمیٹیس“ یا دنیاوی بادشاہ، واضعان قوانین نہیں، بلکہ صرف جج (یعنی اس کے برتنے والے) ہیں۔ اور ان کے پاس یہ تجویزیں موجود رہتی ہیں۔ چونکہ عقیدہ یہ ہے کہ ان کا نزول آسمان سے ہوتا تھا، اس لیے ان کی نسبت یہ فرض نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کسی ایک رشتہ اصول میں منسلک تھیں، بلکہ وہ ایک دوسرے سے علیحدہ اور منفردہ تجویزیں ہوتی تھیں۔

ان خیالات کا عارضی ہونا خود ہومر کی نظموں میں بھی صاف طور سے نظر آتا ہے۔ قدیم تمدن کی سادہ زندگی میں یکساں واقعات اور حالات کا پیش آنا، بمقابلہ اس زمانہ کے زیادہ تر عام ہوگا؛ اور یکساں حالات اور واقعات میں تجویزوں کا یکساں اور ایک دوسرے سے مشابہ ہونا ایک لازمی امر ہے۔ یہاں سے رواج کی بنیاد پڑتی ہے جو ”تجویز“ کے بعد کا تصور ہے۔ زمانہ حال کے خیالات کے لحاظ سے خواہ ہم اس اصول پر کتنا ہی زور کیوں نہ دیں، کہ رواج کا تصور فیصلہ عدالتی کے تصور سے پہلے کا ہے؛ اور فیصلہ کو لازم ہے، کہ وہ رواج کو برقرار رکھے، اور اس کی خلاف ورزی پر سزا دے؛ مگر یہ امر یقینی ہے کہ ان تصورات کی تاریخی ترتیب وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ ہومر کا لفظ اس رواج کے لیے جو ہنوز یونانی کو نہیں پہنچا تھا بعض اوقات تمبھیمس بصیغہ واحد اور اکثر ”دائیک“ (Dike) ہے، جس کے معنی کبھی فیصلے، کبھی

رسم، اور کبھی رواج کے لیے جاتے ہیں۔ لفظ ”نومس“ (Nomos) ”قانون“ جو یونانیوں کی بعد کے تمدن کی سیاسی لغت میں اس قدر مشہور و معروف ہوا، ہومر کی نظم میں نہیں پایا جاتا۔

اس خیال کو کہ ”تھیس“ کا القا آسمانی ذریعہ سے ہوتا ہے اور ذریعہ مذکور خود ”تھیس“ کی شکل اختیار کر لیتا ہے، دوسرے قدیم عقائد سے علیحدہ رکھنا چاہیے جسے ممکن ہے کہ سرسری طور سے تحقیقات کرنے والے لوگ غلط ملط کر دیں۔ یہ خیال کہ خداوند تعالیٰ نے پورا مجموعہ یا کامل قانون عطا کیا، جیسا کہ ہندو ”قانون منو“ کی نسبت سمجھتے ہیں، بہت ترقی یافتہ اور بہت حال کا خیال ہے۔ ”تھیس“ یا ”تھیسٹس“ کا تعلق انسان کے اس قوی اور دیرپا عقیدہ سے ہے جس میں زندگی کا ہر شعبہ اور تمدن کا ہر آئین، آسمانی تائید پر مبنی اور قائم تھا۔ قدیم قانون اور ابتدائی سیاسی خیالات میں اس عقیدہ کے آثار ہر طرف نظر آتے ہیں۔ ایک مافوق الفطرت قوت کی نسبت سمجھا جاتا تھا کہ وہ اس زمانہ کے تمام اہم آئین ادارات، ریاست، قوم اور خاندان کو برکت دیتی اور چلاتی ہے۔ ان انسانوں کا جو ان آئین اور ادارات کے منشا کے مطابق مختلف گروہوں میں منقسم تھے، فرض تھا کہ وہ ایک وقت معین پر جمع ہو کر مشترکہ رسوم ادا، اور مشترکہ قربانیاں پیش کریں؛ اور کبھی کبھی یہ فرض اور زیادہ صریح طریقہ سے استغفار اور توبہ کی غرض سے ادا کیا جاتا تھا، تاکہ ارادی اور غیر ارادی خطاؤں کی سزائیں معافی یا تخفیف ہو جائیں ہر شخص جو یونانیوں اور رومیوں کے معمولی علم ادب سے واقف ہے جانتا ہے کہ مذہبی مراسم (Sacra gentilia) کا کیا قوی اثر روما کے ابتدائی قانون تبنیت اور وہایا پر تھا۔ ہندوؤں کا رسمی قانون جس میں قدیم تمدن کے بعض عجیب و غریب کرشمے موجود ہیں، اب بھی انسان کے تمام حقوق اور توریث کے تمام قواعد کو متونی کی تجہیز و تکفین (یعنی خاندان کے تسلسل میں وقفہ پڑ جانے) کے وقت بعض رسوم کے تصبیح طور سے ادا ہونے پر منحصر کرتا ہے۔

قبل اس کے کہ اصول قانون کے اس حصہ سے بحث ختم کی جائے، انگلستان کے طلباء کو یہ بتا دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ ہنتم اپنی کتاب ”فرگینٹ

اول گورنمنٹ (Fragment on Government) اور اسٹن اپنی کتاب
 موسومہ ”پرونس آف جوریس پروڈنس وٹھرنڈ (Province of Jurisprudence
 Determined) میں ہر قانون کو واضع قانون کا ایک حکم قرار دیتے ہیں، جس سے
 باشندگان ملک پر ایک فرض عائد ہوتا ہے، اور اس کی خلاف ورزی کی
 حالت میں سزا کا خوف دلایا جاتا ہے۔ حکم کے متعلق، جو کہ قانون کا پہلا عنصر
 ہے، یہ بھی قرار دیا جاتا ہے کہ اس کو کسی منفرہ فعل پر نہیں، بلکہ ایک تقسم اور
 نوع کے تمام افعال پر حاوی ہونا چاہئے۔ یہ تجربہ یعنی مختلف اوصاف کی تشریح
 ایسے اصولی قانون کے واقعات سے جو سب کے درجہ کو پہنچ چکے ہیں، بالکل مطابق ہوتی ہے
 اور الفاظ کی نحوڑی سی گینچ تان سے ہر زمانہ اور ہر قسم کے قوانین سے مطابق
 کی جاسکتی ہے؛ مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ قانون کا جو عام تصور اس وقت ہے وہ
 اس تجربہ کے مطابق ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ جس قدر ہم خیالات کی
 قدیم تاریخ پر غور کرتے ہیں اسی قدر ہم اپنے آپ کو قانون کے ایسے تصور سے
 جو ان اجزائے مرکب جو جو بنتم بناتا ہے، دور پاتے ہیں۔ یہ امر یقینی ہے
 کہ انسان کی ابتدائی حالت میں نہ کسی قسم کے وضع قانون اور نہ کسی ملحدہ
 واضع قانون کا تصور کیا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں قانون کو رواج کا مرتبہ بھی
 حاصل نہیں ہوتا تھا، وہ صرف ایک عادت ہوتی تھی، یا بقول فرانسیسوں کے
 اس کا ”وجود ہوائی“ سمجھا جاتا تھا۔ غلط اور صحیح کا وثوق کیسا تھ قرار دینے والا
 وقوع واقعات کے بعد فیصلہ ہوتا تھا۔ اس فیصلہ کے وقت یہ نہیں سمجھا جاتا

۱۔ یہ امر یقینی اس مذہبی مسئلہ کے مرتب سنائی ہے جو ”انسان کی ابتدائی حالت“ ہی سے
 سلسلہ بعثت انبیاء (علیہم السلام) و نزول شرائع (د قوانین الہی) کا مستند ہے، قانون
 کے ارتقائی تدریجی کی نسبت آپ جو چاہیں کہیں، لیکن اس کی بنا پر اہل مذہب اپنی
 مشترک من اللہ شریعتوں کے ”وجود“ کو ”ہوائی“ نہیں سمجھ سکتے۔

عہادی

ناظر مذہبی جامعہ عثمانیہ

تھا کہ کوئی قانون موجود تھا جس کی خلاف ورزی کی گئی ہے، بلکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ فیصلہ جج کے دل میں تصفیہ کے وقت ایک اعلیٰ قوت کی طرف سے القا کیا گیا ہے۔ اس خیال کا بُد زمانہ، اور اختلاف حالات کی وجہ سے ہمارے ذہن میں بھی آتا سخت دشوار ہے، مگر جب ہم اس قدیم تمدن کے حالات سے تفصیل بحث کریں گے، جس میں ایک انسان اپنی عمر کا بڑا حصہ اپنے بزرگ خاندان کی خود مختار حکومت میں بسر کرتا تھا اور اپنے تمام افعال میں قانون کا نہیں، بلکہ توہمات کا پابند رہتا تھا، اس وقت اس خیال کا قریب قیاس ہو جانا زیادہ دشوار نہ ہوگا۔ اس تاریخی واقعہ کا سمجھنا کہ ”تھیمسٹس“ کو قانون کے تصور پر تقدم تھا ایک انگلستان کے رہنے والے کے لیے بہ نسبت دوسری اقوام کے لوگوں کے زیادہ تر آسان ہوگا، کیونکہ انگلستان کے اصول قانون کے متعلق جو ایک دوسرے سے مختلف روایات مشہور ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ معروف، یا یوں کہو کہ جس کا سب سے زیادہ اثر عمل پر پڑتا ہے، وہی ہے جس میں یہ فرق کر لیا گیا ہے کہ فیصلہ جات اور نظائر کا وجود قواعد، اصول اور امتیازات سے مقدم ہے۔ یہ امر بھی قابل اظہار ہے کہ ”تھیمسٹس“ میں وہ خصوصیت بھی پائی جاتی ہے جو ”ہنریکس“ اور آسٹن کی رائے کے مطابق، منفرد یا محض احکام کو قانون سے جدا کرتی ہے۔ مجموع اور حقیقی قانون، ایک قسم اور ایک نوع کے افعال کو، بلا امتیاز، تمام باشندگان ملک پر لازم کرتا ہے، اور یہی قانون کا وہ تصور ہے جو عام طور سے لوگوں کے دماغوں میں بسا ہوا ہے، جس کی بنا پر لفظ ”قانون“ صرف یکسانی، تسلسل اور تشابہ (Uniformities, successions, similitudes) کے متعلق استعمال کیا جاتا ہے۔ ”حکم“ صرف ایک منفرد فعل کو لازم کرتا ہے، اور اس لیے ”تھیمسٹس“ بہ نسبت قانون کے احکام سے زیادہ تر مشابہ ہیں۔ وہ صرف منفرد حالات کے متعلق فیصلے ہیں اور ان کے لیے یہ ضرور نہیں کہ وہ مسلسل کسی ترتیب کے پابند رہیں۔ ہومر کے زمانہ کے علم ادب میں ہم کو قانون کا ابتدائی تخم ”تھیمسٹس“ اور اس سے کسی قدر زیادہ نشوونما یافتہ ”ڈائک“ کے تصور میں ملتا ہے۔ اصول قانون کی دوسری منزل صاف طور سے نمایاں اور سیدہ و چپ ہے۔ سٹرگروٹ

نے اپنی تاریخ کے دوسرے حصہ اور نویں فصل میں یہ تفصیل بتایا ہے کہ اس تمدن سے جس کا نقشہ ہو مر نے کھینچا ہے قوم نے رفتہ رفتہ کس طرح اپنی حالت کو بدلا فتوحات کے زمانے کی بادشاہی کا انحصار ایک درجہ تک آسمانی حقوق اور ایک درجہ تک غیر معمولی طاقت، شجاعت اور دانشمندی پر ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ بادشاہ کی عظمت کا خیال کم ہوتا گیا، اور جب موروثی بادشاہوں کے سلسلے میں کمزور بادشاہ ہونے لگے اس وقت شاہی اختیارات زائل ہو گئے، اور آخر کار ان کی جگہ امرا کی جماعت قائم ہو گئی۔ اگر اس انقلاب کے متعلق صحیح الفاظ استعمال کئے جائیں، تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاہی اقتدارات امرا کی ایک سی مجلس نے غصب کر لیے جس کی طرف ہو مر جا بجا اشارہ کرتا اور اس کی تصویب کھینچتا ہے۔ بہر حال تمام یورپ میں ہم کو شاہی حکومت کے زمانہ کے بعد معدودے چند امرا (Oligarchy) کا دور حکومت نظر آتا ہے، اور جہاں بادشاہ کا نام مطلق صفحہ ہستی سے مٹ نہیں جاتا، وہاں بادشاہ کے حقوق برائے نام رہ جاتے ہیں۔ اور وہ ایک موروثی جنرل، جیسے کہ لیسڈائمن (Lacedaemon) میں، یا صرف ایک عہدہ دار، جیسا کہ "بادشاہ ارکن" اٹینا میں (The King Archon at Athens) یا صرف اسقف اعظم جس طرح "رہنیس سکری فاٹیکس" (Rex Sacrificulus) روما میں تھا، رہ جاتا ہے۔ یونان، اٹلی، اور ایشیائے کوچک میں حکمران جماعت عام طور سے ایسے خاندانوں سے مرکب ہوتی تھی جو فرضی طور سے باہم رشتہ دار سمجھے جاتے تھے، اور اگرچہ ابتدا میں وہ سب اپنے دعاوی ایک حد تک مذہبی عظمت پر قائم کرتے تھے، مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوت کا انحصار اسی خیالی عظمت پر نہیں رہتا تھا۔ اگر ابتدا ہی میں عام رعایا ان پر غالب ہو کر ان کی قوت کو توڑ نہیں دیتی تھی، تو یہ جماعت آخر کار تقریباً وہ صورت اختیار کر لیتی تھی جس کا مفہم فی زمانہ سیاسی امرا (Political Aristocracy) کی اصطلاح سے ادا کیا جاسکتا ہے۔ ایشیائے کوچک کے بعد از مالک میں جو تبدیلیاں تمدن انسانی میں واقع ہوئیں وہ ان تبدیلیوں سے جو اٹالی اور یونانی دنیا میں واقع ہوئیں بہت پیشتر کی تھیں!

مگر عام تہذیب میں ان کی وہی حیثیت تھی، اور دونوں بلحاظ عام خصوصیات کے ایک دوسرے سے بہت زیادہ مشابہ تھیں۔ اس امر کی شہادت ایک درجہ تک ملتی ہے کہ ان قوموں میں جو بعدہ شاہان ایران کی تحت مل جل کر ایک ہو گئیں، اور ان قوموں میں جو جزیرہ نمائے ہند میں آباد تھیں، سب میں عہد فتوحات، اور جماعتِ امرا کا دور حکومت موجود تھا۔ مگر ساتھ ہی اس کی فوجی اور مذہبی لوگوں کی ایک مختصر جماعت (Oligarchy) جدا گانہ قائم ہو گئی تھی؛ مگر اس سے عام طور سے شاہی اختیارات میں فرق نہ آتا تھا۔ برخلاف مغرب کے، مشرق میں مذہبی جز، فوجی اور سیاسی جز پر غالب آنے لگا، اور فوجی اور ملکی امرا کی جماعت، بادشاہوں اور مذہبی پیشواؤں کے بیچ میں دب دبا کر نیست و نابود دیا بے نام و نشان ہو کر رہ گئی۔ اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہوں کو وسیع اختیارات حاصل رہے، مگر وہ حقوق مذہبی گروہ کے حقوق سے محدود تھے۔ دونوں ممالک میں جو فرق تھا وہ یہ تھا کہ مشرق میں امرا کے گروہ نے مذہبی، اور مغرب میں ملکی اور سیاسی رنگ اختیار کر لیا۔ مگر اس سے اس مسئلہ کی صداقت میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اگر تمام دنیا میں نہیں تو کم از کم ہندی یورپین قوموں کی تمام شاخوں میں، فاتح بادشاہوں کے تاریخی عہد کے بعد امرا کا تاریخی عہد شروع ہوتا ہے۔

محققین کے لئے اس میں قابل لحاظ امر یہ ہے کہ یہی امرا کا گروہ قانون کا محافظ اور اس کا عامل ہے اور اسی کو تمام شاہی حقوق حاصل ہیں، بجز اس اہم فرق کے کہ وہ ہر فیصلہ کی نسبت یہ دعوے نہیں کر سکتا کہ وہ اس کے دل میں القا کیا گیا ہے۔ اس خیال کا تسلسل جو بزرگ خاندان (Patriarchal Chieftain) کے فیصلوں کو آسمانی کی طرف منسوب کرتا تھا اب بھی جا بجا اس دعوے میں نظر آتا ہے کہ فلاں قانون کلیتاً یا اس کا کوئی جز آسمانی ہے، مگر خیالات میں جو ترقی ہو گئی ہے وہ اس کی اجازت نہیں دیتی کہ ایک نزع کے تصفیہ کے متعلق یہ کہا جاسکے کہ وہ آسمانی القا کا نتیجہ ہے۔ اس وقت امرا کی یہ قانونی جماعت جو دعوے کرتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ علم قانون کی

بلامداخلت غیرے وہی خازن، اور ان اصول کی جگہ ذریعہ سے باہمی تنازعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے، وہی تنہا قابض ہے۔ اب ہم فی تحقیقت رواجی قانون (Customary Law) کی منزل تک پہنچ گئے ہیں۔ اس وقت رواج اور راسم کا قابل احساس مجموعہ فراہم ہو گیا ہے اور اس کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کا کامل علم طبقہ امرا کو حاصل ہے۔ ہمارے جو ذرائع علم ہیں وہ ہم کو صاف طور سے بتا رہے ہیں کہ جو اختیار امرا کے اس مختصر گروہ کے ہاتھ میں دے دیا گیا تھا اس کا استعمال وہ بعض اوقات بیجا طور سے کرتے تھے، مگر اس بنابر اختیار مذکور کو محض غصب اور ظلم کا آلہ نہ تصور کرنا چاہئے۔

تحریر کے ایجاد کے قبل، اور قانون کی ابتداء نشوونما میں، امرا کے ایک گروہ کا عدالتی اختیارات کے ساتھ مخصوص کر دیا جانا ایک ایسی مناسب تجویز تھی جس کے ذریعہ سے قوم یا قبیلے کے رسم و رواج کی حفاظت کی امداد ہو سکتی تھی۔ ان رسم و رواج کی صحت کی امکانی ضمانت اسی طور سے ہو سکتی تھی کہ وہ قوم کے ایک محدود حصہ کے حافظہ میں محفوظ کر دیئے جائیں۔

رواجی قانون کا زمانہ اور اس کی حفاظت کا ایک مخصوص طبقہ سے متعلق کر دیا جانا ایسے امور ہیں جو خاص طور سے قابل لحاظ ہیں۔ جس اصول قانون کی حالت کا اس سے اظہار ہوتا ہے اس کے آثار اس وقت بھی قانونی اور روزمرہ کے محاورات میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً وہ قانون جس سے صرف قوم کا ایک مختصر مخصوص حصہ واقف ہوتا ہے خواہ وہ کوئی فرقہ ہو، یا طبقہ امرا یا مذہبی گروہ یا کوئی (دینی نظم و نسق) صمیم طور سے غیر مکتوبہ (Un-written Law) قانون کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے سولے دنیا میں کوئی ایسا قانون نہیں ہے جو غیر مکتوبہ ہو۔ بعض اوقات انگلستان کا نظائری قانون (Case Law) بھی غیر مکتوبہ قانون کہا جاتا ہے، اور بعض انگلستان کے اصولی لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر انگلستان کا اصول قانون ایک مجموعہ کی شکل میں مرتب کر لیا جائے تو گویا ہم غیر مکتوبہ قانون کو مکتوبہ قانون کی شکل میں لے آئیں گے، جو ان کی رائے میں، اگر مشتبہ نہیں، تو کم از کم بیحد قابل غور امر ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں

ہوسکتا کہ ایک زمانہ ایسا تھا جبکہ انگلستان کے عمومی قانون (Common Law) کو بطور معقول غیر مکتوبہ قانون کہہ سکتے تھے۔ انگلستان کے قدیم جج قطعی طور سے ایسے قواعد اصول اور امتیازات کے علم کے مدعی تھے جس سے وکلا اور عامہ علاقہ پوری طور سے واقف نہ تھی۔ لیکن یہ امر بہت مشتبہ ہے کہ آیا وہ کل قانون جس کے علم کا وہ تنہا دعویٰ کرتے تھے فی الحقیقت غیر مکتوبہ تھا۔ یہ مان لینے کے ساتھ ہی کہ ایک زمانہ میں دیوانی اور فوجداری کے اکثر قواعد ایسے تھے جن کا علم محض ججوں کو تھا ان کا غیر مکتوبہ ہونا باطل ہو جاتا ہے۔ جس وقت سے ولسٹن انسٹر کی عدالتوں نے اپنے فیصلوں کی بنیاد نظائر پر قائم کرنی شروع کی، خواہ وہ سالانہ رپورٹوں میں درج ہوں یا کہیں اور، اس وقت سے وہ قانون جس سے وہ لوگ کام لیتے تھے مکتوبہ قانون ہو گیا۔ اس وقت انگریزی قانون کے ہر قاعدہ کو، مطبوعہ نظائر کے واقعات کے الجھاؤ سے نکال کر، الفاظ کی شکل میں لانا پڑتا ہے، جو ہر جج کے مذاق، احتیاط، اور علم کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں؛ اور اس کے بعد قاعدہ مذکور کو مقدمہ زیر تصفیہ سے مطابق کرنا پڑتا ہے۔ مگر اس عمل کی کسی نوبت میں بھی کوئی ایسی خصوصیت نہیں پائی جاتی جس کی بنا پر وہ مکتوبہ قانون سے جدا خیال کیا جائے۔ یہ مکتوبہ نظائر قانون ہے، اور اس میں اور مدون قانون (Code Law) میں جو فرق ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ وہ بطریق مختلف ضبط تحریر میں آیا ہے۔ اصول قوانین کی تاریخ میں رواجی قانون کے بعد ہم ایک دوسرے عہد میں داخل ہوتے ہیں جو عہد اول سے صاف طور سے تمیز نظر آتا ہے؛ یعنی ان قدیم مدون قانون کے عہد میں جن کا سب سے زیادہ مشہور و معروف نمونہ روما کی بارہ لوئیں ہیں، یونان، اٹلی، اور مغربی ایشیا کے ان سواصل پر جہاں یونانی آبادیاں تھیں ان مدون قوانین نے تقریباً ایک ہی سے زمانوں میں رواج پایا۔ اس سے میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ فی الحقیقت ایک ہی وقت میں رائج ہوئے بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ یہ قوم کے ایک ہی مغربی ترقی پر پہنچنے کے بعد ان کا رواج ہوا۔ ممالک، سنہ کہہ کر کہ ان میں ہر مقام پر ان رواجوں کی جگہ جن کے نمازین

امرا کی ایک مخصوص جماعت کے حافظے تھے، لوگوں پر منقوش قوانین عامۃ خلایق کی اطلاع کے لئے شائع ہو گئے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس تبدیلی میں ان نازک خیالات کو کوئی دخل تھا جو اس زمانہ میں تدوین کی تائید میں پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ فن تحریر کی ایجاد اور اشاعت اس قدیم تدوین کی محرک تھی۔ یہ بالکل سچ ہے کہ امرا نے اس قانونی علم کا جس پر وہ تنہا قابض تھے سبب استعمال کیا، اور ان کا تنہا قانون پر متصرف ہونا عوام کی ان تحریکات کی کامیابی میں جو مغربی دنیا میں عام طور سے شروع ہو گئی تھیں، سبقت مزاحمت کی ممکن ہے کہ عامۃ خلایق کی خواہشات نے اس عمل کو زیادہ تر مقبول کر دیا ہو، مگر فی الحقیقت تدوین قانون فن تحریر کی ایجاد کا بلا واسطہ نتیجہ تھا۔ چند اشخاص کے حافظہ کے مقابلہ میں، خواہ وہ مشق سے کتنا ہی قوی کیوں نہ کر لیا گیا ہو، منقوشہ لوگوں قانون کی بہتر محافظ اور ان کی حفاظت کی بہتر ضمانت معلوم ہوتی تھیں۔

روما کا مجموعہ قانون بھی اسی قسم کے مجموعوں میں ہے جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں ان کی وقعت ان کی تدوین میں، کسی حسن ترتیب یا ان کے جامع و مانع ہونے پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ اس اشاعت اور علم پر ہے جس سے لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ ان کو کیا کرنا اور کیا نہ کرنا چاہئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ روما کی بارہ لوگوں میں ایک درجہ تک ترتیب کے آثار نظر آتے ہیں، مگر اس کی توضیح غالباً اس روایت سے ہو جاتی ہے کہ اس مجموعہ کے مرتب کرنے والوں نے ان یونانیوں سے مدد لی تھی جن کو یونان کے آخر زمانہ کی قانون سازی کا تجربہ تھا۔ سولن کے ”ایٹک کوڈ“ کے اجزا بتا رہے ہیں کہ ان میں بہت کم ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے، اور غالباً ڈریکو کے قوانین اس بارہ میں اور زیادہ بہتر تھے۔ ان مجموعوں کے جو اجزا مغرب اور مشرق میں اب تک باقی چلے آئے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مذہبی، دیوانی اور خالص اخلاقی احکام کے ایسے مجموعے ہیں جن میں ہر ایک کی خصوصیات کا فرق نہیں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور یہ ان معلومات کے مطابق ہے جن کا پتہ ہم کو

دوسرے ذرائع سے بھی ملتا ہے۔ قانون کا اخلاق سے، اور مذہب کا قانون سے علمدہ کیا جانا صاف طور سے ایسے زمانہ کا عمل ہے جبکہ عقول انسانی ترقی کے اور چند زینے طے کر چکی تھیں۔

یہ مجموعے آج کل کے لوگوں کی نظر میں خواہ کیسے ہی عجیب کیوں نہ معلوم ہوتے ہوں، مگر قدیم تمدنوں کے لیے ان کے بیکہ مفید اور اہم ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔ جو سوال ہر تمدن کی حالت آئندہ پر موثر تھا وہ یہ نہ تھا کہ آیا کوئی مجموعہ قانون ہونا چاہئے یا نہیں، کیونکہ اکثر قدیم تمدنوں نے کسی نہ کسی وقت ان کو حاصل کر لیا تھا۔ اور اگر اصول قانون کی تاریخ میں جاگیسرداری (Feudalism) کا طریقہ کھنڈت نہ ڈال دیتا تو قیاس غالب یہی ہے کہ تمام موجودہ قوانین کا سرچشمہ ایک حد تک یہی مجموعے ثابت ہوتے؛ بلکہ وہ سوال جس قوم کی تاریخ کا انحصار ہے یہ تھا کہ ترقی کے کس مرتبہ پر اور کس زمانہ میں اپنے قوانین کو مکتوبہ شکل میں لانا چاہئے۔ مغربی دنیا میں ہر سلطنت کے طبقہ ادنیٰ (Plebeian) نے عہد یہ حکومت (Oligarchy) کے تنہا اجارہ پر کامیابی کے ساتھ ملو آور ہو کر سلطنت جمہوری کی ابتدائی تاریخ میں عام طور سے ایک مجموعہ قوانین حاصل کر لیا تھا۔ لیکن مشرق میں جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں، حکمران امرانے بجائے فوجی اور سیاسی رنگ اختیار کرنے کے مذہبی رنگ اختیار کر لیا تھا جس سے وہ بجائے ضعیف ہونے کے اور زیادہ قوی ہو گئے تھے۔ اور بعض حالتوں میں ممالک ایشیا کی وضع کے لحاظ سے خاص خاص قومیں بہ نسبت مغرب کے تعداد میں بہت زیادہ ہو گئی تھیں۔ اور یہ ایک سلسلہ تمدنی اصول ہے کہ جو آئین جس قدر وسیع اقطاع میں شائع اور رائج ہو جاتا ہے، اسی قدر اسکی زندگی اور قیام میں مضبوطی ہو جاتی ہے۔ بہر حال مشرقی قوموں کو مجموعہ قوانین خواہ کسی وجہ سے طے ہوں، اس میں شک نہیں کہ وہ مغربی قوموں کے بعد طے، اور ان کی حیثیت بالکل دوسری تھی۔ ایشیا کے مذہبی پیشوا بھی خواہ خود اپنی ہمت یا اپنے حافظوں سے بارگم کرنے، یا اپنے شاگردوں کی تعلیم کے لیے، خواہ کوئی سبب ہو، بالآخر اپنے قانونی علم کو مجموعوں کی شکل میں مدون کرنے پر مجبور ہوئے۔

مگر جو موقع اپنے اقتدار کے بڑھانے، اور ان کے مضبوطی کرنے کے لیے، وہ اس قدر لالچ دلانے والے تھے کہ ان سے بچنا مشکل تھا۔ قانونی علم پر ان کے تنہا قابض ہونے نے ان کو یہ موقع دیا کہ انھوں نے ایسے مجموعے دنیا میں شائع کر دیئے جو صرف ان قواعد پر نہیں جن پر فی الحقیقت عمل کیا جاتا تھا، بلکہ ان قواعد پر مشتمل تھے جو اس مذہبی گروہ کے خیال میں زیادہ تر عمل آوری کے قابل تھے۔ ہندوؤں کا مجموعہ قوانین، جو منمو کے قانون کے نام سے موسوم ہے، یقیناً برہمنوں کا مولفہ ہے۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ اس میں اکثر صحیح، ہندوؤں کے مراسم درج ہیں، مگر زمانہ حال کے بہترین مستشرقین کا یہ خیال ہے کہ مجموعی طور سے ان میں ایسے قواعد موجود ہیں، جو فی الحقیقت کسی زمانہ میں بھی ہندوستان میں رائج نہ تھے۔ اس کا بڑا حصہ اس حالت کی ایک خیالی تصویر ہے، جو برہمنوں کی رائے میں بلحاظ قانون کے ہونی چاہئے تھی۔ انسانی فطرت اور اس کے مولفین کے مخصوص مقاصد کے لحاظ سے یہ امر ضرور تھا، کہ ایسے مجموعہ قوانین کے لیے جیسا کہ منمو کا ہے یہ دعوے کیا جائے کہ وہ سید قدیم اور بصورت مجموعی آسمان سے اترا ہے۔ منمو ہندوؤں کے عقائد کے مطابق پر مشیور کے ایک اوتار تھے۔ لیکن جو مجموعہ ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور جس کی صحیح تاریخ کا باسانی دریافت ہونا مشکل ہے، ہندوؤں کے اصول قانون کی بالمقابل ترقی کی تاریخ میں بہت بعد کی تالیف معلوم ہوتا ہے۔

16

بارہ لوح یا اسی قسم کے دوسرے مجموعوں سے سب سے بڑا فائدہ جو ان قوموں کو پہنچا جنھوں نے یہ مجموعے حاصل کر لیے یہ تھا کہ، وہ جدید حکومت کے فریب اور قومی آئین کی لازمی تخریب اور تذبذب سے محفوظ ہو گئیں۔ روما کا مجموعہ قوانین ان مراسم کا الفاظ میں تذکرہ اور بیان تھا جو روما کے باشندوں میں جاری اور شائع تھے۔ اہل روما کی تہذیب کی ترقی کے لحاظ سے ان کا مجموعہ قوانین غیر معمولی طور سے قبل از وقت تھا، اور ایسے وقت میں شائع ہوا تھا جبکہ روما کے باشندے بہ مشکل وہ عقلی منازل طے کرنے پائے تھے جس میں تمدنی وجوب اور مذہبی فرائض باہم خلط ملط ہوتے ہیں۔ یہ امر

نظارہ ہے کہ ایک وحشی قوم کو جو خاص مراسم کی پابند ہو، ایسے خطرات پیش آسکتے ہیں جو اس کی ترقی تہذیب کے لیے سم قاتل ثابت ہوں۔ برخلاف اس کے بعض مراسم جو کوئی خاص قوم اپنے ابتدائی زمانہ اور اپنے ابتدائی وطن میں اختیار کر لیتی ہے عموماً ایسے ہوتے ہیں جو بہم وجہ اس کی مادی اور اخلاقی ترقی کے لیے مفید ہوتے ہیں؛ اور اگر وہ صرف اُسی وقت تک بحسبہ قائم رکھے جاتے ہیں جب تک کہ جدید تمدنی ضرورتیں ان کو جدید مراسم نہیں سکھاتیں، اس وقت تک قوم کی ترقی کا راستہ کھلا اور یقینی رہتا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے ایک قانون ترقی ایسا ہے جو ایسے مراسم کو جو ضبط تحریر میں نہیں آئے ہیں ہمیشہ درہم برہم کر دینے کے لیے آمادہ رہتا ہے۔ مراسم کی پابندی عوام کرتے ہیں جو ان کے اشیع مصالح کے سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتے، اور اس لیے ان کے قیام کے لیے خیالی اور وہمی وجہ اپنے ذہن میں قرار دے لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور اس کے بعد ایک دوسرا عمل شروع ہو جاتا ہے جو مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ معقول مراسم نامعقول مراسم کی پیدائش کے باعث ہو جاتے ہیں۔ تشکیل (Analogy) جو فن اصول قانون کی پختگی کے زمانہ میں اس قدر مفید چیز ہے، اس کی خامی اور ابتدائی حالت میں سخت مضرت ثابت ہوتی ہے۔ جو اوامر اور نوایں ابتداءً بوجہ معقول ایک خاص قسم کے افعال سے متعلق کیے گئے تھے، وہ دوسرے اسی قسم کے افعال سے متعلق کر دیے جاتے ہیں، کیونکہ انسان جو ایک قسم کے افعال کے ارتکاب میں دیوتاؤں سے ڈرتا ہے، وہ فطرتی طور سے ان افعال کے ارتکاب میں بھی خوف زدہ ہوتا ہے جو افعال ممنوعہ سے دور کی مشابہت بھی رکھتے ہیں۔ اگر ایک قسم کی غذا بلحاظ صحت ممنوع کی گئی ہے، تو وہ ممانعت دوسری غذاؤں سے بھی متعلق کر دی جاتی ہے اگرچہ ان کا تشابہ بعض اوقات محض خیالی ہوتا ہے۔ اسی طرح عام پاک و صاف رہنے کا حکم چند روز کے بعد مذہبی نہانے دھونے کے طول طویل مراسم سے بدل جاتا ہے، اور قوم کی جانوروں میں تفریق، جو تمدن کی تاریخ کے ایک خاص نازک زمانہ میں قومی زندگی کے لیے نہایت ضروری ہوتی ہے، انسانی تمدن کا سب سے زیادہ تباہ و برباد کن آلہ

یعنی "ذات" (caste) کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ہندوؤں کے قانون کی جو حالت ہوئی اس سے قانون روما کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علم الانسان (Ethnology) بتاتا ہے کہ باشندگان روما اور ہندو ابتداءً ایک نسل سے ہیں اور فی الحقیقت ان کے ابتدائی مراسم میں بہت زیادہ تشابہ پایا جاتا ہے ہندوؤں کے اصول قانون میں اس وقت بھی جزالت رائے اور دورانہ نشینی کی تہ نظر آتی ہے، لیکن غیر دانشمندانہ نقل نے اس میں فضول اور تکلیف دہ امور داخل کر کے اس کو بیہودگی کا ایک عظیم الشان آلہ بنا دیا ہے۔ ان فضولیات سے اہل روما محض اپنے مجموعہ قانون کی وجہ سے محفوظ رہے۔ ان کے مجموعہ کی ترتیب ایسے وقت میں ہوئی کہ مراسم صحیح اور سالم حالت میں تھے اگر وہ ایک صدی بعد مرتب ہوتے تو یہ حالت باقی نہ رہتی۔ ہندوؤں کا قانون بڑی حد تک ضبط تحریر میں آچکا ہے، اور اگرچہ وہ ایک شکل میں اس وقت سنسکرت میں موجود اور ایک لحاظ سے قدیم ہے، مگر اس امر کی کافی شہادت موجود ہے کہ وہ ایسے وقت میں مدون ہوا کہ جو نقصان پہنچنا تھا وہ پہنچ چکا تھا فی الحقیقت ہم کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ اگر روما کی بارہ الواح کی اشاعت نہ ہوئی ہوتی تو اہل روما کا تمدن اور ان کی تہذیب ایسی ہی کمزور ہوتی جیسی کہ ہندوؤں کی ہے، مگر کم سے کم اس قدر ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ان کو اپنے مجموعہ قوانین کی موجودگی میں ایسی حالت سے محفوظ رہنے کا زیادہ تر موقع موصول تھا۔

فصل دوم

مفروضات قانونی

جب ابتدائی قانون ضبط تحریر یعنی مجموعہ یا "کوڈ کی" شکل میں آجاتا ہے اُس وقت سے اس کی وہ ترقی جس کو خود رو کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد سے اگر اس میں کبھی کوئی تبدیلی ہوتی ہے تو وہ سمجھ بوجھ کر اور بیرونی طور سے کی جاتی ہے۔ یہ فرض کرنا کہ کسی قوم یا فرقہ کے رسم و رواج میں، اُس وقت سے لے کر کہ انھیں کسی پدرسری بادشاہ نے قائم کیا، ان کے ضبط تحریر میں آنے تک، جو ایک طویل اور نقض صورتوں میں بے شمار مدت ہوتی ہے، کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی، محض محال ہے۔ یہ کہنا بھی احتیاط کے خلاف ہوگا کہ تبدیل کا کوئی جز بھی دیدہ و دانستہ نہیں کیا گیا ہے۔ اُس زمانہ کی قانونی ترقی کے متعلق جو کچھ معمولاً بہت ہم کو علم ہے اس کی بنا پر ہیں یہ فرض کر لینے کی گنجائش ہے کہ ان تبدیلیوں میں کسی خاص مقصد کو بہت کم دخل تھا۔ قدیم رسم و رواج میں جو تبدیلیاں نظر آتی ہیں وہ تبدیل خیالات اور احساسات کے نتائج ہیں، جن کو ہمارے موجودہ عقول سمجھنے سے عاری ہیں۔ مگر قانون کے ضبط تحریر میں آجانے کے بعد سے ایک جدید دور

شروع ہو جاتا ہے اور اس کے بعد سے جب کسی قانونی تبدیلی کا پتہ چلتا ہے، تو ہم اس کی نسبت یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دیدہ و دانستہ بغرض ترقی، یا ان تمام امور پر حاوی ہو جانے کے لیے عمل میں آئی ہے، جو ان امور کے علاوہ تھے جو قدیم زمانہ میں مطمح نظر رہے تھے۔

بادی النظری طور سے یہ امر ذہن میں آتا ہے کہ نظا ہائے قانونی کے ضبط تحریر میں آ جانے کے بعد ان کی تاریخ سے ایسے عام مسائل اخذ نہیں کیے جاسکتے جو قابل اعتبار سمجھے جائیں، کیونکہ میدان ضرورت سے زیادہ وسیع ہے اس امر کا یقین کرنا بھی دشوار ہے کہ جس قدر امور پر ہم نے غور کیا ہے وہ کافی مقدار میں ہیں، یا یہ کہ جن پر ہم نے غور کیا ہے ان کو ہم صحیح طور سے سمجھ سکے ہیں۔ لیکن یہ کام اس وقت زیادہ تر آسان ہو جاتا ہے، جب ہم یہ امر پیش نظر رکھیں کہ قوانین کے ضبط تحریر میں آ جانے کے بعد سے ترقی کرنیوالی اور نہ ترقی کرنے والی قوموں کا فرق نمایاں طور سے ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اس وقت ہماری بحث صرف ترقی کرنے والی قوموں سے ہے جن کی تعداد بین طور سے بہت تھوڑی ہے۔ مغربی یورپ کے باشندوں کو، باوجود کثیر شہادت کے، پورے طور سے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ جو تہذیب ان کے گرد و پیش نظر آتی ہے وہ دنیا کی تاریخ میں ایک شاذ استثناء ہے۔ ہمارے عام خیالات تمام خوف رجا اور منصوبوں میں ایک تغیر عظیم واقع ہو جائے اگر ترقی کرنے والی قوموں کا تناسب جملہ نوع انسان کے ساتھ صاف طور سے ہمارے پیش نظر رہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ بنی نوع انسان کے بڑے حصے نے اپنے قوانین کی ظاہری تکمیل اور ایک مستقل شکل میں آ جانے کے بعد ذرہ برابر بھی اس کی خواہش نہیں کی کہ اس کے ملکی آئین میں کوئی ترقی ہو۔ یہ درست ہے کہ بعض اوقات کچھ مراسم زبردستی منسوخ کر دیے گئے، اور ان کی جگہ دوسرے مراسم قائم ہو گئے ہیں؛ اور کہیں ایک ابتدائی مجموعہ قوانین، جس کے آسمانی ہونے کا دعوے کیا جاتا تھا زیادہ تر وسیع، اور مذہبی مفسدین کی بے اعتدالیوں سے توڑ موڑ کر عجیب شکل میں کر دیا گیا ہے غرض کہ دنیا کے ایک مختصر حصہ کے سوائے کسی جگہ

نظام قانونی کو تدریجی ترقی نہیں ہوئی۔ بعض قوموں نے مادی ترقی ضرور کی، مگر بجائے اس کے کہ وہ ترقی قانون کو وسیع کرے قانون نے خود اس ترقی کو محدود اور جامد بنادیا۔ قوموں کی ابتدائی حالتوں پر نظر ڈالنے سے اس منزل کا کچھ پتہ چلتا ہے جہاں پہنچکر اکثر قوموں کی ترقی رک گئی ہے۔ ہم صاف طور سے دیکھتے ہیں کہ برہمنوں کا ہندوستان اس منزل سے آگے نہیں بڑھا جو دنیا کے ہر قوم کے راستہ میں پیش آتی ہے، اور جس میں قانون اور مذہب کے قاعدہ میں کوئی تیز اور فرق نہیں کیا جاتا۔ ایسی تمدنی جماعت کے ارکان مذہبی احکام کی خلاف ورزی میں عدالتی سزا دینا مناسب تصور کرتے ہیں اور قانونی فرائض کی عدم ادائی کو مستوجب عذاب الہی قرار دیتے ہیں۔ چیتنی اس منزل سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ مگر اس کے بعد ہی ان کی ترقی کا راستہ مسدود ہو گیا کیونکہ ملکی قوانین قوم کے مجموعہ خیالات کے ساتھ چلتے ہیں۔ جو فرق ترقی کرنے والی اور جامد قوموں میں ہوتا ہے، وہ ان بڑے رازوں میں سے ہے جسے اب تک تحقیقات دریافت نہیں کر سکی ہے۔ اسکی جزئی توضیح غالباً ان امور سے ہو سکے جو میں نے گذشتہ فصل کے خاتمہ پر بیان کئے ہیں۔ یہ امر بھی قابل اظہار ہے کہ اس تحقیقات میں کسی ایسے شخص کو کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی جو صاف طور سے یہ نہ سمجھتا ہو کہ جمود بنی نوع انسان کا قاعدہ، اور ترقی اس کا استثناء ہے۔ تحقیقات میں کامیابی کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ قانون روما کے مخصوص منازل سے پوری طرح سے واقفیت رکھتا ہو۔ تمام انسانی آئینوں میں رومیوں کے اصول قانون کی تاریخ سب سے زیادہ مشہور اور قدیم ہے۔ اور جو تبدیلیاں اس میں وقتاً فوقتاً ہوتی رہیں وہ متیقن اور صریح ہیں۔ ابتدا سے لے کر انتہا تک اس کی یہ تبدیلی مفید تھی یا تبدیل کرنے والے اپنے خیال میں اس کو مفید تصور کرتے تھے۔ ترقی کا یہ سلسلہ ایسے زمانے میں بھی جاری رہا جبکہ بقیہ دنیا کے انسانی خیالات اور افعال میں سستی پیدا ہو گئی تھی اور متواتر یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ اُن پر حالت جمود طاری ہو جائے گی۔ تیس آگے چلکر صرف ترقی کرنے والی جماعتوں ہی سے بحث کروں گا۔ ایسی جماعتوں ہی کے متعلق

یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں تمدنی ضرورتیں اور تمدنی خیالات کم و بیش قانون کے پیش رو اور ہادی ہیں۔ ان دونوں میں جو فاصلہ ہے اس کو ہم رفع کر دینا چاہتے ہیں اور بالکل اس کے قریب قریب آجاتے ہیں، مگر اس فاصلہ کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ قائم رہتا ہے؛ کیونکہ قانون ساکن ہوتا ہے اور جن جماعتوں کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ آگے بڑھتی جاتی ہیں۔ عامہ خلایق کی راحت اور خوشی کا کم و بیش انحصار اسی پر ہے کہ وہ فاصلہ جو ان دونوں کے درمیان واقع ہے وہ جہاں تک عجلت کے ساتھ ممکن ہو مختصر کر دیا جائے۔

قانون کو جماعت کی ضرورتوں کے مطابق کرنے کے ذرائع کے متعلق ایک عام رائے کا اظہار کیا جاسکتا ہے، جو ایک حد تک قابل لحاظ ہے۔ میرے نزدیک اس مقصد کے لیے تین ذریعے ہو سکتے ہیں، قانونی مفروضات، نصفت اور وضع قوانین۔ جس ترتیب سے میں نے ان کو بیان کیا ہے وہی ان کی تاریخی ترتیب بھی ہے۔ بعض اوقات ان میں سے ایک ساتھ دو ذرائع اپنا عمل کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں، اور بعض نظا ہائے قانونی ایسے ہیں کہ ان میں ان ذرائع میں سے کوئی نہ کوئی ذریعہ بالکل بے اثر رہا ہے۔ لیکن میرے ذہن میں کوئی ایسی مثال نہیں ہے جس میں اس کے ظہور کی یہ ترکیب بدل گئی ہو۔ ان میں سے نصفت کی ابتدائی تاریخ عام طور سے بالکل تاریخی میں ہے۔ اور اس بناء پر بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بعض منفرد قوانین جو تمدنی ضرورتوں کی اصلاح کے لیے جاری ہوئے تھے، انہیں اختیارات نصفت پر تقدم حاصل ہے۔ مگر میرا ذاتی یقین یہ ہے کہ نصفتی چارہ کار کو ہر جگہ قوانین موضوعہ کے چارہ کار پر تقدم حاصل رہا ہے اگر یہ ترتیب قطعی طور سے صحیح نہ مانی جائے تو ان کی ترتیب کے متعلق جو رائے قائم ہوئی ہے انہیں ان زمانوں سے محدود کر دینے کی ضرورت پڑے گی جن میں وہ متواتر اور مسلسل ابتدائی قانون کی تبدیلی میں موثر رہے ہیں۔ میں نے لفظ ”مفروضات“ اس سے بہت زیادہ وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے جس میں انگلستان کے مقننین اس کے استعمال کو نیچے

عادی ہیں، یا جن معنوں میں وہ رویوں میں استعمال ہوتا تھا۔ روما کے قدیم قانون میں لفظ ”مفروضہ“ (Fictio) اگر ٹھیک طور سے دیکھا جائے تو فرضین مقدمہ کے بیانات کی ایک اصطلاح ہے، اور اس سے مقصد وہ غلط بیان ہوتا تھا جو مدعی کی طرف سے کیا جاتا تھا مگر جس کی تردید کی مدعی علیہ کو اجازت نہ تھی؛ مثلاً مدعی کا یہ بیان کہ وہ شہر روما کا باشندہ ہے، اگرچہ فی الحقیقت وہ ملک غیر کا باشندہ ہو۔ ان مفروضات کا مقصد صرف حصول اختیار تھا، اور اس لحاظ سے وہ بہت زیادہ ان بیانات سے مشابہ تھے جو انگلستان کی اعلیٰ قانونی عدالتیں اپنے طلب ناموں میں استعمال کرتی تھیں، اور جن کے ذریعہ سے انھوں نے عام دیوانی عدالتوں کے اختیارات غصب کر لیے تھے۔ مثلاً یہ بیان کہ مدعی علیہ شاہی مارشل کی نگرانی میں تھا یا یہ کہ مدعی شاہی مقروض تھا، اور وہ مدعی علیہ کے قصور کی وجہ سے اپنے ذمہ کا قرضہ نہ ادا کر سکا۔ لیکن اب میں ”مفروضات قانونی“ کے الفاظ ان مفروضات کی نسبت استعمال کرتا ہوں جو اس واقعہ کو چھپاتے یا چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، کہ قانون کے ایک قاعدہ میں تبدیلی ہو گئی ہے، اور اس کے الفاظ بحال خود ہیں، مگر اس کا عمل بدل گیا ہے۔

اس لئے میرے الفاظ ”مفروضات“ نہ صرف ان مثالوں پر عادی ہیں جو میں نے قانون روما اور انگلستان سے منتخب کر کے پیش کی ہیں، بلکہ اس سے زیادہ تر وسیع معنوں میں، استعمال ہوئے ہیں، کیونکہ میں انگلستان کے نظائری قانون اور روما کے جوابات عقلا (فتوے Responsa Prudentium) کو بھی انھیں مفروضات پر مبنی کرنا چاہتا ہوں۔ ان دونوں مثالوں سے عنقریب بحث کی جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں قانون بالکل بدل دیا جاتا ہے، مگر مفروضہ یہی رہتا ہے کہ وہ بحال خود اور بحسنہ قائم ہے۔ اس کا سمجھنا کچھ زیادہ دشوار نہیں کہ مفروضات کی تمام صورتیں قوم کی ابتدائی زندگی میں کیوں اس قدر زیادہ مطبوع ہوتی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان سے ترقی کی وہ خواہش ایک حد تک پوری ہو جاتی ہے جو کسی وقت بھی بالکل معدوم نہیں ہوتی، اور اس کے ساتھ ہی تبدیلی کی وہی ناگواری، جو ہر زمانہ میں

موجود رہتی ہے، پیش نہیں آنے پاتی۔ تمدنی ترقی کی ایک خاص منزل میں یہ مفروضات قانون کی سخت گیر یوں میں کمی کر دینے کے لئے سید مفید اور کارآمد ذرائع ثابت ہوتے ہیں، اگر ان میں سے ایک یعنی تسنیت ہی کا وجود نہ ہوتا جسکی وجہ سے ایک فرضی خاندانی تعلق پیدا ہو جاتا ہے، تو یہ سمجھنا مشکل ہے کہ قومی کس طرح اپنے جگر بند سے آزاد ہو کر تہذیب کے میدان میں پہلا قدم ڈال سکتیں۔ اس لئے منقسم نے مفروضات قانونی کا جو جا بجا خاکہ اڑایا ہے اس سے ہم کو مطلق نہ متاثر ہونا چاہئے۔ ان کو محض فریب قرار دے کر ان کی توہین کرنا قانون کی ترقی کی تاریخ میں ان کے مخصوص مقاصد سے ناواقفیت کی کامل دلیل ہے۔ مگر اسکے ساتھ ان اصولی لوگوں سے اتفاق کرنا بھی حماقت سے خالی نہ ہوگا جو مفروضات کے کارآمد ہونے کی بنا پر اس کے طرفدار ہیں کہ ان کو ہمارے قانونی نظام میں قائم رکھنا ضرور ہے۔ اس وقت بھی ایسے مفروضات موجود ہیں جن کا قوی اثر انگلستان کے اصول قانون پر پڑتا ہے، اور جو خیالات کو سخت صدمہ پہنچائے اور انگلستان کے دکان کے اصطلاحات اور محاورات میں سخت تبدیلی کے بغیر ترک نہیں کئے جاسکتے۔ لیکن اس امر کی عام صداقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک سید مفید مقصد حاصل کرنے کے لئے ایسا نامعقول طریقہ اختیار کرنا ہمارے شایان شان نہیں ہے۔ میں کسی ایسی بے ضابطگی کو جو قانون کے سمجھنے یا اس کی ترتیب میں، مشکل پیدا کر دے، بے ضرر نہیں تصور کرتا۔ علاوہ دوسرے امور کے یہ مفروضات، قانون کی باضابطہ ترتیب میں سخت مزاحم ہیں۔ قانون کا ایک قاعدہ بحال خود موجود رہتا ہے، مگر وہ محض ڈھانچہ ہوتا ہے جس میں جان نہیں ہوتی، اس قاعدہ کو مرکز زمانہ ہو جاتا ہے اور ایک جدید قاعدہ اس ڈھانچہ میں آکر جانشین ہو جاتا ہے۔ اب یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ جو قاعدہ کہ فی الحقیقت نافذ اور قابل عمل ہے وہ اپنی حقیقی جگہ یا ظاہری جگہ پر قائم کیا جائے، اور اس میں مختلف عقول کے آدمی مختلف راستے اختیار کر لیتے ہیں۔ انگلستان کے قانون کی صحیح ترتیب اور تقسیم کے لئے یہ امر ضرور ہے کہ مفروضات قانونی اس سے چھانٹ دیئے جائیں جو باوجود وضع قوانین کی حالیہ ترقی کے اب بھی اس میں بکثرت

موجود ہیں۔

اس دوسرے ذریعہ کو جسکی وجہ سے قانون تمدنی ضروریات کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے میں 'نصف' کہتا ہوں۔ اس لفظ سے میری مراد وہ قواعد ہیں جو ملکی قانون کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں، مگر جو اس سے مختلف اصول پر مبنی ہوتے ہیں اور جن کو بعض اوقات ملکی قانون کے قواعد پر اس وجہ سے ترجیح دی جاتی ہے کہ جن اصول پر وہ مبنی ہیں وہ زیادہ تر وقعت اور تعظیم کے قابل ہیں۔ نصف خواہ وہ روما کے مجوں یا انگلستان کے چانسلروں کی پیدا کی ہوئی ہو، مفروضات قانونی سے جو ہر صورت میں اس سے قبل کے ہیں، مختلف ہے۔ اس لحاظ سے کہ اس کی مداخلت قانون میں علانیہ اور صریح ہے۔ نصف وضع قوانین سے بھی جدا ہے، جو اس کے مابعد قانونی ترقی کا ذریعہ ہے۔ فرق یہ ہے کہ نصف کے تسلیم کئے جانے کا دعوے کسی ظاہری شخص یا جماعت یا ان مجسٹریٹوں کے حقوق پر جو اس کو کام میں لاتے ہیں، مبنی نہیں ہوتا بلکہ اس کی بنیاد ان اصول کی مخصوص نوعیت پر قائم ہوتی ہے، جن کے ساتھ جیسا کہ کہا جاتا ہے، ہر قانون کو مطابق ہونا چاہئے۔ ایسے چند اصول کے وجود کا تصور جو اصل قانون سے زیادہ تر وقوع اور کسی ظاہری جماعت کے حکم یا منظوری کے بغیر کام میں لائے جانے کے قابل سمجھے جاتے ہوں، اس سے بہت زیادہ ترقی یافتہ زمانہ کا خیال ہے جس میں مفروضات قانونی کے رواج کی ابتدا ہوئی۔

وضع قوانین، یعنی قوانین مجریہ واضعان قانون، خواہ انکے واضع خود مختار بادشاہ ہوں یا پارلیمنٹ، تمام قوم کے نمائندہ فرض کر لیے جاتے ہیں، اور یہی قانونی ترقی کا آخری ذریعہ ہے۔ یہ عمل مفروضات قانونی سے ایسا ہی مختلف ہے جیسے نصف اس سے مختلف ہے۔ نصف اور موضوعہ قوانین میں یہ فرق ہے کہ قانون کا ماخذ ایک ظاہری جماعت یا شخص ہوتا ہے اور اس کے واجب التعمیل ہونے میں اس کے اصول کو کوئی دخل نہیں ہوتا واضعان قانون، خواہ عام رائے کا ان پر کتنا ہی اثر کیوں نہ پڑتا ہو، اصول اس امر کے

مجاز میں کہ وہ جو فرائض چاہیں ارکان قوم پر عائد کر دیں۔ ان کے یہودہ سے یہودہ خیالات کو قانونی جامہ پہنانے میں کوئی چیز روکنے والی نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ یہ قوانین اصول نصفیت کے مطابق ہوں، اگر نصفیت کے معنی اس صحت یا غیر صحت کے معیار کے لیے جائیں جس سے واضعاً قوانین کے وضع کردہ قوانین اتفاقاً مطابق ہو جائیں، پھر بھی ان قوانین کی پابندی کا لزوم واضعاً قانون کے اختیارات سے ماخوذ ہوتا ہے نہ کہ ان اصول سے جن پر واضعاً قوانین نے عمل کیا ہے، اور اس طور سے ان میں اور مصطلح قواعد نصفیت میں فرق پڑ جاتا ہے، جو اپنی مفروضہ وقعت اور عظمت کے لحاظ سے بغیر بادشاہ یا پارلیمنٹ کی منظوری کے بھی عدالتوں میں کام میں لائے جانے کے قابل متصور ہوتے ہیں۔ ان فرقوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضرور ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ مختلف کی تصانیف کا پڑھنے والا مفروضات قانونی، نصفیت، اور قوانین کو وضع قوانین کے ایک عنوان کی تحت میں تصور کر کے سب کو خلط ملط کر دے۔ وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ ان سب میں قانون سازی کا عمل موجود ہے، ان میں صرف فرق اتنا ہے کہ وہ مختلف ذرائع سے بطور جدید قاعدہ کے وجود میں آئے ہیں یہ بالکل سچ ہے، اور ہم کو یہ کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے، مگر اس بنا پر ہم کو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ہم وضع قوانین کی سی کارآمد اصطلاح کو مخصوص معنوں میں استعمال کرنا کیوں ترک کر دیں۔ وضع قوانین، اور نصفیت، عوام اور نیز اکثریتین کے خیال میں دو مختلف چیزیں ہیں؛ اور ان کے امتیاز کو، خواہ وہ کیسا ہی رسمی کیوں نہ ہو، اٹھا دینا شیعہ نہ ہوگا جبکہ اس سے اہم عملی نتائج ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

ہر باضابطہ مرتبہ قواعد کے مجموعہ سے مفروضات قانونی کی مثالیں منتخب کر لینا کچھ دشوار نہیں، جن سے زمانہ حال کے ناظرین کو ان کی صحیح نوعیت کا پتہ چل سکتا ہے۔ البتہ ان دو مفصلہ ذیل مثالوں میں جن سے میں بحث کرنا چاہتا ہوں، اس مصلحت کی نوعیت کا دریافت کر لینا جن کی بنا پر ان سے کام لیا گیا، کسی قدر دشوار ہے۔ ان مفروضات کے ابتدائی موجدوں کا غالباً یہ

28

منشا نہ تھا کہ وہ کوئی جدت پیدا کریں، اور یہ امر یقینی تھا کہ وہ اس سے بچنا چاہتے تھے کہ ان پر جدت کا اشتباہ کیا جائے۔ علاوہ اس کے بہت سے آدمی ایسے ہیں اور تھے، جو اس عمل میں مفروضات کا کوئی وجود نہیں پاتے، اور ان کے رسمی الفاظ ان کے اس انکار کا پتہ دیتے ہیں۔ بہر حال اس امر کے اظہار کے لیے کہ مفروضات قانونی کس درجہ شائع ہیں، اور کس خوبی سے اپنے دونوں عمل یعنی قانون میں تبدیلی کرتے ہیں اور اس تبدیل کو ظاہر نہیں ہونے دیتے، ان دو مثالوں سے بہتر کوئی اور مثال نہیں ہو سکتی۔ ہم لوگ انگلستان میں ایسے ذریعہ سے قانون میں توسیع، تبدیل، اور اضافہ کے عادی ہیں، جو اصولاً موجودہ اصول قوانین میں ایک نقطہ یا ذرہ برابر بھی تبدیلی کا مجاز نہیں منظور ہو سکتا۔ یہ کارروائی جس کے ذریعہ سے حقیقی وضع قانون کا عمل ہوتا رہتا ہے ایسی غیر محسوس نہیں ہے کہ اس کے تسلیم کئے جانے سے انکار کیا جاسکے۔ ہم اپنے قانون کے اس جز اعظم کے متعلق جو نظائر میں پوشیدہ اور قانونی رپورٹوں میں ثبت ہے، دو متضاد قسم کے خیالات رکھتے، اور اسی کے مطابق دو مختلف قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ جب کسی انگلستان کی عدالت کے سامنے چند واقعات کا ایک مجموعہ تصفیہ کے لیے پیش کیا جاتا ہے، تو اس تمام بحث میں جو حج اور دلائل میں ہوتی ہے یہ سلسلہ ہوتا ہے کہ کوئی سوال نہ ایسا ہے، اور نہ ہو سکتا ہے، جس کے حل کرنے کے لیے بجز قدیم اصول کے کسی اور اصول کی ضرورت ہے، یا کسی ایسے امتیاز اور فرق کی حاجت ہے جو اس سے بہت قبل منظور اور تسلیم نہیں کر لیا گیا ہے۔ یہ کامل طور سے فرض کر لیا جاتا ہے کہ معروف قانون کا کوئی نہ کوئی قاعدہ ایسا ہے جو تصفیہ طلب مقدمہ کے واقعات پر پورے طور سے عادی ہوگا، اور اگر ایسا کوئی قاعدہ دستیاب نہیں ہوتا تو اس میں ہمارے استحصالِ علم، اور تبصرہ کا قصور ہے۔ مگر جوں ہی مقدمہ کا فیصلہ ہو کر درج رپورٹ ہو جاتا ہے تو ہم نادراستہ اور بلا اعتراف کے جدید الفاظ استعمال کرنے اور جدید خیالات کا سلسلہ قائم کرنے لگتے ہیں۔ اب ہم اس کے مقرر اور معترف ہو جاتے ہیں کہ جدید فیصلہ نے قانون کو بدل دیا ہے۔ اور قواعد متعلقہ جیسا کہ

29

غلط طور سے بعض اوقات کہا جاتا ہے، 'زیادہ تر لچکار کر دیئے گئے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ بدل دیئے جاتے ہیں۔ نظائر میں ایک صریح اضافہ ہو جاتا ہے، اور مختلف نظائر کا باہم مقابلہ کر کے جو قانونی حکم مستنبط ہوتا ہے وہ وہی نہیں ہوتا جو ایک نظیر کے بھی خارج کر دئے جانے کے بعد مستنبط ہوتا۔ یہ امر کہ قدیم قاعدہ نسخ ہو کر جدید قاعدہ اس کی جگہ قائم ہو گیا ہے ہماری نظر میں نہیں آتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اس کے عادی نہیں ہیں کہ نظائر سے جو اصول قانون مستنبط ہوتے ہیں ان کو ٹھیک اور صحیح الفاظ میں لا کر بیان کریں، اس طور سے جو تبدیلیاں ان کے فحوا میں ہوتی ہیں وہ ہم کو اس وقت تک نظر نہیں آتیں جب تک کہ وہ بہت صریح اور بالکل علانیہ نہیں ہوتیں۔ میں اس وقت اس امر پر بحث کرنا نہیں چاہتا کہ انگلستان کے مقنین نے اس عجیب عمل کو اس وقت تک کیوں جاری رکھا ہے، اس کی وجہ کا مطالعہ اس سے پتہ چل جائے کہ ابتدائیں یہ امر تسلیم کر لیا گیا تھا کہ مخفی (In Nubibus) یا ناظم کے ذہن (Ingremio magistratum) میں، ایک ایسا مکمل، مرتب، مسلسل اور وسیع انگریزی قانون موجود تھا جس سے ایسے اصول مستنبط ہو سکتے ہیں جو تمام قابل تصور معاملات کے تصفیہ کے لئے کافی ہیں، ابتداً اس اصول پر اس سے بہت زیادہ یقین کیا جاتا تھا جتنا کہ اب کیا جاتا ہے، اور اس کے واسطے معقول وجوہ بھی تھے۔ تیرہویں صدی کے ججوں کے پاس فی الحقیقت قانون کا ایک ایسا ذخیرہ ہو گا جس سے وکلاء اور عامہ خلائق محض ناواقف ہوں گے، کیونکہ اس امر کے باور کرنے کے کافی وجوہ موجود ہیں کہ ججان مذکور اکثر قانون روما اور قانون کلیسا کے علامہ جات مروجہ سے پوشیدہ اور بعض اوقات نادانشمندانہ طور سے، مدد یا کرتے تھے۔ مگر جب سے ولیٹ منسٹر ہال کے منفصلہ نظائر اس قدر ہو گئے کہ خود ان پر ایک معقول اصول قانون کی بنیاد قائم ہو سکے، ان ذخائر سے مدد لینا موقوف ہو گیا۔ اب صدیوں سے انگلستان کے قانون پیشہ اصحاب جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ یہی عجیب بات ہے کہ ان کے قوانین کی بنیاد میں جس وقت سے کہ وہ قائم ہوئی، بجز نصف

یا وضع قوانین کے اور کسی ذریعہ سے کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے۔ ہم اس کا اقرار نہیں کرتے کہ ہماری عدالتیں قانون بناتی ہیں، اور کھنٹا یہ بھی کہتے ہیں کہ انھوں نے کبھی ایسا نہیں کیا، مگر اس پر بھی اس کے معترف ہیں کہ انگلستان کے غیر موصوم قوانین کے قواعد عدالت چانسرری اور پارلیمنٹ کی تھوڑی سی مدد سے زمانہ حال کے تمدن کے پیچیدہ بے پیچیدہ معاملہ کے تصفیہ کے لیے کافی اور وافی ہیں۔

اہل روم میں بھی ایک قانون ایسا موجود تھا جس کو ہمارے قانون نظر سے ان امور میں جن کو میں اوپر بیان کر چکا ہوں بہت زیادہ مشابہت تھی۔ وہ ”جوابات عقلاء قانون دان“ (فتاویٰ) کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا اہل روم کے اصول قانون کی تاریخ میں ان جوابات کی صورت مختلف زمانوں میں مختلف رہی ہے۔ مگر ہمہ وجہ اور ہر حالت میں وہ سرکاری طور سے مدون شدہ تحریرات کے توضیحی حاشی (Glosses) تھے، اور ابتدا میں تو ان کی حیثیت صرف بارہ الواح کی تعبیری رالیوں کے مجموعہ کی تھی۔ وہاں بھی ہمارے یہاں کی طرح تمام قانونی زبان اس مفروضہ کی تائید کرتی تھی کہ قدیم مجموعہ قوانین بحال خود قائم ہیں۔ صریح قاعدہ تمام حاشی اور تفسیروں پر قابل ترجیح تصور ہوتا تھا، اور کوئی شخص صاف طور سے اس کا قابل نہ تھا کہ کوئی تبصرہ، خواہ تبصرہ کرنے والا کیسا ہی بڑا شخص کہوں نہ ہو، ایسی نہیں ہو سکتی کہ وہ قابلِ تعظیم اصل قاعدہ کے مقابلہ میں رد و بدل سے محفوظ رہ سکے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جوابات عقلاء کی کتابوں (فتاویٰ) نے، جو مشہور و معروف متقنین کے ناموں سے منسوب تھیں، کم از کم وہی درجہ حاصل کر لیا تھا جو ہمارے رپورٹ شدہ مقدمات کو حاصل ہے، اور وہ عدالت ارکان عشرہ کے قانون میں متواتر تبدیل، توسیع، تفسیق، اور عملی طور سے تیسخ کرتی رہتی تھیں۔ اس جدید اصول قانون کے مولف ہمیشہ اصل مجموعہ کے الفاظ کی وقعت اور تعظیم کا اقرار کرتے رہے۔ ان کا دعوے تو یہی تھا کہ وہ صرف توضیح اور تشریح کر کے ان کے اصل معنی بتاتے ہیں، لیکن اصل عبارتوں کو توڑنے جوڑنے، اور مقدمات کے حقیقی واقعات

کے ساتھ قانون کو مطابق کرنے، اور آئندہ پیش آنے والی صورتوں میں ان کے استعمال کے طریقوں پر غور کرنے، اور دوسرے تحریرات کو دیکھ کر تعبیر کے اصول اخذ کرنے میں، انھوں نے بہت سے ایسے قواعد بنالیے تھے جو بارہ الواح کے ٹوٹوں کے خواب و خیال میں بھی نہ آئے ہوں گے، اور جن کا وجود بہ مشکل یایوں کہو، کہ مطلق ان میں نہیں پایا جاتا تھا۔ مقنین کی اس قسم کی تصنیفات کی وقعت اس بنا پر کی جاتی تھی کہ ان کی نسبت یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ وہ مجموعہ قوانین کے مطابق ہیں۔ ان کی باہمی وقعت کا اندازہ ہر مصنف کی ذاتی وقعت سے کیا جاتا تھا۔ اگر مصنف ایسا شخص ہوتا تھا جس کی عظمت ایک عالم کرتا تھا تو اس کے فتوؤں کی ایسی ہی وقعت کی جاتی تھی جس طرح قانون موضوعہ کی جاتی تھی، اور سبکی کتاب بجائے خود ایک جدید بنیاد بن جاتی تھی، جس سے مزید اصول قانون اخذ ہو سکتے تھے۔ ابتدائی مقنین اپنے فتوؤں کو زمانہ حال کے ممنوں میں طبع نہیں کرتے تھے۔ ان کے شاگرد ان کو نکھتے اور جمع کرتے تھے اور بقیاس غالب ان کی ترتیب میں کسی خاص اصول کی پابندی نہیں ہوتی تھی۔ ان تالیفات میں شاگردوں کا جو حصہ ہے اس کو اچھی طرح پیش نظر رکھنا چاہئے، جو خدمت وہ لوگ اپنے استادوں کی کرتے تھے اس کا معاوضہ عام طور سے یہی تھا کہ استاد ان کی تعلیم و تربیت میں بیحد جدوجہد کرتے تھے۔ تعلیمی رسالہ جات جو "انسٹیٹوٹ" یا "اشردو" کے نام سے موسوم ہیں اور جو اس وقت کے مسلمہ فرائض کے نتائج مابعد ہیں، وہ روما کے نظام قانونی کی مخصوص خصوصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں تعلیمی رسائل میں، نہ کہ ان کتابوں میں جو ماہرین فن کے لیے لکھی گئی تھیں، مقنین نے عوام کے سامنے اپنے اصول ترتیب اور اصطلاحی الفاظ کی تبدیل اور تہذیب کی تجویز پیش کی تھیں۔

32

روما کے فتوؤں کو انگلستان کے اس طریقہ سے جو ان کا مشابہ ہے مقابلہ کرتے وقت، یہ امر بخوبی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ روما کے اصول قانون کے اس جز کی توضیح کرنے والے نظمانے عدالت نہیں، بلکہ وکلا تھے۔ روما کی عدالتوں کے

فیصلے اگرچہ معاملہ زیر بحث میں قطعی ہوتے تھے، مگر اس کے بعد ان کی کوئی خاص قیمت نہ رہتی تھی بجز اس وقعت کے جو صادر کنندہ فیصلہ کی قانون دانی کی شہرت پر مبنی ہوتی تھی۔ اہل روما میں اگر صمیم طور سے دیکھا جائے تو جمہوری سلطنت کے زمانہ میں کوئی ایسی جماعت نہ تھی جو انگلستان کی عدالتوں، یا شاہی جرمنی کے ”جیمبس“ یا شاہی فرانس کی پارلیمنٹ کے مشابہ قرار دی جاسکے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر سرشتہ میں مجسٹریٹ وسیع قانونی اختیارات کے ساتھ متعین تھے، مگر وہ صرف ایک سال کے لیے مقرر کیے جاتے تھے جن پر مستقل نظام عدالت کا اطلاق کرنا بھی مشکل تھا، گویا عہدہ داری ایک مختصر دور تھا جو نہایت تیزی کے ساتھ سربراہ دورہ وکلاد میں گردش کرتا رہتا تھا۔ اس حالت کے پیدا ہو جانے کے متعلق جو ہم کو بالکل عجیب معلوم ہوتی ہے بہت کچھ لکھنے کی گنجائش ہے۔ مگر فی الحقیقت یہ حالت قدیم سوسائٹیوں کے واسطے ہمارے موجودہ طریقہ سے زیادہ تر موزوں تھی۔ وہ لوگ باوجود مختلف جماعتوں میں منقسم ہو جانے کے اس امر کو روا نہ رکھتے تھے کہ ان پر اہل فن کی کوئی جماعت فرمانروائی کرے۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ یہ نظام ان بعض نتائج کے پیدا کرنے میں ناکام رہا جن کے پیدا ہونے کی بہمہ وجہ اس سے امید کی جاسکتی تھی۔ مثلاً یہ کہ اس نے قانون روما کو عام نہیں کیا، یعنی اس دماغی محنت کو ہلکا نہ کر سکا جو اس فن پر حاوی ہونے کے لیے درکار ہوتی تھی، جیسا کہ بعض دوسری یونانی جمہوری حکومتوں میں ہوا، اگرچہ قانون مذکور کی اشاعت اور اس کی قطعی توضیح و تشریح میں کسی قسم کے مصنوعی موانع موجود نہ تھے۔ برخلاف اس کے، اگر دوسرا سلسلہ اسباب انما عل نہ کرنا ہوتا، تو قیاس غالب یہ ہے کہ روما کا اصول قانون بھی ایسا ہی باریک، اصطلاحی اور دشوار ہو جاتا جیسے دوسرے نظام قانون ہو گئے، جو اس کے بعد رائج ہوئے۔ جس نتیجہ کے پیدا ہونے کی فطری طور سے اس سے زیادہ امید ہو سکتی تھی وہ بھی کسی زمانہ میں پیدا نہ ہونے پایا۔ جب تک کہ روما کی آزادی نہیں چھن گئی، روما کے مقنین ایک ایسی جماعت کے ارکان تھے جو غیر متعین تھی اور جس کی تعداد بہ قیاس غالب کمشتی بڑھتی رہتی ہوگی، مگر باوجود اس کے ایسے لوگوں کے

وجود کی نسبت کبھی شبہ نہیں کیا گیا ہے جن کی رائیں، ان مقدمات میں جو ان کے سامنے پیش کئے جاتے تھے ان کے زمانہ میں قطعی متصور ہوتی تھیں۔ سربراہ آوردہ مقننین کی روزانہ زندگی کی جو نمایاں تصویر لاطینی علم ادب میں جا بجا نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ قصبات کے موکل صبح سویرے ان کے مکانوں کے صحن میں جمع ہیں شاگرد نوٹ بک لیے ہوئے اپنے استاد کے گرد کھڑے ہیں تاکہ اس سربراہ آوردہ مقنن کے جوابات لکھے جائیں، اس تصویر کے ساتھ کسی زمانہ میں بھی بحر ایک یاد دہر آوردہ اشخاص کے کسی کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ وکلا اور موکلین کے براہ راست تعلقات کی وجہ سے اہل روما وکلا کی شہرت اور نیک نامی کی ترقی اور تنزل سے پوری طرح واقف رہتے تھے، اور اس امر کا کافی ثبوت خصوصاً سمر و کے خطبات پر ”مورینا“ میں موجود ہے کہ عوام جو وقعت قانونی کا سیابی کی کرتے تھے اس کا رحمان بجائے تفریط کے افراط کی جانب تھا۔

ہمیں اس امر کے باور کرنے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں نظر آتی کہ جو امور قانون روما کے ابتدائی نشوونما کے باعث ہوئے وہی اس کی مخصوص برتری کے بھی سبب ہوئے۔ اور انہیں نے اس کو بہت جلد اصول سے مالا مال کر دیا۔ اصول کی اس فراوانی کا ایک سبب وہ مقابلہ اور معارضہ بھی تھا جو شارحان قوانین میں مسلسل جاری تھا۔ یہ منظر ایسے مقامات میں جہاں نظما عدالت کا وجود ہوتا ہے، اور جن کے ہاتھ میں بادشاہ یا سلطنت جمہوری کی طرف سے تمام عدالتی اختیارات دیدیئے جاتے ہیں بالکل نظر نہیں آتا۔ اس میں شک نہیں کہ اس کا خاص سبب مقدمات کی بے روک ٹوک کثرت تھی جو قانونی فیصلہ جات کے لیے پیش ہوتے رہتے تھے۔ جن حقیقی واقعات کی بنا پر قصبات کے موکلوں کو پریشانی لاحق ہوتی تھی انہیں تک یہ فتوے منحصر نہ رہتے تھے، بلکہ ان خیالی اور فرضی مقدمات پر بھی اسی طرح توجہ کی جاتی تھی جو کوئی ذکی الطبع شاگرد بنا کر پیش کرتا تھا۔ تمام واقعات کا امتزاج ایک ہی نوع پر ہوتا تھا خواہ وہ حقیقی ہوں یا فرضی۔ اگر اس مشیر قانونی کی رائے کو کوئی ایسا مجھڑیٹ مقدمہ زیر بحث میں ناقابل قبول قرار دیتا تھا جو علم قانون یا اہل فن کی نظروں میں بلحاظ وقعت کے اس سے

35

بڑھا ہوا ہوتا تھا، تو اس کی کوئی پروا نہیں کی جاتی تھی۔ اس سے یہ میرا مقصد نہیں ہے کہ وکیل کو اپنے موکل کے فائدہ کی کوئی پروا نہ ہوتی تھی، کیونکہ ابتدائی زمانہ میں یہی موکل بڑے بڑے وکلا کے سمین اور مددگار اور بعد کے زمانہ میں ان کے آقا تھے۔ لیکن سب سے بڑی کامیابی جو وہ لوگ پیش نظر رکھتے تھے وہ اہل فن میں امتیاز اور وقعت تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو حالات میں بیان کر رہا ہوں ان میں یہ مقصد اسی طرح حاصل ہو سکتا تھا کہ ہر مقدمہ پر ایک عام اصول کے تحت میں لاکر نظر ڈالی جائے، اور وہ ایک وسیع قاعدہ کی مثال قرار پائے، نہ یہ کہ وہ محض ایک منفردہ شکل میں لاکر قانونی کامیابی حاصل کرنے کے لیے پیش کر دیا جائے۔ ایسی حالت میں کہ امکانی سوالات کے اختراع اور پیش کرنے میں کوئی مخصوص روک ٹوک نہ تھی، یہ ظاہر ہے کہ بے حد ذاتی اثر سے کام لینا پڑتا ہوگا۔ جن صورتوں میں واقعات میں حسب خواہش اضافہ ہو سکتا ہے، وہاں عام اصول کے استخراج میں زیادہ تر آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہمارے یہاں جس طرح انصاف ہوتا ہے، اس میں اسکی گنجائش مطلق نہیں ہے کہ جج ان واقعات سے جو اس کے یا اس کے جانشین سابق کے سامنے پیش تھے باہر جاسکے۔ اس لیے واقعات کا وہی مجموعہ جو زیر تصفیہ ہوتا ہے، یہ محاورہ گال ایک قسم کی بزرگی اور تقدیس کا مرتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس میں وہ خاص اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں جو اس کو دوسرے مقدمات سے خواہ حقیقی ہوں یا فرضی ممیز اور ممتاز کر دیتے ہیں۔ لیکن روماس میا کہ میں نے سمجھانے کی کوشش کی ہے، نظما عدالت کا کوئی فرقہ نہ تھا، اور اس لیے ایک مجموعہ واقعات کو دوسرے مجموعہ واقعات کے مقابلہ میں کوئی خاص وقعت حاصل نہ تھی۔ جب مقنن کے سامنے کوئی مشکل بغرض اظہار رائے پیش کی جاتی تھی، تو کسی ایسے شخص کے لیے جس میں باریک تطابق دریافت کر لینے کا مادہ موجود ہوتا تھا کوئی امر مانع نہ ہوتا تھا کہ وہ فوراً ایسے مسلسل فرضی سوالات پیش اور ان پر غور کرے جو ایک مخصوص صفت کی بنا پر اس سے ملتے جلتے ہوں۔ موکل کو خواہ عملی صلاح کچھ دی جاتی ہو، مگر جو جوابات سلیح

شاگردوں کی بیاضوں میں محفوظ رہتے تھے ان میں یقیناً واقعات کا کسی بڑے اصول یا ایک عام قاعدہ کی تحت میں داخل ہونا خیال کیا گیا ہوگا۔ ہمارے نظام قانونی میں کبھی کوئی ایسا عمل ممکن نہ ہو سکا، اور ہم کو اس کا اقرار کرنا چاہیے کہ انگریزی قانون کے متعلق جو مباحث ہوئے ان میں اس کے طریقہ اشاعت کی تاریخ بالکل نظر انداز کردی گئی ہے۔ ہماری عدالتیں عام اصول کے قائم کرنے میں جو پس و پیش کرتی ہیں اس کو مجبوں کے مزاج سے زیادہ نظائر کی متناسب کمی پر محمول کرنا مناسب ہوگا۔ ہمارے یہاں کے نظائر انھیں لوگوں کی نظر میں کثیر معلوم ہوتے ہیں جو دوسرے نظام ہائے قانونی سے واقف نہیں ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کیا جاسکتا کہ اکثر زمانہ حال کی یورپین اقوام کے مقابلہ میں ہماری قانونی اصول کی بغض امت بہت تھوڑی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری اقوام نے اپنے ملکی قوانین کی بنیاد قانون روما پر رکھی ہے، اور قانون روما کا مطلب اپنے نظام قانونی کی دیواروں کی تعمیر میں صرف کر دیا ہے، مگر باقی عمارت کے مصالح اور کاری گری میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اس کو انگریزی قانونی عمارت سے ممیز اور ممتاز کرتی ہو۔

اہل روما کی آزادی کا زمانہ وہ زمانہ تھا جس میں قانون روما پر ایک امتیاز کی مہر لگی ہوئی تھی؛ اور اس کے ابتدائی زمانہ میں جو کچھ قانونی ترقی ہوئی وہ مقننین کے فتوؤں کی وجہ سے تھی۔ لیکن جوں جوں سلطنت مہلوی کے زوال کا وقت قریب آتا گیا ان کے فتوے ایسی شکل اختیار کرنے لگے جو ان کی مزید ترقی کے حق میں سم قاتل تھی۔ ان میں ترتیب ملحوظ رکھنے اور اختصار کا خیال پیدا ہوتا گیا۔ کہا جاتا ہے کیومبوسیل سیکولاپادری (Pontifex) نے تمام ملکی قوانین کا ایک مختصر مجموعہ تالیف کیا تھا۔ اور سسرہ کی تحریرات میں قانونی ترقی کے جدید اور زیادہ تر موثر ذریعہ کے مقابلہ میں قدیم ذریعہ کی نسبت روز افزوں بدعتیگی کا پتہ چلتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ قانون پر دوسرے امور کا بھی اثر ہونے لگا تھا، اور فرامین یا رومی سول عہدہ داروں کے سالانہ اعلان اصلاح قانون کے بہترین ذرائع سمجھے جاتے تھے۔ ایل کارپلیس سیلا نے

بہت سے قوانین جاری کر کے جو مجموعاً ”قوانین کارنلیس“ کے نام سے موسوم کیے جاتے تھے، یہ ثابت کر دیا تھا کہ براہ راست وضع قوانین سے قانونی ترقی کس قدر آسانی اور جلد کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ فتوؤں کو آخری ضرب آئین کے ہاتھ سے پہنچی، جس نے مقدمات پیش شدہ میں قابل پابندی رائے دینے کا حق صرف چند سربراہان اور دو مقتنین کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ یہ عمل اگرچہ ہم کو زمانہ حال کے خیالات کے قریب قریب لے آتا ہے مگر اس سے روما کے قانونی پیشے کی خصوصیات اور اس اثر میں جو روما کے قانون پر پڑتا تھا ایک عظیم تغیر پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد مقتنین کا دور براگروہ پیدا ہوا، جو اس فن کے ہمیشہ امام سمجھے جاتے رہیں گے۔ اپیین، پالس، کیئس، اور پاپینیئن، فتوے دینے والے مقتنین نہ تھے؛ بلکہ ان کی تصنیفات میں قانون کے خاص خاص شعبوں، اور خصوصاً سول عہدہ داروں کے اعلانوں پر باضابطہ رسالے تھے۔

رومیوں اور سول عہدہ داروں کے احکام کی نصفت سے، جو اسی ذریعہ سے ان کے نظام قانونی میں داخل ہو گئی، آئینہ فصل میں بحث کی جائیگی قوانین موضوعہ کی نسبت صرف اتنا بیان کرنا ضرور ہے کہ حکومت جمہوری کے زمانہ میں ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی، مگر حکومت شاہی کے زمانہ میں انہی بڑی کثرت ہو گئی۔ قوم کے بچپن اور غفلت و شباب کے زمانہ میں اضعاف قانون سے خاکی قانون کی اصلاح کا بہت کم کام لیا جاتا ہے۔ رعایا عموماً قانون کی ایسی وقعت کرتی ہے جس کا فی الحقیقت وہ مستحق نہیں ہوتا، اور اس کی اصلاح کے لیے مطلق ضرور نہیں مچاتی وہ صرف پاک و صاف، مکمل، اور آسان انتظام چاہتی ہے واضعان قانون کی طرف صرف اسی وقت رجوع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ کسی بڑی خرابی کے رفع کرنے، یا دو جماعتوں یا خاندانوں میں ایسی نزاع کے تصفیہ کی ضرورت داعی ہوتی ہے جو کسی دوسرے طریقہ سے فیصل نہیں ہو سکتی۔ اہل روما کے دماغ میں کثرت سے قوانین کے اجراء اور قوم میں کسی بڑے ملکی ہنگامہ کے بعد امن قائم ہو جانے کے دو تصورات میں ایک قسم کا باہمی تعلق اور ربط پایا جاتا تھا۔ میلانے حکومت جمہوری کے دوبارہ قیام کو ”قوانین کارنلیس“ سے

میں کیا؛ جو پس سیز نے قوانین موضوعہ میں وسیع اضافہ کرنے کا خیال قائم کیا تھا؛ آگنٹس نے ایک اہم ترین مجموعہ ”قوانین جولائی“ کے نام سے جاری کیا؛ اور اس کے بعد کے شاہنشاہوں میں جنہیں قسطنطین کی طرح ایک عالم کا انتظام کرنا پڑا وہ بڑے واضعان قانون ثابت ہوئے۔ روما میں تصحیح طور سے وضع آئین و قوانین کا زمانہ قیام بادشاہی سے شروع ہوتا ہے۔ شاہنشاہوں کے موضوع قوانین ابتداً عوام کی اجازت کے پردہ میں، مگر بعدہ علانیہ شاہی حقوق کی بناء پر شایع ہونے لگے، آگنٹس کے پورے تسلط سے لے کر جسٹینین کے مجموعہ قوانین کے شیوع تک متواتر اضافہ ہوتا رہا۔ دوسرے ہی شاہنشاہ کے زمانہ میں قانون اور دادگتری کی تقریباً وہی صورت ہو گئی تھی جس سے ہم سب واقف ہیں۔ یعنی موضوع قوانین اور اس کے شارحین کی ایک محدود جماعت پیدا ہو گئی ہے، مرافہ کی مستقل عدالتیں، اور مقبولہ شروع کا ایک مجموعہ عنقریب معرض وجود میں آنے والا ہے اور اس طور سے ہم ان خیالات کے بالکل قریب ہوئے جاتے ہیں جو خاص ہمارے زمانہ کے ہیں۔

فصل سوم

قانون فطرت و نصفت

چند قانونی اصول جو اپنی ذاتی برتری کے لحاظ سے اس کے مستحق تھے کہ قدیم قوانین کو نسوخ کر دیں، بہت جلد سلطنت روما اور نیرنگستان میں رائج ہو گئے تھے۔ یہی چند اصول خواہ وہ کسی نظام قانونی میں پائے جائیں، فصل ہائے گذشتہ میں نصفت کے نام سے موسوم کئے گئے ہیں۔ قوانین کی تبدیل کا یہ ذریعہ، جیسا کہ ہم کو آگے چل کر معلوم ہوگا، منجملہ اور ناموں کے روما کے مصنفین قانون میں اسی نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ عدالت چانسری کے اصول قانون پر، جو انگلستان میں ”نصفت“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، کافی بحث کے لیے ایک علیحدہ رسالہ درکار ہے۔ وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے سید پچیدہ ہے، اور اس کا مواد متعدد اور مختلف ذرائع سے حاصل ہوا ہے۔ قدیم مذہبی چانسروں نے اس کے اکثر بنیادی اصول مذہبی قوانین سے اخذ کئے ہیں۔ بعد کے چانسری جموں نے اکثر قانون روما سے کام لیا، جس کے قواعد بہ نسبت مذہبی قوانین کے دنیوی تنازعات کے تصفیہ میں زیادہ تر کارآمد تھے۔ ان جموں کی تجویزوں میں ہمیں اکثر روما کے ”مجموعہ سول قوانین“ کے فقرات کے فقرات

بجسبہ بغیر تبدیل اصطلاحات کے ملتے ہیں، اگرچہ ان کی نسبت کہیں اس کا اقرار نہیں کیا گیا ہے کہ وہ قانون روما سے اخذ کیے گئے ہیں۔

اُس زمانہ کے بعد، اور خصوصاً قرون وسطیٰ اور اٹھارھویں صدی کے اول نصف حصہ میں، انگلستان کے مقننین کی توجہ زیادہ تر اس مرکب نظام قانونی کی طرف مبذول رہی، جس میں اصول قانون اور اصول اخلاق کو ولینڈ کے مقننین نے امتزاج دیا تھا۔ لارڈ ٹالبوٹ کی چانسی کے آغاز سے لارڈ ایلڈن کی چانسی تک عدالت چانسی کی تجویزوں پر انھیں مقننین کی تصنیفات کا رنگ پڑھا ہوا ہے۔ اس نظام قانونی کو، جو اس طرح مختلف ذرائع سے پیدا ہوا تھا، اپنے نشوونما میں بہت کچھ اس وجہ سے رکنا پڑا کہ اس کے لیے یہ امر ضروری قرار دیا گیا تھا کہ وہ ملک کے غیر موضوع قوانین کے تشابہ اور تطابق کو ملحوظ نہ جانے دے، مگر باوجود اس کے اس سے ہمیشہ نسبتاً ایسے جدید اصول مانوخذ ہوتے رہے جنہوں نے اپنے ذاتی اخلاقی تفوق کی بنا پر ملک کے قدیم اصول قانون کو مغلوب کر دیا۔

روما کی نصفت اس کے مقابلہ میں بہت سیدھی سادی تھی، اور اس کے نشوونما کا پتہ اس کی پیدائش کے وقت سے بہ آسانی چل سکتا ہے۔ اس کی نوعیت اور اس کی تاریخ خاص طور سے غور کے قابل ہے، کیونکہ وہ بعض ایسے تصورات کی بنیاد ہے جنہوں نے انسان کے خیالات پر بہت بڑا اثر ڈالا ہے، اور انھیں انسانی خیالات کے ذریعہ سے نوع انسان کی قسمتوں کو بدل دیا ہے۔

اہل روما اپنے نظام قانونی کو دو اجزاء سے مرکب بناتے ہیں۔ اُس رسا میں جو شاہنشاہ ہسپانیہ کے حکم سے آئین کے متعلق شائع ہوا یہ لکھا گیا ہے کہ تمام قومیں جن میں قوانین اور مراسم کا رواج ہے، جزاً اپنے مخصوص قوانین کی اور جزاً ان قوانین کی جو تمام نوع انسانی میں مشترک ہیں، تابع ہوتی ہیں۔ جو قانون ایک قوم اپنے لیے بنالیتی ہے وہ اس قوم کا ملکی قانون کہلاتا ہے، لیکن جو فطری عقل تمام نوع انسانی کے لیے مقرر کرتی ہے وہ "قانون اقوام" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کو تمام قومیں یکساں طور سے کام میں

لاتی ہیں۔ قانون کے اس جز کی نسبت ”جسے فطری عقل تمام نوع انسانی کے لئے مقرر کرتی ہے“ یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ اسے روما کے عہدہ داروں کے اعلانوں نے روما کے اصول قوانین میں شریک کر لیا ہے۔ قانون کا یہی جز دوسرے مقامات میں صرف ”قانون فطرت“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے؛ اور اس کے احکام کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کی بنیاد فطری نصفت اور فطری عقل پر قائم ہے۔ میں ان مشہور و معروف اصطلاحات، ”قانون اقوام“، ”قانون فطرت“ اور نصفت کی ابتدا دریافت کرنے اور یہ متعین کرنے کی کوشش کروں گا کہ جو تصورات ان سے پیدا ہوتے ہیں ان کا باہم تعلق کس طرح ہے۔

تاریخ روما کے سرسری طور سے پڑھنے والوں کو بھی صاف طور سے نظر آتا ہے کہ روما کی سرزمین پر پردیسیوں کے قیام سے، جو مختلف ناموں سے موسوم کئے جاتے تھے، وہاں کی حکومت ہائے جمہوری پر کیا کیا غیر معمولی اثرات پڑے ہیں۔ بعد کے زمانہ میں تو اس نقل مکان کے وجہ صاف طور سے نمایاں ہیں، کیونکہ ہم باسانی سمجھ سکتے ہیں کہ ہر قوم کے لوگ کیوں عروس البلاد (روما) کی طرف کھینچے ہوئے چلے آئے؛ مگر سلطنت روما میں پردیسیوں کی ایک کثیر جماعت کی موجودگی کا پتہ اس ملک کی بہت ابتدائی تاریخوں سے بھی چلتا ہے۔ قدیم اطالیہ میں زیادہ تر لیٹیوی قومیں آباد تھیں، جن کی وجہ سے تمدن کی بنیاد متزلزل نہی، لوگوں کا رجحان اس طرف تھا کہ وہ کسی ایسی قوم کے ممالک میں جا کر آباد ہوں جو ان کو اور نیز اپنے آپ کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھ سکے؛ اگرچہ اُس کے معاوضہ میں انھیں بھاری محصولات ادا کرنا، ملکی حقوق سے دست بردار ہونا، اور بہت سی تمدنی ذلتیں اٹھانا پڑیں۔ ممکن ہے کہ یہ توضیح کامل نہ متصور ہو، مگر اس کی تکمیل کا صرف یہی ایک طریقہ ہو سکتا ہے کہ ان تجارتی تعلقات پر بھی لحاظ کیا جائے جو تاریخی زمانہ سے قبل روما اور کارتھج اور اندرونی اطالیہ میں نہایت شد و مد کے ساتھ جاری تھے؛ اگرچہ ریاست جمہوری کی فوجی روایات میں ان کا ذکر بہت کم کیا گیا ہے۔ غرض کہ اسباب خواہ کچھ ہوں یہ امر مسلم ہے کہ پردیسیوں کی جماعت نے ریاست جمہوری کی تاریخ پر بہت بڑا

اثر ڈالا، اس کے جس حصہ پر نظر ڈالی جائے اس میں بجز اس کشمکش کے کچھ اور نظر نہیں آتا جو ایک متعصب قومیت اور پردیسیوں کی جماعت میں جاری تھی۔ اول تو زمانہ حال میں کبھی ایسا نہیں ہوا؛ کیونکہ زمانہ حال کی یورپین قوموں میں کبھی پردیسیوں کی اتنی آمد نہیں ہوئی کہ اس کا کوئی اثر دسی رعایا پر محسوس طریقے سے پڑ سکے؛ دوسرے یہ کہ موجودہ زمانہ کی حکومتیں جو بادشاہوں یا سیاسی حاکموں کے تحت میں ہوتی ہیں ان پردیسیوں کی بڑی جماعتوں کو جو ان کے ممالک میں آکر آباد ہو جاتی ہیں بہت جلد اپنے آپ میں جذب کر لیتی ہیں، جس کا امکان قدیم زمانہ میں نہ تھا؛ کیونکہ اس زمانہ میں ایک جمہوری حکومت کے اصلی باشندے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے عصبات اور قریبی رشتہ دار تصور کرتے تھے، اور دوسرے غیر لوگوں کو ان کے مساوی حقوق دینیے جانے کو اپنے پیدائشی حقوق کا غصب خیال کرتے تھے۔ روما کی قدیم جمہوری حکومت کے زمانہ میں پردیسیوں کو بالکل علیحدہ رکھنے کا اصول نہ صرف ملکی قوانین بلکہ دستور ملک میں بھی جاری تھا۔ کسی پردیسی کو کسی ایسے آئین میں دخل نہ تھا جس کا ریاست کے ساتھ پیدا ہونا فرض کر لیا گیا تھا۔ اس کو "قانون کیویرٹین" (Quiritarian Law) سے استغدادہ کا حق نہ تھا اور نہ وہ نکسم (Nexum) میں کوئی فریق ہو سکتا تھا جو قدیم روما کے باشندوں میں انتقال اور معاہدہ کا مجموعہ تصور ہوتا تھا، اور نہ وہ نہ ہی مقدمات کے ضمن میں چارہ جوئی کر سکتا تھا، یہ ایک خاص قسم کے مقدمات ہوتے تھے، جن کی بنیاد بہت ابتدائی تہذیب کے زمانہ میں پڑی تھی۔ باوجود ان تمام ناقابلیتوں کے روما کے مقاصد اور وہاں کا امن اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ ایک پردیسی شخص بالکل قانون کی حفاظت سے محروم کر دیا جائے قدیم زمانہ کی تمام قوموں کی یہ حالت تھی کہ ان میں چھوٹے سے چھوٹا ہنگامہ بھی اس قوم کے مرکز ثقل کو بدل کر درہم برہم کر دینے کے لیے کافی ہو جاتا تھا، اور اس کا انھیں ہمیشہ اندیشہ لگا رہتا تھا۔ یہی حفاظت خود اختیاری اہل روما کو اس امر پر مجبور کرنے کے لیے کافی تھی کہ وہ پردیسیوں کے حقوق اور فرائض کی حفاظت کے لیے کوئی انتظام کریں، ورنہ اس کا اندیشہ تھا، اور قدیم زمانہ میں یہ اندیشہ

محض خیالی نہیں ہوتا تھا، کہ پردیسی اس نزاع کو جنگ کے ذریعہ سے تصفیہ کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ علاوہ اس کے تاریخ روما میں کوئی زمانہ بھی ایسا نہیں پایا جاتا جس میں انھوں نے ممالک غیر سے تجارت کا سلسلہ بالکل چھوڑ رکھا ہو۔ اس لیے جزا قیام امن اور جزا ترقی تجارت کے خیال سے انھوں نے ابتدا میں ایسے مقدمات کی سماعت کا اختیار جن میں فریقین پردیسی یا جن میں ایک فریق ملکی اور دوسرا پردیسی ہو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس اختیار کو ہاتھ میں لیتے ہی اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ چند ایسے اصول قائم کیے جائیں جن کے مطابق اس قسم کے تنازعات کا فیصلہ ہو سکے، اور اس مقصد کے لیے روما کے مقننین نے جو اصول قرار دیے وہ خاص طور سے اُس زمانہ کے مطابق تھے۔ انھوں نے جیسا کہ میں قبل ازیں لکھ چکا ہوں، ان جدید مقدمات کو خالص روما کے ملکی قانون سے فیصل کرنے سے انکار کر دیا، اور اس کی وجہ یقیناً یہی تھی کہ وہ کسی دوسری سلطنت یعنی پردیسی کے وطن کے قانون پر عمل پیرا ہونا اپنی ایک قسم کی سبکی اور توہین سمجھتے تھے۔ اس مشکل کو رفع کرنے کے لیے انھوں نے جو تجویز نکالی وہ یہ تھی کہ اس کام کے لیے صرف وہ قواعد منتخب کر لیے جائیں جو قانون روما اور اطالیہ کی ان مختلف ریاستوں کے قوانین میں جہاں یہ پردیسی پیدا ہوئے، یکساں اور متحد ہوں۔ دوسرے الفاظ میں انھوں نے ایسے نظام قانونی کی بنیاد ڈالی جو کیا بلحاظ الفاظ اور کیا بلحاظ ابتدائی مفہوم کے ”جس جنٹیم“ (Jus gentium) یعنی ”قانون مشترکہ اقوام“ یا قانون بین الاقوامی کے مترادف تھا۔ ”قانون مشترکہ اقوام“ فی الحقیقت قدیم اطالیہ کی قوموں کے رسم و رواج کے مشترکہ اجزا کا مجموعہ تھا۔ یہ سب وہ قومیں تھیں جن کے دیکھنے کا اہل روما کو موقع ملا تھا، جنھوں نے کثیر جماعتیں، یکے بعد دیگرے، ممالک روما میں جا کر آباد ہونے کے لیے بھیجی تھیں۔ جب کوئی خاص رسم ایسی نظر آتی تھی جو مختلف اقوام میں مشترک ہوتی تھی وہ قانون اقوام کا ایک جز قرار دے لی جاتی تھی۔ جو ریاستیں روما کے گرد و پیش واقع تھیں، ان میں اگرچہ انتقال جائیداد کی مختلف صورتیں رائج تھیں، مگر حقیقی انتقال، یا تحویل شے منتقلہ کی رسم سب میں

مشترک تھی اسی طرح اہل رومائے مینسی پیشین (Mancipation) (انتقال ذریعہ رسم) میں جو ایک مخصوص قسم کا انتقال تھا، تحویل ایک جز تھا، اگرچہ وہ لازمی جز نہ تھا۔ اس لئے تحویل جو کہ غالباً تمام انتقالات میں صرف ایک مشترکہ جز تھا، اور جس کے معائنہ کا مصنفین قوانین کو موقع ملا تھا، قانون مشترکہ اقوام کا ایک عمدہ قرار دے لیا گیا۔ اسی طرح کثیر امور پر غور کیا گیا اور ان کا یہی نتیجہ ہوا۔ یعنی ان سب کی کوئی مشترکہ خصوصیت، جس کا ایک ہی مقصد تھا، دریافت کر کے قانون اقوام میں درج کر لی گئی۔ اس لحاظ سے قانون اقوام کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ ان قواعد اور اصول کا ایک مجموعہ ہے، جو بعد غور کے ان تمام آئین میں مشترک اور یکساں پائے گئے جو اطالیہ کی مختلف اقوام میں رائج تھے۔

اس قانون کی ابتدائی نشوونما پر غور کرنے کے بعد غالباً بطور غلط بھی یہ فرض کر لینے کا امکان باقی نہیں رہتا کہ رومائے مقننین اس قانون کو کسی خاص وقت کی نظر سے دیکھتے تھے؛ بلکہ یہ قانون جزاً جزاً ممالک غیر کے قوانین کو بنظر حقارت دیکھنے، اور جزاً اپنے ملکی قوانین کے فوائد سے پردیسیوں کو محروم رکھنے کا نتیجہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر ہم آج وہ کام کریں جو رومائے مقننین نے کیا ہے تو ہماری رائے قانون اقوام کے متعلق ان کی رائے سے بالکل مختلف ہوگی۔ ہم ان اجزاء کو جو اس قدر مختلف آئین میں دائر و سائر ہو ضرور ایک قسم کی ترجیح دیں گے، اور ایسے عالم گیر قواعد اور اصول کی عظمت کریں گے۔ اور اگر یہ مشترکہ اجزاء کسی معاملہ میں داخل ہوتے ہیں تو انھیں کو معاملہ کی جان قرار دیں گے اور بقیہ مراسم کو جو مختلف ممالک میں مختلف شکلیں اختیار کر لیتے ہیں عارضی اور فضول سمجھیں گے؛ یا اس سے یہ نتیجہ نکالیں گے کہ جن اقوام کا ہم مقابلہ کر رہے ہیں وہ سب ایک زمانہ میں ایک عظیم الشان نظام قانونی کی تبلیغ تھیں جس کی یادگار ”قانون اقوام“ ہے۔ اور مختلف حکومتوں کے چمیدہ اور جدا جدا عمل درآمد ان سیدھے سادے احکام کی جو قدیم اور ابتدائی زمانہ میں ان میں رائج تھے بگڑی ہوئی صورتیں ہیں۔

جن نتائج پر زمانہ حال کا ایک غور کرنے والا پہنچتا ہے وہ تقریباً بالکل ان کے متضاد ہیں جو فطری طور سے قدیم اہل روما کے دماغوں میں آئے تھے۔ جن امور کی ہم توقیر اور توصیف کرتے ہیں وہ ان کو ناپسند کرتے یا برہنہ صحت ان سے اندیشہ مند رہتے تھے۔ اصول قانون کے جن اجزا کی طرف وہ لوگ اپنی تمام توجہ اور شوق کو مبذول رکھتے تھے، انہیں زمانہ حال کے معنی عارضی اور فضول سمجھ کر ناقابل لحاظ قرار دیتے ہیں۔ مثلاً انتقال جائیداد کے وقت خاص اشارے، زبانی معاہدات میں ایجاب و قبول کے نیچے تلے الفاظ، اور غرضیں اور مضامین کے مقررہ آداب۔ ان کے نزدیک ”قانون اقوام“ ایک ایسا نظام تھا جس کی طرف متوجہ ہونے پر صرف سیاسی ضرورتیں مجبور کرتی تھیں۔ وہ اس کے ساتھ اتنی ہی کم التفاتی کرتے تھے جتنی پریسبیوں کے ساتھ، جن کے فائدے کے لیے، اور جن کے آئین سے وہ اخذ کیا گیا تھا۔ اس کو وقعت کی نگاہ سے دیکھ جانے کے لیے اہل روما کے خیالات میں عظیم تغیر کی ضرورت تھی، اور جب یہ تغیر واقع ہوا اس وقت ان کی رائے ایسی بدلی کہ ان کے بعد کے مصنفان قانون کے پختہ خیالات کا اثر موجودہ اصول قانون اور موجودہ فلسفہ پر اس وقت تک باقی ہے، اور اسی سے ”قانون اقوام“ کے متعلق ہمارے اور ان کے متذکرہ بالا خیالات میں فرق کی حقیقی وجہ ظاہر ہوتی ہے۔ غرض کہ ایک ایسا زمانہ آیا جبکہ ”قانون اقوام“ بجائے ”ملکی قانون“ کے ایک ناگوار ضمیمہ کے، ایک ایسا عظیم الشان، اگرچہ هنوز غیر مکمل نمونہ سمجھا جانے لگا کہ اس کے ساتھ جہاں تک ممکن ہو تمام قوانین کو مطابق ہونا چاہئے۔ یہ تبدیلی اس وقت ظہور میں آئی جبکہ اہل روما کے ”قانون مشترکہ اقوام“ کے عملی نفاذ میں یونانیوں کا ”قانون فطرت“ کام میں لایا جانے لگا۔

اگر ایک خاص اصول کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ”قانون فطرت“ ”قانون اقوام“ کے سوائے اور کچھ نہیں ہے۔

ایسین نے مقنینین کے اس رجحان کے مطابق جو ان کو اشیاء کے باہمی فرقوں کے دریافت کرنے کی طرف ہوتا ہے، ان دونوں میں تمیز اور فرق

کرنے کی ایک فضول کوشش کی ہے؛ مگر گیس کے الفاظ، اور اس فقرہ سے جو آئین سے ماخوذ کر کے قبل ازیں نقل کیا جا چکا ہے، صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں اصطلاحیں علی طور سے مترادف تھیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ گیس الپین سے بہتر متعین تھا۔ اگر ان دونوں اصطلاحوں میں کوئی فرق تھا تو وہ محض تاریخی فرق تھا، اور نہ درحقیقت ان میں کوئی اصلی فرق نہیں ثابت کیا جاسکا ہے۔ یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ ”قانون اقوام“ یا قانون مشترکہ تمام اقوام اور ”قانون بین الاقوام“ میں جو غلط سمجھ کیا جاتا ہے وہ زمانہ حال کا ہے۔ ”قانون بین الاقوام“ کے لیے قدیم زمانہ کی اصطلاح ”جس فیشل“ (Jus Feciale) یا ”قانون عہد و پیمان و سیاست“ تھی۔ اس میں غالباً کسی شخص کو بھی کوئی شبہ نہ ہوگا کہ ”قانون اقوام“ کے مفہوم میں جو ابہام تھا اسے زمانہ حال کی اس رائے کے قائم کرانے میں بڑا دخل ہے کہ خود مختار حکومتوں کے باہمی تعلقات میں قانون فطرت سے کام لیا جاتا ہے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ضرور ہوا کہ فطرت اور اس کے قوانین کے متعلق یونانیوں کا کیا خیال تھا۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ لفظ نیچر یا فطرت سے ابتدا مادی دنیا مراد تھی، مگر یہ مادی دنیا جس نظر سے دیکھی جاتی تھی اسے بعد خیالات کی وجہ سے ہمارے لیے زمانہ حال کے الفاظ میں بیان کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ فطرت سے مراد وہ مادی دنیا تھی جو ایک ابدی عنصر یا ابدی قانون کا نتیجہ تھی۔ یونان کے قدیم فلسفی تخلیق عالم کو ایک مخصوص واحد اصول کے عمل پر محمول کرتے تھے، جو کبھی حرکت، کبھی آگ، کبھی نمی یا پیدائش سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ سب سے قدیم اور سب سے سادے تصور کے لحاظ سے فطرت ہی مادی دنیا ہے جو اس صورت میں ایک اصول کا ظہور متصور ہوتی ہے۔ اس کے بعد کے یونانیوں کے دوسرے فرقوں نے دوبارہ اس راستہ پر آکر جس سے یونان کے بڑے بڑے عقلا بھٹک گئے تھے، فطرت کے تصور میں مادی دنیا کے ساتھ اخلاقی دنیا کو بھی شامل کر لیا۔ انہوں نے اس اصطلاح کو اتنی وسعت دی کہ اس میں نہ صرف ظاہری مخلوق، بلکہ خیالات، مشاہدات، اور انسانی آرزوئیں بھی آگئیں۔ مگر اس پر بھی پہلے کی طرح

وہ فطرت کو محض انسانی تمدن کا اخلاقی منظر نہیں سمجھتے تھے بلکہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ تمام مناظر ایسے ہیں کہ ایک عام اور سادہ قاعدہ کے تحت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

جس طرح یونان کے قدیم اصولی لوگوں نے یہ خیال قائم کر لیا تھا کہ ہار جیت کے کھیلوں نے ماوی دنیا کو اس کی قدیم سادہ روش سے بدل کر موجودہ مخلوط حالت میں کر دیا ہے، اسی طرح اس کے جانشین سکما نے یہ خیال قائم کیا کہ اگر بعض ناگوار حالات پیش نہ آئے ہوتے تو نوع انسان بجائے موجودہ زمانہ کی پرشور زندگی کے زیادہ تر سادہ اور آسان طریقہ پر زندگی بسر کرتی۔ تخلیق انسان کا اصل مقصد یہ سمجھا جانے لگا کہ وہ فطرت کے مطابق زندگی بسر کرے، اور اس کو پابند ہونا اعلیٰ ترین لوگوں کا فرض ہونا چاہیے۔ فطرت کے مطابق زندگی بسر کرنا مذکورہ عادات اور عوام الناس کی اردنی خواہشات کو ترک کر کے اعلیٰ طریق عمل کو اختیار کرنا تھا، اور یہ کوئی شخص بنیہ نفس کشی اور اس پر غالب ہو جانے کے حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ یہ منقولہ کہ فطرت کے مطابق زندگی بسر کرنا جیسا کہ سب کو معلوم ہے "رواقشیہ (Stoics) کے مشہور فلسفہ کا اصل اصول تھا۔ یونان کے مغلوب ہو جانے کے بعد یہ فلسفہ بہت جلد اہل روم کی سوسائٹی میں شائع ہو گیا۔ یہ فلسفہ اہل روم کی اس قوی جماعت کے طابع سے جو کم از کم اصولاً قدیم اطالی قوم کی سادہ زندگی کو اختیار کئے ہوئے تھی، اور مالک خیر کے طریقوں سے مغلوب ہونا ناپسند کرتی تھی، بہت زیادہ مناسب رہتا تھا۔ اس جماعت نے فوراً رواقشیہ کے فلسفہ فطرت کے مطابق زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ اس کا یہ عمل اس وجہ سے اور زیادہ قابل تعریف اور توصیف ہو جاتا ہے کہ اس زمانہ میں دنیا بھر کی غنیمتوں اور عیش پسند اقوام کے دیکھا دیکھی دارالسلطنت (روما) میں بے حد عیاشیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہم کو اس زمانہ کا یہ یقین ہے، اگرچہ تاریخی طور سے اس کا کمال ثبوت نہ ملتا ہو، کہ اس زمانہ میں فلسفہ کے اہل انیسیم میں رومی مقلدین ہی تھے۔ اس کا ثبوت فی ثبوت موجود ہے کہ روم کی

جمہوری حکومت کے زمانہ میں درحقیقت صرف دو ہی پیشے قابل لحاظ تھے، فوجی لوگ عام طور سے آگے بڑھنے والی جماعت کے ساتھ تھے، اور مقننین ہمیشہ اس جماعت کے سرگروہ رہے جو اس کی روک تھام کرتی رہتی تھی۔ مقننین صدیوں تک فلسفہ رواقیت کے ساتھ رہے، اور اکثر قدیم مشہور قانونی مصنف اسی فلسفہ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ قیصرہ انتونی کا عہد متفقہ طریقہ سے اہل روما کے اصول قانون کی انتہائی ترقی کا زمانہ سمجھا جاتا ہے، اور یہ سب قیصرہ اسی فلسفہ کے مشہور تبعین تھے۔ ایک عرصہ تک ان اصول کا ایک خاص پیشے کی جماعت میں دائرہ دائر رہنا اس کا مستلزم تھا کہ ان کا اثر اس فن پر بھی پڑے جو جماعت مذکور اختیار کیے ہوئی تھی۔ روما کے قانونی مصنفین کی تصنیفات میں جو کچھ باقی رہ گیا ہے اس میں اکثر ایسے امور پائے جاتے ہیں جن کو سمجھنا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ رواقین کے فلسفہ کے اصول سے مدد لی جائے، مگر اس کے ساتھ ہی رواقین کے فلسفہ کے اثر کا اندازہ قانون روما پر اس طرح کرنا کہ قانون روما کے کتنے قواعد ایسے ہیں جن کی نسبت یقین کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہو کہ وہ رواقین کے فلسفہ کے اصول پر مبنی ہیں، بالکل غلط ہوگا، اگرچہ یہ ایسی غلطی ہے جو عام طور سے رایج ہوگئی ہے اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ رواقین کے فلسفہ کی قوت اس کے طریق عمل پر مبنی نہ تھی جو اکثر ناخوشگوار اور مضحکہ آیز ہوتے تھے، بلکہ اس عظیم الشان، اگرچہ غیر متین، اصول پر قائم تھی، جو انسانی جذبات پر قادر ہو جانے کی تعلیم دیتا تھا۔ اسی طرح اصول قانون پر ان یونانی اصول کے اثرات کا جن کو رواقین نے بہت صاف کر کے پیش کیا، اس طور سے اندازہ کرنا کہ قانون روما میں ان کی کتنی مخصوص شکلیں اختیار کی گئیں ہیں، غلط ہوگا، کیونکہ ان کا اثر ایک اصولی مفروضہ کی تعلیم تک محدود تھا۔ جب اہل روما میں لفظ فطرت گھر گھر میں شخص کی زبان پر چلنے لگا، اس وقت روما کے مقننین میں یہ خیال رفتہ رفتہ قائم ہونے لگا کہ قدیم "قانون اقوام" بھی کم گشتہ قوانین فطرت کا مجموعہ تھا، اور ملکی عہدہ دار جو قوانین قدیم "قانون اقوام" کے اصول کے مطابق شایع کرتے

ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ قانون کو پھر اسی مرکز پر لے آئیں جس سے ہٹ کر اس میں اس قدر نمایاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اس یقین کا فوری نتیجہ یہ تھا کہ یہ خیال کیا جانے لگا کہ ملکی عہدہ داروں کا یہ فرض ہے کہ وہ موجودہ ملکی قوانین کو اعلانوں کے ذریعہ سے منسوخ کر کے جہاں تک ممکن ہو اس آئین کو جاری کریں جس کے مطابق فطرتِ ابدی ائی تمدن میں انسانوں پر حکمراں تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ اس ذریعہ سے قانون کی ترقی میں بہت سی مزا جمیں اور موانع پیش آسکتے تھے۔ خود مقننین کی جماعت میں بعض تعصبات ایسے ہوں گے جن کو رفع کرنا پڑتا ہوگا۔ علاوہ اس کے اہل روم جس عادت کو اختیار کرتے تھے اس کو اس مضبوطی سے پکارتے تھے کہ اس کا محض فلسفی اصول کی بنا پر چھوٹ جانا کچھ آسان کام نہ تھا۔ بعض اصطلاحی سبب ترتیبوں اور بے ضابطگیوں کو دور کرنے کے لیے جن ترکیبوں اور تجویزوں کے ساتھ اعلانوں سے کام لیا گیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان اعلانوں کے جاری کرنے والوں کو کس قدر احتیاط برتنی پڑتی تھی۔ شہنشاہِ جسنین کے زمانہ تک قدیم قانون کے بعض ایسے حصے موجود تھے جن میں باوجود کوشش کے اعلان کوئی تغیر نہ کر سکے تھے۔ مگر بہرہ وجود یہ کہنا درست ہوگا کہ قانونِ فطرت کی تحریک کے پیدا ہوتے ہی اہل روم کی قانونی ترقی کی رفتار حیرت انگیز ہو گئی۔ سادگی اور عمومیت کا تصور ہمیشہ سے فطرت کے ساتھ ملحق چلا آتا ہے! اس لیے سادگی، ترتیب، عام فہمی ایک عمدہ نظامِ قانونی کے خصوصیات قرار پائے، اور جو رجحان مبہم اور پیچیدہ الفاظ کے استعمال، اور بے شمار مراسم قائم کرنے، اور بیکار دقتوں کے پیدا کرنے کا تھا وہ رفع ہو گیا۔ اہل روم کے قانون کو موجودہ حیثیت تک پہنچا دینے کے لیے اب صرف شہنشاہِ جسنین کے مضبوط ارادوں، اور غیر معمولی مواقع کی ضرورت تھی، لیکن اس کی داغ بیل اس شاہی اصلاح کے بہت پہلے سے پڑ چکی تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ قدیم "قانونِ اقوام" اور "قانونِ فطرت" میں ٹھیک محل التیام کیا تھا؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ان دونوں کو ملانے اور التیام دینے والی چیز نصف تھی، اگر وہ اپنے اصلی معنوں میں لی جائے، اور

یہی وہ مقام ہے جہاں ہم اصول قانون میں اس مشہور اصطلاح سے پہلی مرتبہ دوچار ہوتے ہیں۔ ایک ایسی اصطلاح کی توضیح اور تشریح کے لئے جس کی ابتدا اس قدر قدیم اور جس کی تاریخ اس قدر طویل ہو، محفوظ طریقہ یہ ہے کہ اگر ممکن ہو، تو اس مادہ استعارہ کا تجربہ کیا جائے جس کے ذریعہ سے ابتداً اس تصور کا اظہار ہوا۔ عام طور سے یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ رومی لفظ "ایکویٹس" (Aequitas) یونانی لفظ (ισότης) کا مرادف ہے جس کے معنی اصول مساوات یا تقسیم بالتناسب کے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اعداد یا اشیا کی مساوی تقسیم کا تصور ہمارے انصاف کے تصور کے ساتھ ساتھ چلا آتا ہے۔ یہ اقتراں اور تسلسل اس قدر مضبوطی سے ہمارے دماغوں میں بیٹھا ہوا ہے کہ اس کا دماغ سے نکال دینا بڑے سے بڑے سوچنے والے کے لئے بھی دشواری سے خالی نہیں۔ جب اس تسلسل کی تاریخ پر غور کیا جاتا ہے تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قدماء کے دماغ میں موجود نہ تھا بلکہ اس کے بعد کے فلسفہ کا نتیجہ ہے۔ یہ امر بھی خیال میں رکھنے کے قابل ہے کہ کس قانونی مساوات کو جس پر یونانی جمہوری حکومتیں نازاں تھیں، اور جو کالسطرس کے خوش آئند ترائی می نوشتی کے بیان کے مطابق بارموٹیس اور ارسطو آئین کی طرف سے اہل ایشیہ کو عطا ہوئی تھی، اہل روما کی نصفیت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مقدم الذکر ملکی قوانین کا نفاذ تمام اہل شہر پر بطریق مساوات کے تھا، خواہ وہ جماعت کیسی ہی محدود کیوں نہ ہو، مگر الذکر اس قانون کا نفاذ جو ملکی نہ ہو، ایسی جماعت پر تھا جس کا اہل شہر سے ہونا لازم نہ تھا۔ ایک سے خود سری کا اخراج اور اقتناع، اور دوسرے سے پرہیزی، اور بعض مقاصد کے لئے غلاموں کا ادخال، تصور تھا۔ مگر با این ہمہ میرا خیال اہل روما کی نصفیت کا ہند دریافت کرنے کے لئے ایک دوسری طرف جاتا ہے۔ لاطینی زبان کا لفظ "ایکیوس" یونانی لفظ (ισότης) سے زیادہ تر اظہار مساوات کرتا ہے اور یہی مساوات قانون اقوام کی وہ خصوصیت تھی جس کا احساس ابتدائی زمانہ کے اہل روما کو بطور خاص ہوا ہوگا۔ خالص "کیوریٹین" قانون میں انسانوں اور جانوروں میں بہت سی بے اصول تفریقیں قائم تھیں، "قانون اقوام" نے

جو مختلف مراسم کو مقابلہ کر کے ایک عام پیرایہ اور صورت میں آگیا تھا گیورٹین“ قانون کی تمام تفریقوں کو مٹا دیا۔ مثلاً قدیم قانون روما میں پدری اور مادری رشتہ داروں میں بڑا فرق کیا جاتا تھا، یعنی اس خاندان میں جو مشترکہ طور سے ایک ہی بزرگ خاندان کی حکومت میں رہتا تھا اور اس خاندان میں جو (زمانہ حال کے خیال کے مطابق) صرف یک جدی ہونے کی وجہ سے قرابتدار سمجھا جاتا تھا۔ یہ فرق اس قانون میں جو تمام اقوام کے لئے تھا باقی نہ رہا۔ اسی طرح جو فرق جائیداد اعلیٰ و ادنیٰ ”مین سپی“ (Mancipi) اور ”نک مین سپی“ (Nec Mancipi) میں کیا جاتا تھا وہ بھی اٹھ گیا۔ اس طور سے قانون اقوام نے یہ تمام حدود اور نشانات مٹا دیے جس کی جھلک میں لفظ ”ایکیوٹس“ میں پاتا ہوں۔ میرے نزدیک ابتداء اس لفظ سے اس عل مساوات یا ان بے باطلگی کے دور کرنے کے خیال کا اظہار مقصود تھا جو متواتر ان صورتوں میں پیش نظر رہتا تھا جن میں ملکی عہدہ داروں کا نافذ کردہ نظام قانون پر دسیوں کے مقدمات میں استعمال کیا جاتا تھا۔ بقیاس غالب، اس لفظ میں ابتداء اخلاقی رنگ کا کوئی شائبہ نہ تھا، اور نہ اس امر کے یقین کرنے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے کہ یہ عمل قدیم رومیوں کی نظر میں بجز ناگواری کے کوئی اور خیال پیدا کر سکتا ہوگا۔

برخلاف اس کے ”قانون اقوام“ کی جو شکل ایک رومی کے ذہن میں لفظ نصفت سے آتی ہوگی، وہ فطرت کی فرضی حالت کی پہلی اور بہ آسانی سمجھ میں آ جانے والی خصوصیت ہوگی۔ فطرت کے مفہوم میں باقاعدہ ترتیب شامل ہے، اول مادی دنیا، اور پھر عالم اخلاق میں، اور یہ ظاہر ہے کہ ترتیب کے ابتدائی تصور میں خطوط مستقیم، ہموار سطوح، اور نیچے تلے فاصلے شریک ہیں۔ اور جب دماغ ایک خیالی فطری حالت، یا ”قانون مشترکہ اقوام“ کے حقیقی نفاذ کو پیش نظر لانے کی کوشش کرے گا تو نادانستہ طور سے اس کے سامنے ایک ہی سی تصویر آئے گی۔ اور جو کچھ ہم کو قدما کے خیال کا اندازہ ہے

اُس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ خیالی مشابہت ان دونوں تصورات کو ایک باور کرانے میں مؤید ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ ”قانون مشترکہ اقوام“ کو روما میں پہلے سے کوئی وقعت حاصل نہ تھی، برخلاف اس کے ”قانون فطرت“ فلسفی اصول کے جلو اور سایہ میں آیا اور قوم کی قدیم اور زیادہ تر پر عظمت زمانہ کی دلکش یاد اپنے ساتھ لایا۔ اس تفاوت خیال کا اثر ایسی اصطلاح کی وقعت پر پڑنا لازم تھا جس سے قدیم اصول کے عمل اور جدید اصول کے نتائج کا اظہار ہوتا ہو۔ موجودہ زمانہ میں بھی اگر کسی عمل کی نسبت کہا جائے کہ وہ مساوات پیدا کرتا ہے تو اس سے یہ مفہوم نہیں پیدا ہوتا کہ وہ بے ترتیبیوں کا دور کرنے والا ہے، اگرچہ استعارہ وہی ہے۔ مجھے اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی کہ جب ایک مرتبہ لفظ ”ایکیوٹس“ (Aequitas) یونانی اصول کا خیال پیدا کرنے لگا، تو جو خیالات یونانی لفظ (ισότης) سے پیدا ہوتے تھے وہ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ جو الفاظ اس بارے میں سیمرونے استعمال کیے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ بقیاس غالب ایسا ہی ہوا، اور نصفت کے تصور میں یہ پہلی تبدیلی تھی اور اس کے بعد سے دنیا میں جتنے اخلاقی نظام پیدا ہوئے وہ کم و بیش اس کی تائید کرتے رہے ہیں۔

اس موقع پر ان باضابطہ ذرائع کا ذکر کرنا لازم ہے جن کی مدد سے وہ اصول اور تصورات جو پہلے ”قانون مشترکہ اقوام“ اور بعدہ ”قانون فطرت“ کے متعلق تھے رفتہ رفتہ روما کے قانون میں داخل ہوتے گئے۔ روما کی قدیم تاریخ کے ایک نازک وقت میں جو ”مارکونس“ کے اخراج سے میز ہے، ایک تبدیلی واقع ہوئی جس کی مثال بہت سی قدیم حکومتوں کی تاریخ میں پائی جاتی ہے، مگر اس کو ان سیاسی واقعات اور حالات سے بہت کم مشابہت ہے جن کو ہم اس زمانہ میں انقلاب سلطنت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس کے اظہار کا بہترین طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ شاہی اختیارات سلب کر لیے گئے، اور جو اختیارات اب تک ایک شخص کے ہاتھ میں تھے وہ چند ایسے عہدہ داروں کے سپرد کر دئے گئے، جو بذریعہ انتخاب کے مقرر ہوتے تھے۔

بادشاہی برائے نام قائم رکھی گئی اور اس کے لیے ایسے اشخاص منتخب ہوئے جو بعد میں "آئینی بادشاہوں" کے نام سے پکارے جانے لگے۔ اس تبدیلی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ اعلیٰ عدالت کے مقررہ اور مجبذ اختیارات "پریٹر" (Praetor) علیٰ عہدہ دار کے ہاتھ میں آگئے، جو اس وقت کی جمہوری حکومت میں اعلیٰ ترین عہدہ دار تھا اور جس کے ہاتھ میں ان فرائض کے علاوہ قانون اور وضع قانون کی کامل اور غیر معین نگرانی بھی دی گئی تھی جس کو اب تک صرف بادشاہ ہی استعمال کرتے رہے تھے، اور جس کا تعلق صاف طور سے پدرسری (Patriarchal) اور فاقخانہ حکومت سے تھا۔ روما کی اس زمانہ کی حالت کے لحاظ سے جو غیر معین اختیارات منتقل کیے گئے وہ بید اہم ثابت ہوئے، کیونکہ حکومت کے جمہوری ہوجانے کے ساتھ ہی ان متواتر مشکلات کا سلسلہ شروع ہو گیا، جو حکومت کو ایسے کثیر التعداد لوگوں کے متعلق پیش آنے لگیں جو باشندگان روما کی اصطلاحی تعریف میں نہ آئیے باوجود بھی مستقل طور سے روما کے حدود ارشی میں رہتے تھے۔ ایسے اشخاص کے باہمی تنازعات یا ایسے اشخاص اور ملک کی پیدا شدہ رعایا کے تنازعات کے تصفیہ کا انتظام قانون روما کے دائرہ سے خارج رہتا، اگر "پریٹر" نے ان کے تصفیہ کو اپنے فرائض میں نہ داخل کر لیا ہوتا، اور فوراً اس سے اہم تر ان تنازعات کے فیصلوں کی طرف توجہ نہ مبذول کی ہوتی جو ترقی تجارت کے ساتھ روما کی رعایا اور مسلمہ طور سے پردہسی اشخاص میں پیش آنے لگے تھے۔ روما کی عدالتوں میں اس قسم کے مقدمات کی اس قدر کثرت ہو گئی تھی کہ پہلی جنگ پیوننگ کے موقع پر ایک مخصوص عہدہ دار کو، جو بعد میں "پریٹر پریگرس" (خارج) کے نام سے موسوم ہوا، ان کے تصفیہ کے لیے مقرر کرنا پڑا۔ اور اس کے متعلق کوئی دوسرا کام نہیں رکھا گیا۔ اہل رومانے اس خوف سے کہ پھر مظالم کا دور نہ شروع ہو جائے، منجملہ اور تدبیروں کے ایک تدبیر یہ بھی کی تھی کہ ہر مجسٹریٹ کو جس کے اختیارات کے وسیع ہوجانے کا خیال ہوتا تھا، یہ حکم دیا جاتا تھا کہ وہ اپنے عہدہ کا سال شروع کرنے کے قبل، ایک اعلان شائع کرے اور اس میں بتائے کہ وہ اپنے سررشتہ کا انتظام کس طرح کرے گا۔ دوسرے مجسٹریٹوں کی طرح "پریٹر" بھی

اس قاعدہ کے تحت میں آتا تھا، چونکہ یہ امر محال تھا کہ ہر سال جدید اصول کا مجموعہ تیار کر کے شائع کیا جائے، اس لیے وہ عام طور سے اپنے جانشین سابق کے احکام کو ان اضافوں اور تبدیلیوں کے ساتھ جو فی الوقت ضروری ہوتی تھیں، یا جن کو وہ اپنی رائے میں مناسب سمجھتا تھا، شائع کرتا تھا۔ اس طور سے ”پریئر“ کا اعلان جو ہر سال کچھ نہ کچھ اضافہ کے ساتھ شائع ہوتا رہتا تھا دوامی یا ناقابل انقضاء اعلان کے نام سے موسوم ہو گیا۔ اس کی غیر محدود طوالت اور اس کی بے ترتیبی کی ناگواری کی بنا پر آخر کار سا لوئیس جونیئس کے زمانہ میں جو شہنشاہ ہیلڈرین کے عہد میں مجسٹریٹ مقرر ہوا، یہ دستور مجبوراً موقوف کر دینا پڑا۔ خود اس ”پریئر“ کا اعلان تمام مہول نقصت پر حادی تھا جس کو اُس نے غالباً جدید ترتیب اور باقاعدہ طور سے مرتب کیا تھا اس لیے قانون روم میں جہاں دوامی اعلان کا حوالہ دیا جاتا ہے وہاں اس سے مراد اسی جونیئس کا اعلان ہوتا ہے۔

انگلستان کے ایک باشندے کے دل میں جو اعلانوں کی مخصوص وضع پر غور کرتا ہے غالباً یہ سوال پیدا ہوتا ہوگا کہ ”پریئر“ کے ان وسیع اختیارات کی روک تھام کے کیا ذرائع تھے، اور ایسے اختیارات جن پر اس قدر کم روک ٹوک ہو سوسائٹی اور قانون کی مطمئن حالت کے ساتھ کس طرح مطابقت رکھ سکتے تھے۔ اس کا جواب صرف اسی طرح مل سکتا ہے کہ وہ اس طریقہ پر پوری طرح غور کرے جو خود ہمارے انگریزی قانون کے نفاذ کا ہے۔ یہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ ”پریئر“ خود ماہر قانون ہوتا تھا، یا ایسے مشیروں کے ہاتھ میں رہتا تھا جو اس فن کے ماہر ہوتے تھے، اور ہر رومی مقنن اس وقت کا شوق کے ساتھ منتظر رہتا تھا جب وہ ”پریئر“ کے عہدہ پر مامور ہو یا اس کو اس عظیم الشان نظام قانونی پر دسترس کا موقع ملے۔ اس عرصہ میں اس کے شوق، احساسات اور معلومات وہی رہتے تھے جو اس طبقہ کے اہل فن کے ہوتے ہیں؛ اور جب وہ اس عہدہ پر مقرر ہوتا تھا تو اپنے ساتھ وہ سب اوصاف اور تجربے لے کر آتا تھا جو اسے اپنے پیشہ کی کتابیں پڑھنے اور عمل کرنے سے حاصل ہوئے تھے۔ انگلستان کے جانسز کی تعلیم و تربیت بھی تقریباً اسی طرح ہوتی ہے اور وہ بھی

انھیں اوصاف کے ساتھ حالت کی کرسی پر بیٹھا ہے؛ اور اس کے تقرر کیساتھ بھی یہ امر یقینی ہوتا ہے کہ وہ قبل اپنی جگہ سے ہٹنے کے قانون میں ایک حد تک تغیر و تبدل کر دے گا۔ لیکن جب تک وہ اپنی جگہ خالی نہیں کرتا، اور اس کے فیصلہ بات کا سلسلہ لارپورٹ میں مکمل نہیں ہو جاتا، یہ دریافت نہیں ہو سکتا کہ جو اصول اس کے جانشینان سابق چھوڑ گئے تھے اُن کی توضیح اُس نے کس طرح کی ہے اور ان میں کیا اضافہ کیا ہے۔ روما کے ”پریٹر“ کا جو اثر روما کے اصول قانون پر پڑتا تھا اس کے احساس کا وقت البتہ اس سے مختلف تھا۔ ہم قبل ازیں لکھ آئے ہیں کہ ”پریٹر“ کا تقرر صرف ایک سال کے لیے ہوا کرتا تھا، اس کے اس زمانے کے فیصلے اگرچہ فریقین کے حق میں قطعی ہوتے تھے، مگر اس کے بعد ان کی کوئی وقعت باقی نہ رہتی تھی۔ جو تبدیلیاں وہ قانون میں کرنا چاہتا تھا اس کے اعلان کا لازمی موقع وہی ہوتا تھا جب کہ وہ اس خدمت کا جائزہ لیتا تھا، اور اس طرح وہ اپنے فرائض منصبی کے آغاز ہی میں وہ عمل علانیہ اور بالجمہر کرتا تھا جو انگلستان کا چانسلر آج بھی خفیہ اور بعض اوقات نادانستہ طور سے کرتا ہے۔ ”پریٹر“ کی ظاہری آزادی کی روک تھام کا وہی انتظام تھا جو انگلستان کے ایک جج کے لیے ہے۔ اصولی طور سے دونوں کی آزادی کی کوئی حد مقرر نہ تھی، لیکن عملی طور سے دونوں کو وہ خیالات حد سے باہر قدم نہیں رکھنے دیتے تھے جو ابتدائی تربیت سے دل نشین ہو گئے تھے، اور اس سے زیادہ مانع اہل فن کی رائے تھی، جس کی قوت کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو ذاتی طور سے اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ دائرہ جس کے اندر حرکت ممکن تھی اور جس کے باہر قدم نہیں نکالا جاسکتا تھا، صاف اور نمایاں طور سے قائم تھا۔ انگلستان میں جج مقدمہ کے مخصوص واقعات کو مطلوبہ نظائر سے مطابق کر کے فیصلہ کرتے ہیں۔ روما میں ”پریٹر“ کی مداخلت کی ضرورت محض حکومت کی حفاظت کی غرض سے تھی، اور قیاس یہی ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانہ میں وہ مداخلت اس ضرورت کے مطابق ہوتی ہوگی جبکہ رفع کرنا پیش نظر ہوتا ہوگا۔ بعد جب فتوؤں کے ذریعہ سے اصول کا مذاق

پیدا ہو گیا، تو وہ لوگ اعلان کی مدد سے ان اصول کو وسعت کے ساتھ کام میں لانے لگے جن کو وہ اور ان کے معاشرہ قانون پیشہ اصحاب اپنی رائے میں قانون کے بنیادی اصول سمجھتے تھے۔ اس کے بعد ان کی کارروائی یونانی فلسفہ کے اصول کے اثر میں آگئی، جس نے ان کو ترقی کے ایک مخصوص راستہ پر ڈال دیا۔

جو انتظامات سلویس جولی میس نے کیے ان کی نوعیت کے متعلق بڑی بحث ہے۔ خواہ ان کی نوعیت کچھ ہو، مگر ان کا جو کچھ اثر اعلانوں پر تھا وہ صاف طور سے نمایاں ہے۔ ان میں جو سالانہ اضافہ ہوتا رہتا تھا وہ موقوف ہو گیا، اور اس کے بعد سے روما کے اصول نصف کی ترقی ان مشہور مقننین کی تالیفات اور تصنیفات سے ہونے لگی، جن کی تحریروں سے وہ زمانہ جو عہد ہیڈرین سے شروع ہو کر الگزینڈر سیورس کے عہد پر ختم ہوتا ہے، علوچ اس تعجب انگیز نظام کا جو انھوں نے قائم کر دیا ایک جز اس اخلاصہ قوانین میں موجود ہے جو جینیٹین کے حکم سے مرتب ہوا تھا، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ کام ان رسالوں کے ذریعہ سے انجام دیا تھا جو قانون روما کے تمام شعبوں پر، اور خصوصاً اعلانوں کی تشریح اور توضیح میں لکھے گئے تھے۔ بہر حال اس زمانہ کے مقننین کا مضمون خواہ کچھ ہو وہ فن نصف کے شارح کے نام سے موسوم کیے جاسکتے ہیں۔ اس قسم کے اعلانوں کے اصول، قبل اس کے کہ ان کا اجرا مسدود ہو، روما کے قانون کے دوسرے شعبوں میں پھیل گئے تھے۔ یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ روما کی نصف، ملکی قانون سے بالکل مختلف ہونے کی صورت میں بھی ہمیشہ ایک ہی عدالت کے ذریعہ سے نفاذ پاتی تھی۔ ”پریٹر“ ہی قیسی قانون کے مجسٹریٹ کی طرح نصف کا بھی اعلیٰ راجع ہوتا تھا، اور جب احکام کے ذریعہ سے کوئی نصف کا قاعدہ جاری یا پیدا ہوتا تھا تو ”پریٹر“ کی عدالت اس کو ملکی قانون کے قدیم قاعدہ کے بجائے یا اس کے پہلو پہ پہلو نافذ کرنے لگتی تھی؛ اور اس طور سے قاعدہ مذکور بغیر واضعان قانون کے کسی جاری کردہ حکم کے قدیم قواعد کا بواسطہ یا بلا واسطہ

ناسخ ہو جاتا تھا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ نہ ہوا کہ قانون اور نصف دونوں مل ملا کر ایک ہو جائیں۔ یہ عمل اسی وقت ہوا جبکہ جیٹینین نے قانون کی اصلاح کی۔ اصول قانون کے ان دو اجزا کی یا مضابطہ علامہ کی سے بہت سی پیچیدگیاں اور دقتیں پیش آئیں اور ملکی قانون کے بہت سے ایسے مضبوط اور قوی مسائل باقی رہ گئے جن میں نہ واضعان قانون اور نہ شارحین اعلان دست اندازی کی جرات کر سکے۔ مگر

60 ساتھ ہی اس کے اصول قانون کا کوئی شعبہ ایسا باقی نہ رہا جس پر نصف کا اثر نہ پڑا ہو۔ اس کے ذریعہ سے متقنین کو عام اصول پیدا کرنے کا مواد، تغیر کے طریقہ اور ابتدائی اصول کی تشریح کے راستے مل گئے۔ اور اس کے ساتھ ان کے ہاتھ میں وہ بہت سے محدود کرنے والے قواعد آ گئے، جن میں واضعان قانون بہت کم دخل دیتے ہیں، مگر جن کو ہر وضع شدہ قانون کے استعمال میں بڑا دخل ہوتا ہے۔

الکونڈرسویرس کے عہد کے ساتھ متقنین کا دور ختم ہو جاتا ہے۔ ہارڈین کے زمانہ سے لے کر الکونڈرسویرس کے زمانہ تک قانون میں جزا عمدہ اور مسئلہ شرحوں اور جزا راست وضع قوانین سے، ترقی ہوتی رہی جیسا کہ اس وقت یورپ کے بیشتر ممالک میں ہو رہا ہے۔ لیکن الکونڈرسویرس کے عہد میں روما کی نصف کا نشوونما، اور قانون کے مصنفوں کا سلسلہ ختم ہو گیا قانون روما کی بقیہ تاریخ شاہی آئین اور انتظامات اور اس اصول قانون کو جو بوجہ ضمانت کے بے ڈھنگا ہو گیا تھا، ترتیب دینے اور یکجا جمع کرنے کی تاریخ ہے۔ اس قسم کی سب سے آخری اور سب سے زیادہ مشہور و معروف کوشش کا نتیجہ جیٹینین کا مجموعہ قوانین (Carpas Juris) کہا جاسکتا ہے۔

انگریزی اور رومی نصف کا تفصیل کے ساتھ مقابلہ یا معارضہ کرنا موجب لطالت ہوگا، مگر ان دو خصوصیات کی طرف توجہ دلانا جو ان دونوں میں مشترک پائے جاتے ہیں غالباً بیجا نہ تصور ہو۔ پہلی خصوصیت ان الفاظ میں بیان کی جاسکتی ہے کہ ان دونوں خصوصیات میں سے ہر خصوصیت نے میمی قانون کی اس وقت تک حمایت کی جب تک کہ اس میں نصف کی مداخلت نہ ہوئی تھی

جیسا کہ اس قسم کے تمام نظاموں کا خاصہ ہے۔ مگر بعدہ ایک وقت ایسا آتا ہے جس میں وہ اخلاقی اصول جو ابتداء اختیار کیے گئے تھے اپنی انتہائی حد تک پہنچ جاتے ہیں، اور اس وقت وہ نظام جو ان پر قائم ہوا تھا مضبوط سے مضبوط قانونی قواعد کی طرح سخت، جامد، اور اخلاقی ترقی سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ یہ وقت روما میں الکنونڈر مسروس کے عہد میں آیا؛ جس کے بعد سے، اگرچہ تمام رومی دنیا میں ایک اخلاقی تبدیلی ہوتی رہی، مگر رومی نصفت کی ترقی کا دروازہ بند ہو گیا۔ انگلستان کے قانون کی تاریخ میں یہ حالت لارڈ ایلڈن کی چانسی کے زمانہ میں پیدا ہوئی، لارڈ ایلڈن ہماری نصفت کے پہلے جج تھے، جنہوں نے بجائے اس کے کہ اپنی عدالت کے اصول قانون میں بالواسطہ وضع قانون کے ذریعہ سے اضافہ کریں، اپنی تمام عمر اصول قانون کی توضیح اور تطبیق میں صرف کر دی۔ اہالی انگلستان میں اگر قانونی تاریخ کے فلسفہ کو سمجھنے کا زیادہ تر مادہ ہوتا جو کچھ لارڈ ایلڈن نے کیا اس میں اس قدر مبالغہ نہ کیا جاتا بلکہ معاصر متقنین ان کے کام کی اس سے زیادہ قدر کرتے جتنی اس وقت کی جاتی ہے؛ اور دوسری غلط فہمیاں بھی جن کا ظہور علی کارروائیوں میں ہوتا رہتا ہے شاید دور ہو جائیں۔ انگلستان کے متقنین کو یہ سمجھنے میں تو کوئی وقت نہیں پیش آتی کہ انگلستان کے نظام نصفت کی بنیاد اخلاقی قواعد پر رکھی گئی ہے؛ مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ اخلاقی اصول گزشتہ صدیوں کے ہیں، نہ کہ اس زمانہ کے، اور یہ اصول اپنے استعمال کی انتہا تک پہنچ چکے ہیں، اور اگرچہ وہ ہمارے زمانہ کے اخلاقی اصول سے زیادہ مختلف نہیں ہیں، تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ لازمی طور سے اس زمانہ کے اخلاقی اصول کے مساوی اور ہم پل ہیں۔ اس مضمون کے غیر مکمل اصول سے جو عام طور سے اختیار کر لئے گئے ہیں دوسری قسم کی غلطیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اکثر مصنفین، جنہوں نے نصفت کے متعلق کتابیں لکھی ہیں اس کی موجودہ مکمل حالت پر فریضہ ہو کر مرتعاً یا معناً اس بعد از قیاس دعوے کے قائل ہو گئے ہیں کہ چانسی کے اصول قانون کی بنیاد قائم کرتے وقت اس کی موجودہ معین شکل اس کے بانیوں کے پیش نظر بھی بزرگلاف اس کے دوسرے مصنف اس امر کے شاک کی پائے جاتے ہیں، اور قانونی مباحث

میں عموماً اس پر زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ جو اخلاقی اصول عدالت چانسری سے نافذ کیے جاتے ہیں وہ موجودہ زمانہ کے اصول اخلاق کے معیار پر ٹھیک نہیں اترتے۔ ان کے نزدیک ہر لارڈ چانسلر کو اصول قانون کی خدمت ہر موجودہ ذریعہ سے کرنی چاہئے جیسا کہ قدیم رومی قانون کے ساتھ انگریزی نصفت کے بانیوں نے کیا تھا۔ لیکن یہ ان ذرائع کی ترغیب کو درجہ برہم کر دینا ہوگا جن سے قانون میں ترقی ہوتی ہے۔ نصفت کا موقع اور وقت ہوتا ہے اور میں یہ پہلے بتا چکا ہوں کہ جب اس کی قوت زائل ہو جاتی ہے تو اس کی قائم مقامی کے لیے ایک دوسرا ذریعہ پیدا ہو جاتا ہے۔

دوسری نمایاں خصوصیت انگریزی اور رومی نصفت کی وہ غلط مفروضات ہیں جن کی بنا پر قاعدہ نصفت کو قانونی قاعدہ پر ترجیح دے کر اس کی حمایت کی جاتی ہے۔ انسان کے لیے کیا افراد آ اور کیا مجموعاً اس سے زیادہ کوئی امر ناگوار نہیں کہ وہ اپنی اخلاقی ترقی کا بطور حقیقی شے کے اعتراف کرے۔ اس ناگواری کا اظہار انفرادی طور سے اس مبالغہ آمیز توجہ سے ہوتا ہے جو پاس دفع (ایک حالت پر قیام) سے مشتبہ صفت کی کی جاتی ہے۔ مگر تمام سوسائٹی کی مجموعی رائے کی تحریک ایسی بین ہوتی ہے کہ اس سے چشم پوشی ممکن نہیں ہوتی اور عام طور سے اس قدر نمایاں طور سے فائق اور مزج ہوتی ہے کہ اس کے خلاف آواز بلند کرنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوتی مگر پھر بھی اس کو ابتدائی اور جدید واقعہ کے طور سے ماننے میں بہت پس و پیش کیا جاتا ہے اور اس کی توضیح عام طور سے اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ ایک گرم شدہ وصف تھا جو اس وقت پھر ہاتھ لگ گیا ہے اور قوم رفتہ رفتہ پھر اسی راستہ پر آرہی ہے جس سے وہ جھٹک چکی تھی۔ 68

اخلاقی ترقی کی منزل مقصود کو بجائے مستقبل کے ماضی میں تلاش کرنے کے رجحان سے ہم کو معلوم ہو چکا ہے کہ قدیم زمانہ میں اہل روما کے اصول قانون پر کیا تعلیم اور دیر پا اثر پڑا۔ روما کے متفکین نے اس ترقی کو جو ان کے اصول قانون میں ”پریٹرز“ کے ذریعہ سے ہوتی تھی انسان کی فطری حالت کے مسئلہ پر محمول کیا جس کو انھوں نے یونانیوں سے اخذ کیا تھا۔ ان کے خیال

کے مطابق فطری سوسائٹی وہ تھی جو ایسی جمہوری حکومتوں کے قائم ہونے سے پہلے موجود تھی، جن میں قوانین موکدہ کی پابندی کی جاتی تھی برخلاف اسکے انگلستان میں نصنت کے تئیمی قانون پر مرجع ہونے کی توجیح ان خیالات سے کی جاتی تھی جو اس زمانہ کے اہل انگلستان کے لہائے سے مناسبت رکھتے تھے، اور جن کی رو سے یہ فرض کیا جاتا تھا کہ پادشاہ کو بزرگ خاندان ہونے کی معیت سے یہ حق فطری اور خاص طور سے پہنچتا ہے کہ وہ قانون کی تعمیل اور نفاذ پر نگران رہے۔ اس خیال کا اظہار زیادہ عجیب صورت میں اس قدیم مقولہ سے ہوتا ہے کہ ”نصنت کا منبع پادشاہ کا ضمیر (Conscience) ہے۔“ جو ترقی سوسائٹی کے معیار اخلاق میں ہوتی تھی وہ اس طور سے پادشاہ کے ذاتی اخلاق کی ترقی قرار دی جاتی تھی۔ انگلستان کے آئین میں ترقی ہو جانے کے چند روز بعد یہ اصول پسندیدہ نہ رہا، مگر اس وقت عدالت چانسی کا عمل دخل پوری طور سے قائم ہو چکا تھا، اس لئے اس کی جگہ کسی دوسرے مفروضہ کے اختراع کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ نصنت پر جو کتابیں زمانہ حال میں لکھی گئی ہیں ان میں اس مسئلہ کے متعلق مختلف رائیں پائی جاتی ہیں، مگر وہ سب ناقابل قبول ہونے میں یکساں ہیں۔ ان میں سے اکثر تو روما کے قانون فطرت کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں، جن کو ان مصنفین نے بہ تبدیل الفاظ اختیار کر لیا ہے جنہوں نے عدالت چانسی کے اختیارات کی بحث فطری اور ملکی انصاف کے فرق سے شروع کی ہے۔

فصل چہارم

قانون فطرت کی زمانہ حال کی تاریخ

جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ جس اصول نے اہل روم کے اصول قانون کو بدل دیا اس پر پوری طور سے فلسفیانہ صحت کا اطلاق نہیں ہو سکتا تھا۔ فی الحقیقت وہ ”مغلوط خیالات“ کا عمل تھا جس کی نسبت اب یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ترقی خیال کے ابتدائی مدارج میں بچہ چند بڑے بڑے عقلا کے کوئی شخص ان سے خالی نہ تھا، اور خود ہمارے زمانہ کے لڑکوں کے دماغوں میں ان کے آثار نظر آتے ہیں۔ قانون فطرت نے ماضی اور حال کو ملا دیا ہے۔ منطقی طور سے قانون فطرت سے وہ فطری حالت مقصود تھی جو ایک زمانہ میں فطری قانون کی تابع اور پابند تھی؛ مگر مصنفان قانون صاف اور قابل اعتبار طور سے یہ بھی نہیں بیان کرتے ہیں کہ کسی زمانہ میں فی الحقیقت ایسی حالت تھی۔ قدما نے بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے بجز اس مقام کے جہاں ان کے شاعرانہ خیال ان کو ہمد زریں کے تصور کی طرف گھنچ لے جاتے ہیں۔ تمام اعلیٰ مقاصد کے لیے قانون فطرت وہ چیز تھا جس کا کچھ حصہ زمانہ حال سے متعلق اور کچھ حصہ اس زمانہ کے انتظامات میں شریک تھا، اور کچھ حصہ ایسا تھا جس کو اہل بصیرت ان دونوں حصوں

سے میسر کر سکتے تھے۔ احکام فطرت کو ان ناکارہ اجزاء سے جو اس میں شریک ہو گئے تھے تمیز کرنے کا معیار صرف سادگی اور تناسب کا احساس تھا۔ مگر احکام مذکور کے بہترین اجزاء کی جو توقیر اور عظمت قدیم زمانہ میں کی جاتی تھی وہ سادگی اور تناسب کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ان کی نسبت یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان کا نزول ایسے عالم سے ہوا ہے جو فطرت کا مرکز اور مسکن ہے۔ اس پریشان خیالی کی توضیح قدیم متنفین قانون کے زمانہ حال کے متبعین بھی کامیابی کے ساتھ نہیں کر سکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قانون فطرت کے متعلق زمانہ حال کے جو خیالات اور تصورات ہیں وہ زیادہ دھندلے ہیں اور ان کا اظہار جن الفاظ میں کیا جاتا ہے وہ ابہام کی وجہ سے اس سے زیادہ تر قہل ہو جاتے ہیں جس کا الزام اہل رومان کے متنفین پر لگایا جاتا ہے۔ بعض متنفین جنہوں نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے اس مشکل سے بچ نکلنے کے لیے اس کے قائل ہو گئے ہیں کہ مجموعہ قوانین فطرت کا وجود استقبال میں ہے اور وہی ایک مرکز ہے جس کی طرف تمام ملکی قوانین حرکت کر رہے ہیں؛ مگر یہ ان مفروضات کے بالکل متضاد ہے جس پر قدیم اصول مبنی تھا، یا یوں کہو کہ یہ ایسے دواصول کو ایک جگہ جمع کر دینا ہے جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ رجحان کہ کمال نمونوں کی تلاش بجائے زمانہ گزشتہ کے زمانہ آئندہ میں ہونی چاہئے، دنیا میں عیسائیت نے پیدا کیا۔ قدیم علم ادب میں بہت کم یا یوں کہو کہ مطلق اس عقیدہ کا پتہ نہیں چلتا کہ تمدن کی حالت لازمی طور سے خرابی سے بہتری کی طرف مائل ہے۔ لیکن یہ اصول نوع انسانی کے لئے جس قدر نفع رسا ثابت ہوا اسکی امید اس کے فلسفی نقائص کی بناء پر نہیں کی جاسکتی تھی۔ یہ معلوم کرنا یقیناً دشوار ہے کہ اگر قدیم دنیا میں قانون فطرت کا خیال عام نہ ہو گیا ہوتا تو خیالات اور اس کے ساتھ نوع انسانی کی تاریخ کا رخ کس طرف پھر گیا ہوتا۔

ابتدائی زمانہ میں قانون اور اس کے ساتھ تمدن کو جو قانون ہی سے قائم رہتا ہے، دو مخصوص خطرات پیش آنے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ اول یہ کہ قانون میں ضرورت سے زیادہ عجلت کے ساتھ ترقی ہو جائے۔ یہ حالت یونان کی بعض ترقی یافتہ جماعتوں کے مجموعہ ہائے قوانین کی ہوئی، ان جماعتوں نے ضوابط کی

66

گراں بار صورتوں اور بے کار اصطلاحات کے بوجھ سے حیرت انگیز آسانی کے ساتھ اپنے آپ کو سکندر کش کر لیا اور سخت قواعد اور ان کے مراسم کی جاہلانہ وقعت سے دست بردار ہو گئیں۔ لیکن یہ طریقہ بالآخر نوع انسانی کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں ثابت ہوا۔ اگرچہ فی الوقت اس عمل سے ان جماعتوں کو بہت زیادہ آسانیاں ہو گئی ہوں۔ قومی خصوصیات میں یہ صفت بہت زیادہ قابل وصف ہے کہ قوم میں قانون کے نفاذ اور تعمیل کی قابلیت ہو، خواہ وہ قانون کیسا ہی کیوں نہ ہو، اور باوجود حقیقی انصاف کی متواتر خلاف ورزیوں کے دل شکستہ نہ ہو، اور اسے قانونی ترقی کی امید اور قانون کو اعلیٰ نصب العین پر لے آنے کی خواہش، دامنگیر رہے یونانوں کی عقل، باوجود جلت پھرت اور بوج کے، کسی قانونی اصول کے شکنجے میں گسے رہنے کے ناقابل تھی، اور اگر ہم ایشیائی کی معمولی عدالتوں سے قیاس کریں، جن کی کارروائیوں کا ہم کو یقین کے ساتھ علم ہے، تو ظاہر ہوتا ہے کہ تمام یونانی عدالتوں میں قانون اور واقعات کو خلط ملط کر دینے کا رجحان شدت کے ساتھ پایا جاتا تھا۔ ارسطاطالیس کی کتاب ”علم بدیع“ میں خطیبوں کے خطبات، اور قانونی مباحث کے جو نمونے رہ گئے ہیں، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص قانونی مسائل پر ہر ایسے مقصد کے لیے بحث کی جاتی تھی جس سے مجبوں کے دل پر اثر پڑنے کی امید ہو سکتی تھی۔ اس صورت میں اصول قانون کا کوئی دیرپا اور مستقل نظام قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ قوم جو کسی خاص مقدمہ کے واقعات پر خیالی بہترین فیصلہ کے صدور کے لیے منضبط قوانین کے قواعد کی پابندی کو چھوڑ دینے کی کچھ پروا نہ کرتی ہو، وہ آئندہ نسلوں کے لیے اگر کچھ عدالتی اصول چھوڑ جا سکتی تھی، تو وہ صرف صبیح اور خلط کے وہ تصورات چھوڑ جا سکتی تھی جو اس کے زمانہ میں رائج اور شایع تھے۔ ایسے نظام قانون میں اس کی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ اس کے ساتھ آئندہ زمانہ کے ترقی یافتہ تصورات مطابقت ہو سکیں۔ زیادہ سے زیادہ نظام مذکور اس کا مستحق ہو سکتا ہے کہ وہ ایک فلسفہ کے نام سے موسوم کیا جائے، اور وہ اس زمانہ کی غیر ملل تہذیب کا نمونہ متصور ہو۔

چند قوموں کے اصول قانون، قبل از وقت تکمیل اور قبل از وقت فنا

67

ہو جانے کے مخصوص خطرات سے یقیناً مقابلہ کرنا پڑا؛ مگر یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا اہل روما کو بھی کبھی ایسے خطرات پیش آئے۔ بہر حال اگر پیش بھی آتے تو ان سے محفوظ رہنے کے لئے ان کے پاس قانون فطرت کا اصول موجود تھا؛ کیونکہ متعینین نے قانون فطرت کو دیدہ و دانستہ ایک ایسا نظام قرار دیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ رفتہ رفتہ تمام ملکی قوانین کو اپنے آپ میں جذب کر لے، اور جب تک وہ منسوخ نہ ہو جائیں ان کی جگہ نہ قائم ہو۔ مگر دوسرے ممالک میں اس خیال کی یہ وقعت نہ تھی کہ اس کا حوالہ ایک مقدمہ کے فیصلہ کرنے والے جج کے دل و دماغ پر چھاجا اور اس کو اپنے قابو میں کر لے۔ اس تصور کا مفید اور کارآمد پہلو یہ تھا کہ اس کے ذریعہ سے ایک مکمل قانون کی تصویر پیش نظر اور یہ امید قائم رہتی تھی کہ ہر قسم اس کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی اس کے دکلا دیا ملکین کو ان موجودہ قوانین کی ذمہ داریوں سے جو ابھی تک اس اصول کے مطابق نہیں ہو گئے تھے انکار کی کوئی ترغیب نہیں پیدا ہوتی تھی۔ یہ امر بھی قابل اظہار ہے کہ یہ کامل نظام، مثل ان نظاموں کے جو زمانہ مابعد میں بڑی امیدوں کے ساتھ قائم ہو کر انسان کی مایوسی کے باعث ہوئے، محض تخیل کا نتیجہ نہ تھا۔ اسکی نسبت کبھی یہ نہیں سمجھا گیا کہ وہ ایسے اصول پر مبنی ہے جن کی جانچ اور آزمائش نہیں ہوئی ہے۔ خیال یہ تھا کہ وہ موجودہ قوانین کی تہ بسات ہے اور وہیں اسکو تلاش کرنا چاہئے۔ خلاصہ یہ کہ اس کا مقصد اصلاح تھا نہ کہ انقلاب یا ہنگامہ اور خود سری۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے قابل افسوس طریقہ سے، قانون فطرت کا زمانہ حال کا تصور عموماً قدیم تصور سے جدا ہو جاتا ہے، اور دونوں میں مشابہت قائم نہیں رہتی۔

دوسرا خطرہ جو قوموں کو آغاز تمدن میں پیش آتا ہے، نوع انسان کے بڑے حصے کی ترقی میں مانع اور مزاحم ثابت ہوا ہے۔ قدیم قوانین کی اس سختی نے، جو خاص طور سے مذہب کے اختلاط اور اثر سے پیدا ہوئی، انسانوں کی بڑی جماعت کو انہیں خیالات زندگی اور طرز عمل میں جکڑے رکھا جو اس وقت تھے جب کہ ان کے رسم و رواج باضابطہ فصل اختیار کر رہے تھے۔ اس بلا سے

تعجب انگیز طریقہ سے صرف دو ہی ایک قومیں محفوظ رہیں؛ اور انہیں کے پیوند سے چند موجودہ اقوام سرسبز ہوئیں؛ مگر پھر بھی یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ دنیا کے بڑے حصہ میں قانون کی تکمیل ہمیشہ یہی سمجھی گئی ہے کہ وہ اس دائرہ میں محدود رہے جسکی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ اسے ابتدائی مقنن نے قائم کیا تھا۔ ان صورتوں میں اگر ”اصول قانون“ میں عقل سے کام لیا گیا ہے تو وہ ہمیشہ اسی پر نازاں رہی کہ اس نے قدیم متنوں سے نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے غیر متعلق نتائج اس طور سے پیدا کر لئے ہیں کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کو ان متنوں کے لفظی مفہوم سے باہر جانا پڑا ہے۔ میری سمجھ میں کوئی وجہ نہیں آتی کہ قانون روما کو ہندوؤں کے قانون پر کیوں ترجیح دی جائے، بجز اس کے کہ یہ کہا جائے کہ قانون فطرت کے اصول نے اس میں ایک ایسا وصف پیدا کر دیا جو معمولی اوصاف سے علیحدہ تھا۔ یہی ایک مستثنیٰ صورت تھی، جس میں ایک ایسی قوم نے جو دوسرے اسباب سے دنیا میں نوع انسانی پر بہت بڑا اثر ڈالنے والی تھی، سادگی اور تناسب کو مکمل قانون کی خصوصیات قرار دے کر، پیش نظر رکھا۔ ہر قوم اور ہر پیشہ کی ترقی کے لیے ضرور ہے کہ وہ ایک مقصد پیش نظر رکھے۔ انگلستان میں منقہم نے گزشتہ تیس سال میں عظیم الشان اثر پیدا کیا، ان کی کامیابی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے کہ انہوں نے ایک مقصد ملک کے پیش نظر کر دیا، اور اصلاح کا ایک سیدھا راستہ بتا دیا۔ گزشتہ صدی کے انگریزی مقننین غالباً ایسے اندھے نہ تھے کہ وہ اس عجیب اور عامیانہ خیال کے متبع ہوں کہ انگریزی قانون انسانی عقل کا کامل نمونہ ہے۔ مگر ان کا عمل ایسا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کو یقین کرتے ہیں کیونکہ کوئی دوسرا اصول ان کے پیش نظر نہ تھا۔ منقہم نے قوم کے سود (فائدہ) کو تمام دوسرے مقاصد پر ترجیح دی، اور اس طور سے وہ چشمہ جاری کر دیا جو عرصہ دراز سے اپنا مجرئی تلاش کر رہا تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ جن مفروضات سے ہم بحث کر رہے ہیں وہ منقہم کے اصول کی قدیم عقلیں ہیں اور انکا باہم مقابلہ کیا جائے تو یہ مقابلہ بعض فرضی ہنگاموں کے اصول نے انسانی توجہ اور کوششوں کو اسی راستہ پر لگا دیا تھا

جدھر اس انگلستان کے باشندے کا مجوزہ اصول رہبری کرتا ہے۔ اس اصول کے عملی نتائج تقریباً وہی تھے جو مصلحان قانون کی ایسی جماعت کی کوششوں کے نتائج ہو سکتے ہیں جس کا مقصد قوم کی عام بہبودی ہو۔ لیکن یہ سمجھنا غلطی سے خالی نہ ہوگا کہ رومیوں کے اصول بعینہ اور سچنہ منتقم کے اصول تھے۔ اس میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا کہ بعض اوقات رومیوں کے عام اور قانونی تصنیفات میں نوع انسان کا آرام و آسائش تمام چارہ کار رہائے قانونی کا اصلی مقصد قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس مقصد کا اظہار بمقابلہ قانون فطرت کے ہمہ گیر دعوے کے بہت مختصر اور شاذ ہے۔ روماء کے مصنفان قانون حب الوطنی نہیں بلکہ سادگی اور تناسب پر جسے وہ معنی خیز الفاظ میں ”حسن“ سے تعبیر کرتے تھے، مئے ہوئے تھے۔ اسکو بنی نوع انسان کی خوش قسمتی پر محمول کرنا چاہئے کہ ان کی کوششوں سے وہی نتیجہ نکلا جو ایک کامل اور باضابطہ فلسفہ کے اتباع سے پیدا ہوتا۔

70

قانون فطرت کی موجودہ تاریخ پر نظر ڈالنے سے ہمیں اسکا اندازہ تو بآسانی ہو جاتا ہے کہ اس کا اثر وسیع تھا، مگر اسکا تصفیہ کرنا دشوار ہے کہ آیا وہ اثر اچھا تھا یا بُرا۔ جو اصول اور ادارات اس سے پیدا ہوئے وہ ہمارے زمانہ میں سب سے زیادہ معرض بحث میں رہے اور متحرک آلات ثابت ہوئے ہیں، جیسا کہ اس امر کے بیان سے ظاہر ہوگا کہ گزشتہ صدی میں فرانسیسیوں نے جو مخصوص خیالات قانون، سیاسیات، اور اجتماع انسانی کے متعلق مغربی دنیا میں پھیلائے ان کا ماخذ قانون فطرت ہی تھا۔ فرانس کی تاریخ میں جو کام وہاں کے متقنین نے کیا، اور جن قانونی تصورات کو فرانسیسی دماغوں نے قائم کیا وہ یقیناً بڑے پیانہ پر تھے۔ یہ صحیح ہے کہ موجودہ یورپ کا فن قانون، فرانس میں نہیں بلکہ اطالیہ میں پیدا ہوا۔ جو مدرسے اطالیہ کی یونیورسٹی کے معاونین نے یورپ کے ہر حصہ میں قائم کیے، اور جو ناکامیاب طریقہ ہے اس جزیرہ میں بھی قائم ہوا تھا، ان میں سب سے زیادہ وہ مدرسہ جو فرانس میں قائم ہوا تھا اپنے ملک کے معاملات میں موثر اور دخیل ثابت ہوا۔ فرانس کے متقنین فوراً خاندان کیپٹ اور ویلیوس کے بادشاہوں کے ساتھ متحد ہو گئے، ان کے

71

شاہی حقوق کے اثبات اور ان کی جاگیری توریث کے قواعد کی تعبیر اور تلوار کے زور کا یہ نتیجہ ہوا کہ آخر کار چھوٹے چھوٹے صوبہ جات اور جاگیروں کی جگہ فرانس میں ایک بادشاہت قائم ہو گئی۔ ان مقننین کے ہموار کر لینے سے ان بادشاہوں کو جو مدد اس کشمکش میں ملی جو ان میں اور ان کے قومی باجگذاروں اور امرا اور مذہبی پیشواؤں میں جاری تھی، اس کا اندازہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم ان خیالات پر غور کریں جو یورپ میں قرون وسطیٰ تک شائع اور رائج تھے۔ اس وقت سب سے مقدم شوق عام اصول قائم کرنے کا تھا اور ایسے اصول بے حد پسند کیے جاتے تھے، اس بنا پر فن قانون میں ہر عام مقولہ جو مختلف مقامات کے جداگانہ مروجہ قواعد پر حاوی ہوتا تھا خود بخود بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ ایسے دکانا کے لیے جو مجموعہ قوانین اور ان کے ماحیوں سے واقف ہوں اس قسم کے اصول کا بہ تعداد کثیر ہیا کر دینا کچھ مشکل نہ تھا۔ اسکے علاوہ انکے اختیارات اور قوت میں اضافہ کا ایک اور سبب بھی موجود تھا۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں، اس زمانہ میں منضبط قانونی احکام کی قوت کی مقدار اور نوعیت کے متعلق بھی عام طور سے خیالات صاف اور صریح نہ تھے۔ عام طور سے یہ تاکیدی تمہید کہ ”ہند ایہ حکم دیا جاتا ہے“ تمام اعتراضات کی زبان بندی کے لیے کافی متصور ہوتی تھی۔ جس جگہ ہمارے زمانہ کے لوگ مقولہ پیش شدہ کے ماخذ کی دریافت کی طرف توجہ کریں گے، اور بحالت ضرورت یہ کہنے کے لیے تیار ہو جائیں گے کہ جس قانون سے مقولہ مذکور کا تعلق ہے اس کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ مقامی رسم و رواج کو منسوخ کر دے، زمانہ قدیم کے مقننین غالباً اس سے زیادہ کہنے کی جرات نہ کرتے کہ یہ قاعدہ اس جگہ مستعمل نہیں ہو سکتا، یا زیادہ سے زیادہ مذہبی قانون کا کوئی اصول اسکی تردید میں پیش کرتے۔ اس اہم قانونی نزاع کے متعلق لوگوں کے غیر یقینی اور متزلزل خیالات کو پیش نظر رکھنا نہایت ضرور ہے۔ اس سے نہ صرف اس امر کی توضیح ہوتی ہے کہ مقننین کس طرح بادشاہت کے طرف دار ہو گئے، بلکہ اس سے مختلف عجیب تاریخی مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔ اور جن لوگوں نے قوانین کلیسا میں جعل کیے ہیں ان کا مقصد اور ان کی

72

غیر معمولی کامیابی کے وجہ سے پوری طور سے سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ اور اس سے ایک درجہ تک بریکٹن کے سرحد کی دریافت میں بھی مدد ملتی ہے، اگرچہ وہ کچھ زیادہ دلچسپ واقعہ نہیں ہے۔ ہنری سوم کے عہد میں ایک انگریز مصنف کا اہل ملک کے سامنے خالص انگریزی قانون کے خلاصہ کے نام سے ایسی تصنیف کا پیش کرنا جسکی شکل بکیتا، اور جسکے ایک تہائی سے زیادہ مضامین قانون روما سے اخذ کیے گئے ہوں، اور یہ عمل ایسے ملک میں کرنا جہاں کہ قانون مذکور کا باضابطہ طور سے پڑھنا ممنوع قرار پایا ہو، اصول قانون کی تاریخ میں ہمیشہ ایک مالاخیل معمار ہے گا۔ جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں منضبط قانون کی تعمیل واجب سمجھی جاتی تھی، اور اس پر مطلق توجہ نہیں ہوتی تھی کہ ان کا ماخذ کیا ہے، تو ہمارا تعجب ایک حد تک ضرور کم ہو جاتا ہے۔

جس وقت فرانس کے بادشاہوں نے اس کشمکش کو جو عرصہ دراز سے قوت اور اقتدار کے لئے جاری تھی کامیابی کے ساتھ ختم کیا، جس کا راز شاخ والیوں اینگلو می کی سخت نشینی سے سرسری طور سے شروع ہوتا ہے، قوت سے لے کر انقلاب کے زمانہ تک فرانس کے مقننین کی ایک مخصوص حالت رہی۔ یہ ایک طرف تو قوم کی سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور قوی جماعت تھی، جس نے امراء جاگیر کے پہلو پہ پہلو اپنی وقعت قائم کر لی تھی۔ انھوں نے اس وقعت کو ایک ایسے انتظام سے مضبوط کر لیا تھا جسکے ذریعہ سے انکے ہمیشہ تمام فرانس میں متحدہ جماعتوں کی شکل میں پھیلے ہوئے تھے، انکو معینہ وسیع اختیارات حاصل تھے اور وہ غیر معین اختیارات کا ادعا کرتے تھے۔ وکلاء، جج، اور مقننین کی حیثیت سے وہ دوسرے یورپین ممالک کے اپنے ہم چشموں سے بڑھے ہوئے تھے۔ انکا قانونی رکھ رکھاؤ، انکی طلاقت لسانی، انکا قطابق اور تناسب کا باریک احساس، (اور اگر ان کے مشاہیر سے انکا اندازہ کیا جائے) تو انکے تصور انصاف کا غلصانہ اتباع، ایسا ہی نمایاں تھا جس طرح ان اشخاص کی متضاد اور مختلف اقسام کی عقل و دانش، جو اس گروہ میں شامل تھے۔ اس اختلاف اقسام میں کو جاس اور مان لسی سے لیکر ڈی ایگو سیو اور ڈومولن تک آ جاتے ہیں۔

دوسری طرف، جس نظام قانونی کو وہ نافذ کرنے پر مامور تھے وہ انکے ان خیالات سے بالکل مخالف تھا جو ان کے دماغوں میں بے ہوئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جس فرانس کو انھوں نے اپنی کوششوں سے ایک بڑے درجہ تک قانونی ملک بنادیا تھا وہ یورپ کے دوسرے ممالک سے زیادہ تر ایک بے قرینہ اور بے یل اصول قانون کی بلا میں پھنس گیا تھا۔ تمام ملک میں ایک بڑی تفریق قائم تھی جس نے اسکو دو حصوں (Pays de Droit Ecrit) اور (Pays de Droit Coutumier) یعنی ”ممالک پابند قوانین منضبط“ اور ”ممالک پابند رسم و رواج“ میں تقسیم کر دیا تھا۔ فریق اول اپنے ”اصول قانون“ کی بنیاد اہل روم کے منضبط قانون کو تسلیم کرتا تھا، دوسرا فریق اسے صرف اسی حد تک تسلیم کرتا تھا کہ اس سے وہ عام الفاظ اور قانونی دلائل لے لیے جائیں جو مقامی رسم و رواج سے مطابقت ہوتے ہوں۔ یہ دونوں فریق بہت سے شعبوں میں منقسم تھے۔ ممالک پابند رسم و رواج میں ایک صوبہ دوسرے صوبہ اور ایک ملک دوسرے ملک اور ایک میونسپلٹی دوسری میونسپلٹی سے اپنے رسم و رواج کی نوعیت میں مختلف تھی۔ ممالک پابند قانون منضبط میں جاگیر قواعد (Feudal rules) کا بوجھ جو قانون روم کو دبائے دیتا تھا مختلف ترکیب کا تھا۔ اس قسم کی بے ترتیبی کبھی انگلستان میں نہیں ہوئی۔ جرمنی میں البتہ ایسا ہوا، مگر یہ بے ترتیبی ملک کی گہری سیاسی اور مذہبی تقسیم کے ساتھ اس قدر ملی جلی ہوئی تھی کہ اس کی شکایت تو درکنار اس کا احساس ہی مشکل تھا۔ یہ فرانس ہی کے لیے مخصوص تھا کہ باوجود پادشاہی مرکزی اقتدارات میں روز بروز قوت پیدا ہونے اور انتظامی بندوبست کی بے اور رعایا میں قومی روح آجانے کے بعد بھی قوانین میں استدر اختلاف بغیر کسی معقول تبدیلی کے قائم رہا۔ اس حالت سے اکثر اہم نتائج پیدا ہوئے اور ان میں وہ اثرات شریک ہیں جو فرانس کے متقنین کے خیال پر پڑے۔ انہی خیالی رائیں اور دماغی میلان، انکے قواعد اور پیشہ وری کے طرز عمل سے سخت مختلف اور متباہن تھے۔ باوجود اس امر کے پورے احساس اور تسلیم کر نیچے کہ ”اصول قانون“ کی تکمیل کے لئے سادگی اور یکسانی لازم ہے، وہ اسکا یقین کرتے یا اس

75

یقین کا اظہار کرتے تھے، کہ جو نقائص فی الحقیقت فرانس کے قانون میں موجود ہیں وہ ناقابل اصلاح ہیں؛ اور اسکی اصلاح کی جو کوشش کیجاتی تھیں اُن میں وہ اکثر اپنے کم تعلیم یافتہ ہم وطنوں سے زیادہ تر علما مانع اور مزاحم ہوتے تھے۔ مگر ان متضاد صورتوں کو ایک راستہ پر لانیکی ایک صورت خود بخود پیدا ہوگئی یعنی وہ لوگ شدت سے قانون فطرت کے طرفدار ہو گئے۔ قانون فطرت نے اگر صوبوں اور مینوسپلٹیوں کے حدود مٹا دیئے؛ اور امرا اور شہری اور شہری دہقانی کے فرق کو مٹا کر صراحت، سادگی، اور نظم و ترتیب کو اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا، بغیر اسکے کہ وہ اپنے طرف داروں پر کسی خاص ترقی کا بوجھ ڈالے، یا براہ راست کسی قابلِ عظمت یا سو مندرجہ ذیل دست اندازی کرے۔ پس قانون فطرت کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ فرانس کا عام قانون ہو گیا، یا یوں کہو کہ اسکی عظمت اور بڑھتی اس طرح مسلم ہوگئی کہ فرانس کے ہر کس کو یکساں طور پر اسے تسلیم کر لینا پڑا۔ فرانس کے انقلاب عظیم کے قبل کے معتنن قانون مذکور کی تعریف میں تہ زبان ہیں، اور یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ جن مصنفین نے رسم و رواج پر کچھ لکھا ہے، اور جو اکثر خالص قانون روم پر نکتہ چینی کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے، وہ قانون فطرت اور اسکے قواعد کے ان ملکی مجدد داروں سے بھی زیادہ ثنا خواں ہیں جو صرف خلاصہ جات اور مجموعہ قوانین کی وقت تسلیم کرتے تھے۔ ڈومولن نے جو فرانس کے قدیم قانون رسم و رواج پر لکھنے والوں میں سب سے افضل ہے قانون فطرت کی تعریف میں چند مبالغہ آمیز فقرے لکھے ہیں؛ اور یہ ثنا و صفت اُس انداز بیان سے کی گئی ہے جو روم کے معتنن کی احتیاط سے منزلوں دور ہے۔ قانون فطرت کے مفروضہ نے کوئی ایسی اصولی شکل نہ اختیار کی کہ اس سے عمل میں کوئی ہدایت حاصل ہو سکے۔ بلکہ وہ صرف ایک خیالی اعتقاد رہا؛ یہی وجہ ہے کہ جب زمانہ حال میں اُس نے پلٹا کہا یا تو اس کے عیوب اسکے طرفداروں کی نگاہ میں اس کے محاسن ہو گئے۔ اٹھارھویں صدی کے نصف اول گزرنے پر قانون فطرت کی تاریخ کے لیے ایک نازک وقت آگیا۔ اگر یہ اصول اور اسکے نتائج قانون پیشہ اصحاب کے معرض بحث میں رہتے تو ممکن تھا کہ انکی قدیم وقعت باقی نہ رہتی،

76

کیونکہ اس وقت کتاب (Esprit des Lois) تصنیف ہو چکی تھی۔ کتاب مذکور میں کسی قدر مبالغہ کے ساتھ اس سخت نفرت کے آثار نمایاں ہیں جو مصنف کے دل میں ان تمام مفروضات کی طرف سے جوش زن تھے جن کی عام طور سے تنقید نہیں کی جاتی؛ تاہم مبہم طور سے اسکا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ موجودہ تعصبات کے ساتھ مراعات کرنا چاہتا ہے۔ غرض کہ موشکی کی یہ کتاب باوجود ان تمام نقایص کے اس مورخانہ طریقہ پر مرتب ہوئی تھی جسکے مقابل میں قانون فطرت کبھی ایک لحظہ کے لیے بھی نہیں نہر سکا ہے۔ اس کتاب کا اثر دماغوں پر ایسا ہی ہونا چاہئے تھا جیسی کہ اسکی عام شہرت تھی، مگر حقیقت یہ ہے کہ اسے اسکا موقع ہی نہیں ملا؛ کیونکہ ایک دوسرا بالمقابل اصول جو اسکی تباہی کا باعث ہونے والا تھا دفعتاً پیدا ہو کر عدالت سے لیکر بازاروں تک شایع ہو گیا، اور ایک ایسی عظیم الشان بحث کا مرکز قرار پایا جو شاید ہی کبھی عدالتوں یا مدرسوں میں ہوئی ہو۔ وہ شخص جس نے اس اصول کو جدید راستہ پر ڈال دیا وہ ایک غیر معمولی آدمی تھا۔ وہ بغیر علم و ادب بلکہ کثیر اوصاف و بلا مستقل مزاجی کے محض اپنی تیزی فہم اور اپنے ہم جنسوں کی حقیقی اور پر جوش ہمدردی سے جسکی بنا پر اسکی تمام کمزوریاں قابل معافی ہیں، تاریخ میں اپنے ایسے آثار چھوڑ گیا ہے جو کبھی مٹنے والے نہیں ہیں۔ اپنے زمانہ میں کیا، بلکہ تمام تاریخ میں بجز دو ایک مثالوں کے کوئی ایسی مثال نہیں مل سکتی جس میں کسی تصنیف نے ہر قسم اور ہر فرقے کے لوگوں کے دل و دماغ پر اتنا اثر ڈالا ہو، جتنا ^{۱۷۸۹ء} سے ^{۱۷۹۲ء} تک روسو کی تصنیفات کا ہوا۔ یہ پہلی کوشش اس امر کی تھی کہ انسانی یقین کی وہ عمارت جسکو پہلی نے توڑنا شروع کر دیا تھا، اور جس میں ہمارے لاک بھی شریک تھے، اور جسکی انتہا والٹیر پر ہوئی از سر نو تعمیر کی جائے۔ اول تو ہر تعمیر کن تجویز کو ہر تباہ کن تجویز پر ترجیح ہوتی ہے، دوسرے اس تجویز کو اس بنا پر بھی بڑی قوت ملے ہوئی کہ وہ ایسے زمانہ میں پیش ہوئی جبکہ خیالی معاملات میں قدیم معلومات کی صحت کے متعلق عام طور سے بد اعتقاد پھیلی ہوئی تھی۔ روسو کے تمام تنبیہات کا مرکز ہمیشہ انسان ایک مفروضہ فطری حالت میں ہے، خواہ وہ تمدنی میثاق کے ایک رکن کی حیثیت سے انگریزی

لباس میں ظاہر ہو یا تمام تاریخی اوصاف سے معرا کر کے سامنے لایا جائے۔ ہر قانون یا آئین جو اس مفروضہ حالت میں اس خیالی شخص کے حالات کے مناسب حال نہ ہو اسکی نسبت یہ سمجھا جانا چاہئے کہ وہ کمال کے پایہ سے گر گیا اور ناقابل پسند ہے۔ اور تمدنی جماعت میں ہر ایسی تبدیلی جو اسکو اس عالم سے زیادہ تر مشابہ کر دے جس میں یہ فطری شخص رہتا تھا قابل پسند اور باوجود ظاہری نقصان کے جس طرح بن پڑے عمل میں لانیکی قابل ہے۔ یہ اصول صورت بدل جانے پر بھی متقنین روماء ہی کا اصول ہے، کیونکہ اس خیالی عالم میں جن لوگوں کی بود و باش فطری حالت میں فرض کی گئی ہے اسکی کوئی اور خصوصیت بجز سادگی اور تناسب کے جسکو متقنین پسند کرتے تھے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ اہل روماء کا اصول الٹ پلٹ ہو گیا اور بجائے قانون فطرت کے فطری حالت پیش نظر ہو گئی۔ رومیوں کا یہ خیال تھا کہ موجودہ آئین اور قوانین پر غور کر کے ایسے اجزا کا منتخب کر لینا ممکن ہے جن میں اسوقت اس زمانہ فطرت کی علامتیں اور آثار پائے جاتے ہیں، یا دانشمندانہ اصلاح کے بعد ان میں یہ اوصاف پیدا ہو سکتے ہیں جنکے وجود کے وہ ایک حد تک قابل تھے۔ روماء کا خیال یہ تھا کہ بلا مدد کسی اور شے کے صرف فطری حالت پر غور کر کے ایک ایسا کامل تمدن قائم ہو سکتا ہے جو دنیا کی موجودہ حقیقی حالت سے بالکل جدا اور مختلف ہو۔ ان دونوں خیالوں میں بڑا فرق یہ ہے کہ ایک نہایت سختی اور عمومیت کے ساتھ حالت موجودہ کو اس بنا پر ناپسند کرتا ہے کہ وہ قدیم خیالی حالت سے مشابہ نہیں ہے؛ دوسرا موجودہ حالت کو قدیم حالت کی طرح ضروری تصور کرتا ہے، اور نہ اس سے قطع تعلق کرتا ہے، اور نہ اسکو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ہمیں اسکی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ ہم کسی تفصیل کے ساتھ سیاسیات، فنون، تعلیم، اخلاق، اور تمدنی تعلقات کے اس فلسفہ کا تجزیہ کریں جسکی بنیاد فطری حالت پر قائم کی گئی ہے۔ ہر ملک کے سرسری خیال کرنے والوں کے لیے اب تک اس اصول میں ایک مخصوص دل کشی ہے، اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ درہل بھی رجحان دریافت کے تاریخی طریقہ کے استعمال میں مانع اور مزاحم رہا ہے۔ ہمارے زمانہ کے مشاہیر عقلا کا اسکو نہ ماننا ایک ایسی

باریک بات ہے کہ اس سے وہ لوگ بھی حیرت زدہ ہیں جو خیال کی غلطیوں کی سخت جانی اور دیر پائی سے بخوبی واقف ہیں۔ اس زمانہ میں جو سوال عام طور پر چچا جاتا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ ان راہوں کی وقت کیا ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جنکی بنا پر سو سال قبل انکو استبداد غفلت اور وقت حاصل ہوئی۔ اسکا جواب جہاننگ میں سمجھتا ہوں بہت صاف ہے۔ وہ تعلیم، جس سے سو سال قبل ان غلطیوں کی اصلاح ہو سکتی تھی جو محض قدامت قانون پر لحاظ کرنے کی وجہ سے ہوتی تھیں، وہ مذہبی تعلیم تھی۔ اور یونانی مذہب، اس زمانہ کے مذہبوں کے مطابق، خیالی افسانوں کا مجموعہ تھا۔ مشرقی مذاہب پر اگر کبھی توجہ بھی کی جاتی تھی تو وہ آفرینش عالم کے بیکار مباحث میں مبتلا نظر آتے تھے۔ قدیم کتابوں میں اگر کوئی کتاب پڑھنے کے قابل سمجھی جاتی تھی تو وہ یہودیوں کی قدیم تاریخ تھی، لیکن اسکے پڑھنے میں اس زمانہ کا تعصب مانع تھا۔ روسو اور والٹیر کا فلسفہ جن مختصر اور چند امور میں متفق تھا انھیں میں تمام مذہبی قدامتوں اور سب سے زیادہ یہودیوں کے مذہب کی بے وقعتی شریک تھی۔ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ اُس زمانہ کے دلیل کرنے والے یہ کہنا موجب فخر سمجھتے تھے کہ تو انین موسوی آسمانی قوانین نہ تھے، اور نہ اُس زمانہ میں مرتب ہوئے جس میں انکا مرتب ہونا بیان کیا جاتا ہے، بلکہ وہ اور نیز توریت کی اول پانچ کتابیں محض جعلی تھیں جو قید سے داپسی کے بعد تیار کر لی گئی تھیں۔ فرانس کے فلسفی اس مامن سے منہ پھیر کر جو انکو خیالی فریب سے محفوظ رکھ سکتا تھا، اس ڈر سے کہ کہیں پیشوایان مذہب کے توہمات کے جال میں نہ پھنس جائیں، مقننین کے توہمات میں سر کے بل جا کر رہے۔

۱۔ یہ سچ ہے کہ مشرقی مذاہب میں آفرینش عالم کے متعلق بعض ایسے مباحث بھی ہیں جن کا اسلوب بیان حقیقت سے زیادہ مجاز پر مبنی ہے، مگر بیشتر مباحث کے حقائق کی توثیق آجکل کی علمی تحقیق بھی کر رہی ہے، ایسی حالت میں ان سب کو "بیکار" کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

عمادی

ناظر مذہبی جامعہ عثمانیہ

اگرچہ اُس فلسفہ کی، جسکی بنیاد فطری حالت پر رکھی گئی تھی، ظاہری بدنامی کی وجہ سے قدیم وقت باقی نہیں رہی، مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس کے اندرونی اور باریک پہلوؤں کی شہرت، اقتدار، اور معقولیت میں بھی کوئی فرق آیا۔ یہ فلسفہ، جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، اسوقت تک مورخانہ طریقہ کا قوی حریف ہے۔ اور جب کبھی کوئی شخص (مذہبی اعتراضات سے قطع نظر کر کے) دریافت کے اس طریقہ سے اختلاف کرتا ہے، تو عام طور سے یہ پایا جاتا ہے کہ وہ ایک ایسے تعصب میں مبتلا ہے جسکا سلسلہ، اگر پتلا لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک جماعت یا ایک فرد کی فطری حالت پر جا کر ختم ہوتا ہے، جسکا پتہ تاریخ سے نہیں چلتا، مگر جسے اس نے دانستہ یا نادانستہ طور سے تسلیم کر لیا ہے۔ فطری حالت اور اسکے قوانین کی بقا کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ سیاسی اور تمدنی رجحان کے مؤید ہو گئے ہیں۔ انیسویں بعض رجحان ایسے ہیں جنکو انھوں نے ابھار دیا ہے، بعض ایسے ہیں جو انھوں نے خود پیدا کیے ہیں، اور بہت سے ایسے ہیں جنکی شکل اور صورت کو انھوں نے خدوخال سے سنوار دیا ہے۔ انکا بنی طور سے ان تمام خیالات میں اظہار ہوتا ہے جو متواتر فرانس سے نکل کر تمام مہذب دنیا میں پھیلتے رہتے ہیں، اور ان عام خیالات کے اجزا قرار پا جاتے ہیں جنکے ذریعہ سے دنیا کی تہذیب میں رد و بدل ہوتا رہتا ہے۔ انکا قوموں کی حالت پر جو اثر ہوتا ہے وہ منجملہ ان امور کے ہے جن پر ہمارے زمانہ میں نہایت گرمجوشی کے ساتھ بحث کی جاتی ہے، مگر یہ بحث ہماری کتاب کے مقاصد سے خارج ہے۔ اگر اس گزشتہ زمانہ پر نظر ڈالی جائے جس میں فطری حالت کے اصول نے انتہائی سیاسی قوت حاصل کر لی تھی، تو شاید بہت کم لوگ ایسے ملیں گے جو اس سے انکار کر سکیں کہ فرانس کے پہلے انقلاب میں جو سخت ناکامیاں ہوئیں اسکا باعث بڑی حد تک یہی امول تھا، اور وہی ان تمام دماغی نقائص کا قوی محرک یا پیدا کرنے والا ثابت ہوا، جن کی بنا پر قوانین موکدہ کی بے وقعتی، تجربات میں بے مبری، اور تمام دلائل کو چھوڑ کر صرف استقراء سے کام لینا بالکل عام ہو گیا تھا۔ یہ فلسفہ ایسے لوگوں میں اگر جنھوں نے مقابلہ دوسرے لوگوں کے زیادہ تر غور نہیں کیا اور نہ تجربات سے فائدہ اٹھایا،

صاف طور سے قدر اور عام بد نظمی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ یہ امر تعجب خیز ہے کہ کس قدر (Sophismes Anarchiques) غلط دلائل (بتائید انقلاب عظیم) جو دو مانٹ نے منتقم کے لیے شائع کیے، اور جو منتقم کے اس باب میں درج ہیں جو اس نے غلطیوں اور خصوصاً فرانسیسی غلطیوں کے اظہار کے لیے باندھا ہے، رومی مفروضات سے، جنہوں نے فرانس میں صورت بدل لی تھی، ماخوذ ہیں، اور وہ کبھی سمجھ میں نہیں آ سکتے جب تک مفروضات مذکور کی روشنی میں نہ دیکھے جائیں۔ اس بارہ میں مین انقلاب کے زمانہ میں مانیٹر (نام اخبار) سے طالب ہدایت ہونا بھی ایک عجیب عمل ہے۔ جوں جوں مطلع تاریک ہوتا جاتا تھا اسقدر قانون اور حالت فطرت کی طرف رجوع ہونے کی خواہش زیادہ ہوتی جاتی تھی۔

قانون فطرت کا جو اثر موجودہ تمدن پر ہے اسکے اظہار کے لیے ایک ایسی مثال موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکے اثرات کا ہنوز خاتمہ نہیں ہوا ہے۔ مجھے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی کہ قانون فطرت ہی کے ایک مفروضہ سے انسانی مساوات کا مسئلہ پیدا ہوا ہے۔ تمام انسان مساوی ہیں؛ منجملہ ان بہت سے قانونی مقولوں کے ہے جنہوں نے امتداد زمانہ سے ایک سیاسی صورت اختیار کر لی ہے۔ روما کے عہد اٹھنی کے مقتنین نے یہ مقولہ قائم کیا تھا کہ ”لہانا فطرت تمام انسان مساوی ہیں“ مگر انہی نظر میں یہ صرف ایک قانونی مقولہ تھا۔ اس سے انکا مقصد یہ تھا کہ فرضی قانون فطرت، اور مولکہ قوانین میں، جہاں تک کہ وہ قانون فطرت کے قریب ہوتے جاتے ہیں، وہ بے قاعدہ فرق جو روما کے ملکی قانون نے انسان کی مختلف جماعتوں میں قائم کیا تھا قانونی طور سے قابل تسلیم نہ ہوگا۔ یہ قاعدہ روما کے وکالت پیشہ لوگوں کے لیے بیک ضروری تھا، جنکے ذہن نشین یہ امر کرنا تھا کہ جس جگہ روما کے اصول قانون کی نسبت یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ وہ باطل قانون فطرت کے مطابق ہے وہاں روما کی عدالتوں کی نظر میں ملکی اور غیر ملکی، غلام اور آزاد، پدری اور مادری قرابتداروں میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ جن مقتنین نے اس

مقولہ کو اس طرح قائم کیا انکے خیال میں ہرگز یہ امر نہ تھا کہ وہ اس تمدنی انتظام کو درہم برہم کر دیں جسکے تحت میں ملکی قانون اپنی کامل بلند نظری حاصل نہ کر سکا تھا اور نہ بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ انھوں نے کبھی اسکا یقین کیا تھا کہ دنیا میں کوئی وقت بھی ایسا آئیگا جس میں انسانی تمدن کلیتاً فطرت کے مطابق ہو جائیگا۔ مگر جب انسانی مساوات کا مسئلہ زمانہ حال کے لباس میں ظاہر ہوتا ہے تو اسکے معنی بالکل بدل جاتے ہیں۔ رومی مقنین نے جو کچھ لکھا تھا وہ یہ تھا کہ ”تمام انسان مساوی ہیں“ اور اس سے انکا وہی مقصود تھا یہ خلاف اسکے زمانہ حال کے لوگ جو یہ لکھتے ہیں کہ تمام انسان مساوی ہیں اس سے انکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ”تمام انسانوں کو مساوی ہونا چاہیئے“ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل روم کا یہ مقصود خیال کہ قانون فطرت ملکی قانون کے پہلو بہ پہلو چلتا اور آہستہ آہستہ اسکو اپنے آپ میں جذب کرتا جاتا ہے، پیش نظر نہیں رہا تھا، یا ناقابل فہم ہو گیا تھا، اور اسکا نتیجہ یہ تھا کہ جو زیادہ سے زیادہ انسانی آئین اور قوانین کی ترقی کی ابتدا، اور ترکیب کا ایک بیان تھا اس سے ان سخت اور دوامی مظالم کا مفہوم پیدا کیا جانے لگا جنھیں نوع انسان برواشت کرتی جلی آئی تھی۔ جو دھوس صدی کے آغاز ہی میں انسان کے حق پیدائش کے متعلق زمانہ حال کے الفاظ نے مختلف صورت اور مختلف معنی اختیار کر لیے تھے، اگرچہ بظاہر اس سے مقصد یہ تھا کہ وہ ایسے مفہوم میں لیے جائیں جس میں الہین اور اس کے معاصرین نے نہیں استعمال کیا تھا۔ بادشاہ لونی اٹلی کے اُن مشہور احکام کی تمہید جو شاہی حکومت کے غلاموں کی آزادی کے متعلق جاری ہوئے تھے، اگر اہل روم سننے تو انکے کانوں کو عجیب معلوم ہوتی۔ تمہید مذکور اس طرح شروع ہوتی ہے ”چونکہ قانون فطرت کے مطابق یہ امر ضرور ہے کہ ہر شخص آزاد پیدا ہو، اور چونکہ بعض رسم و رواج کی بناء پر جو زمانہ قدیم سے ہمارے ملک میں رائج اور اب تک قائم ہیں ہماری رعایا میں سے (مکن ہے کہ اپنی پیشرو نسلوں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے) بہت سے لوگ حالت غلامی میں بسر کر رہے ہیں لہذا ہم وغیرہ وغیرہ“ یہ قانونی قاعدہ کانہیں، بلکہ ایک سیاسی اصول کا اظہار ہے

اور اسوقت سے انسانی مساوات کا مسئلہ فرانسیسی مقننین میں اسطرح شائع ہو گیا کہ گویا وہ ایک ایسی سیاسی صداقت ہے جو ان کے علوم و فنون میں مدتوں سے محفوظ چلی آتی ہے۔ فطری قانون کے دوسرے فرضی نتائج اور خود قانون فطرت کی طرح اس پر بھی بتدریج اور بہ آہستگی اتفاق ہونے لگا، مگر جب تک وہ قانون پیشہ گروہ سے نکل کر اٹھارھویں صدی کے ادیبوں اور انکے ہر عوام ان تک نہیں پہنچا اسکا اثر آرا اور نیز عمل پر بہت کم پڑا۔ ان لوگوں میں تم کو وہ نہ صرف انکے مشرب کا صریح اور صاف عقیدہ، بلکہ دوسرے تمام مشارب کا خلاصہ سمجھا جانے لگا۔ ۱۷۸۹ء کے واقعات پر بالآخر اسکا جو اثر پڑا غالباً اسکی وجہ صرف یہی نہ تھی کہ وہ فرانس میں شہرت حاصل کر چکا تھا، کیونکہ صدی مذکور کے وسط میں اسکا اثر امریکہ تک پہنچ گیا تھا۔ اس زمانہ کے امریکہ اور خصوصاً امریکا کے قانون پیشہ لوگوں کے پاس علم کا جو سرمایہ تھا وہ انگلستان کے معاصرین کے سرمایہ سے بالکل مختلف تھا، کیونکہ ان لوگوں نے اس میں بہت کچھ اضافہ کر لیا تھا، جو یورپ کے دوسرے ممالک کے علمی ذخیرہ سے لیا گیا ہو گا۔ جفرسن کی تصنیفات پر سرسری نظر ڈالنے سے اسکا پتہ چل سکتا ہے کہ اسکا دماغ کتنے ران نیم قانونی اور نیم عمومی آراء سے متاثر تھا جو فرانس میں رائج اور شائع تھیں۔ اور اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ فرانس کے مقننین کے مخصوص خیالات کے اتباع میں انھوں نے اور نیز دوسری نوآبادیوں کے مقننین نے جو امریکہ کے معاملات اور واقعات میں ہادی تھے اس فرانسسی مفروضہ کو کہ ”تمام انسان مساوات حیثیت پر پیدا ہوئے ہیں“ اس مفروضہ سے جو انگریزوں میں ان الفاظ میں زیادہ تر روشناس تھا کہ ”تمام انسان آزاد پیدا ہوتے ہیں“ باہم ملا دیا جسکا اظہار انکے اعلان آزادی کے ابتدائی فقرات میں کیا گیا ہے۔ یہ فقرات اس مسئلہ کی تاریخ میں جو اسوقت زیر بحث ہے نہایت اہم بالشان تھے۔ امریکہ کے مقننین نے انسان کی اصولی مساوات کے اہم مسئلہ پر زور دیکر نہ صرف اپنے ملک کے سیاسی تحریکات میں جان ڈال دی، بلکہ ایک حد تک انگلستان میں بھی اسکا اثر پڑا، جو ابھی تک زائل نہیں ہوا ہے۔ اسکی علاوہ

انھوں نے جو اصول فرانس سے لیا تھا اسکو پھر اسکے وطن فرانس میں زیادہ تر قوت اور مزید عام قبولیت کی قابلیت اور وقعت کے ساتھ واپس کر دیا۔ حتیٰ کہ پہلی آئینی مجلس کے اصحاب مقننین نے بھی اپمین کے مقولہ کا اعادہ کیا گویا کہ وہ انسان کے جذبات، اور اسکے آئین کے مطابق تھا۔ ۱۷۸۹ء کے تمام اصول میں صرف یہی ایک اصول ہے جو سخت اعتراضات کی بوچھاڑ سے بچا رہا۔ اور جس نے زمانہ حال کی آرائیں جوش پیدا کر دیا ہے، اور جس سے عامہ فلاح کی جماعتیں اور ملک کی سیاست میں ایک بڑے تغیر کی توقع کیجاتی ہے۔

قانون فطرت کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے زمانہ موجودہ کے بین الاقوامی قانون اور قوانین جنگ کی بنیاد ڈال دی، مگر اسکے نتائج کے ان اجزا سے ہم اسقدر تفصیل کے ساتھ بحث نہیں کر سکتے جسکے وہ مستحق ہیں اور اس لئے انکے سرسری ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

85

ان اصول موضوعہ میں سے جن پر قانون بین الاقوام کی بنیاد قائم ہے یا یوں کہو کہ ان میں سے جو اپنے بانیوں کی دی ہوئی صورت پر اب تک قائم ہیں، دو تین اصول نہایت ہمت بالشان ہیں۔ ان سب میں اول کا اظہار اس طرح کیا جاتا ہے کہ ایک قابل تعین قانون فطرت موجود ہے۔ گروٹس اور اس کے جانشینوں نے یہ مفروضہ براہ راست اہل روماسے اخذ کیا، مگر طریقہ تعین میں اہل روماسے مقننین سے اور خود باہم مختلف الرائے رہے۔ اشاعت علوم کی تجدید کے زمانہ کے بعد سے جو مصنف پیدا ہوئے انکی آرزو یہ رہی ہے کہ وہ فطرت اور اس کے قانون کی نئی اور قابل فہم تعریف کرنے پر قادر ہو سکیں۔ اس امر کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس تصور نے ملکی قوانین پر لکھنے والوں کے طویل سلسلہ کے ہاتھوں میں آکر اپنے گرد مختلف خیالات کے اجزا کا ایک ایسا ذخیرہ جمع کر لیا، جو تقریباً تمام ایسے اخلاقی مذاہب سے اخذ کیا گیا تھا جو ان جماعتوں میں یکے بعد دیگرے دائر و سائر ہوئے۔ اس تصور کی تاریخی نوعیت کا یہ قابل لحاظ ثبوت ہے، کہ فطری حالت کی خصوصیات پر نظر کر کے جو کوشش قانون فطرت مدون کرنے میں متعلق کی گئی، اسکا نتیجہ مطلق اس سے بہتر نہیں ہوا کہ انسان بغیر چھان بین کے

روما کے مقنین کے قائم کردہ اصول تسلیم کر کے مطمئن ہو جاتے۔ معاہدات اور تہ نامحات اقوام کے قانون سے قطع نظر کر کے، یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ قانون بین الاقوام کا کتنا بڑا حصہ خالص روما کا قانون ہے۔ مقنین نے جس اصول کا قانون مشترکہ اقوام (Jus gentium) کے مطابق ہونا بیان کیا، اسی اختیار اور انتخاب کر لینے کے لیے واضعان قانون نے کوئی نہ کوئی وجہ پیدا کر لی ہے، گو کہ صاف طور سے اسکے آثار پائے جاتے ہوں کہ وہ اصول رومیوں کے ساتھ مخصوص تھا۔ ہم کو یہ بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سب ماخوذہ اصول میں وہی تمام ضعف پایا جاتا ہے جو اسلی اور ابتدائی تصور میں موجود تھا۔ ان مصنفین میں سے اکثروں کا پر داز خیال ”مخلوط“ نظر آتا ہے۔ ان کی تصنیفات کو پڑھ کر یہ دریافت کرنا سخت دشوار ہے کہ آیا وہ قانون سے بحث کر رہے ہیں یا علم اخلاق سے، اور جو بین الاقوامی تعلقات وہ بیان کرتے ہیں وہ حقیقی ہیں یا خیالی، اور جو کچھ وہ بتاتے ہیں وہ اس وقت کی حالت ہے یا وہ حالت ہے جو ان کی رائے میں ہونی چاہئے۔

قانون بین الاقوام کی بنیاد جن مفروضات پر قائم ہے ان میں دوسرے درجہ پر یہ مفروضہ ہے کہ قانون فطرت باہمی طور سے مختلف سلطنتوں اور حکومتوں کے درمیان قابل پابندی ہے۔ اس اصول کے اعتراف اور اقرار کے آثار موجود علم قانون کی پیدائش کے وقت سے پائے جاتے ہیں، اور سرسری نظر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ براہ راست رومی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ ایک جماعت کی ملکی (Civil) اور فطری حالت میں اسی واقعہ سے تمیز کی جاتی ہے کہ مقدم الذکر میں ایک مخصوص واضع قانون ہوتا ہے اور موخر الذکر میں کوئی واضع قانون نہیں ہوتا۔ بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ جب چند افراد نے مل کر کسی پادشاہ یا سیاسی حکمران کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو انکو آخر کار لامحالہ قانون فطرت کے احکام کی پابندی کرنی پڑی۔ ریاستیں اور حکومتیں بھی اسی طرح کے افراد ہیں، ان کا خود مختاری کا مفروضہ مشترکہ واضع قانون کے تصور کے منافی ہے۔ اور مخصوص خیالات کے تسلسل سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ وہ سب فطرت کے

قدیم نظام کے تحت میں ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آزاد جماعتوں کی نسبت یہ سمجھا جائے کہ ان کے باہمی تعلقات کسی قانون کے بھی پابند نہیں ہیں، لیکن یہ غیر قانونی حالت بمنزلہ خلا کے ہے جسے مقنن کی طبیعت کسی طرح گوارا نہیں کر سکتی۔ اس امر کے باور کرنے کے لئے کافی وجہ موجود ہیں کہ اگر روما کا کوئی مقنن ایسی فضا کا تصور کرتا جس میں قانون کا مطلق وجود نہیں، تو وہ فوراً اس خلا کو احکام فطرت سے مملو تصور کرتا۔ مگر یہ فرض کر لینا صحیح نہ ہوگا کہ جو نتائج ہماری رائے میں بالکل مریخ اور یقینی معلوم ہوتے ہیں وہ فی الحقیقت کسی زمانہ میں مستنبط کیے گئے تھے۔ قانون روما کے بچے بجائے حصوں میں سے کوئی ایسا فقرہ آج تک نکال کر پیش نہیں کیا گیا ہے جس سے میری رائے میں یہ ثابت ہوتا ہو کہ مقننین کا یہ خیال تھا کہ خود مختار حکومتوں کے باہمی تعلقات میں قانون فطر لازمی طور سے قابل عمل تھا۔ جو کچھ نظر آتا ہے وہ یہی ہے کہ اہل روم نے جو اپنی شاہی سلطنت کی حدود کو تہذیب کے حدود سمجھتے تھے، اگر کبھی یہ خیال قائم کیا ہوگا کہ تمام سلطنتیں مساوی طور سے قانون فطرت کے ماتحت ہیں تو وہ ایک عجیب تصور کا انتہائی نتیجہ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کا قانون بین الاقوام جس کے قانون روما سے پیدا ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا، قانون روما کے ساتھ بے ترتیب اضافوں کی وجہ سے متعلق ہو گیا ہے۔ روما کے ”اصول قانون“ کے زمانہ حال کے ابتدائی شارحین نے ”قانون مشترکہ اقوام“ (Jusgentium) کے مفہوم کے سمجھنے میں غلطی کر کے بلا تامل یہ فرض کر لیا کہ اہل روما ان کے لئے مختلف سلطنتوں کے باہمی تعلقات کے انتظام کے واسطے ایک نظام قواعد چھوڑ گئے ہیں۔ اس ”قانون مشترکہ اقوام“ کو ابتداءً اپنے بہت سے مخالفین سے سخت مقابلہ کرنا پڑا، اور یورپ کی حالت عرصہ دراز تک ایسی رہی کہ اس کی عام قبولیت کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔ مگر رفتہ رفتہ مغرب دنیا نے اپنی حالت ایسی کر لی کہ وہ ملکی جملہ داریوں کا یہ اصول تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو گئی۔ زمانہ نے مخالف اصول کے اعتبار کو زائل کر دیا اور اٹالیا اور گروٹئیس نے ایک مبارک وقت میں باہم مل کر یورپ کو گرم جوشی کے ساتھ

اس کے قبول کرنے پر آمادہ کر دیا، جس کی تجدید و توثیق مختلف عظیم اشراف
 مواقع پر ہوتی رہی ہے۔ اس امر کے بیان کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ جو
 بزرگ اس کی کامیابی کے باعث ہوئے انھوں نے اس امر کی کوشش کی
 کہ وہ اس کو ایک بالکل جدید بنیاد پر قائم کریں۔ یہ بھی مسلم ہے کہ اس
 اگھاڑ پچھاڑ میں انھوں نے اس کی ترکیب میں بہت کچھ رد و بدل کیا،
 مگر نہ اس قدر جتنا کہ عام طور سے سمجھا جاتا ہے۔ اٹلنی کے عہد کے
 مقننین سے اس مسئلہ کو اخذ کر کے کہ "قانون مشترکہ اقوام" اور "قانون
 فطرت" ایک ہیں، گروہیں نے اپنے پیشروان سابق اور جانشینان مابعد کے
 ساتھ مل کر قانون فطرت کو اس قدر مقتدر بنا دیا جس کا دعوئے اسے
 کسی طرح نہیں ہوسکتا تھا، اگر اُس زمانے میں "قانون مشترکہ اقوام" کا
 مفہوم بید مبہم نہ ہوتا۔ انھوں نے بلا کسی استثناء کے یہ قرار دے دیا کہ
 سلطنتوں کے باہمی تعلقات کا قانون "قانون فطرت" ہے، اور اس طور
 سے بین الاقوامی نظام قانونی میں ان قواعد کے پیوند لگاتے رہے جنکی
 نسبت یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ وہ محض فطرت کے تصور پر غور کرنے سے
 پیدا ہوتے ہیں؛ یہ عمل تقریباً ہمارے زمانہ تک جاری رہا ہے۔ اس کا
 عملی نتیجہ نوع انسان کے لئے نہایت اہم تھا، اور اگرچہ زمانہ حال کی
 ابتدائی تاریخ اس نتیجہ سے ناواقف نہ تھی، تاہم وہ صاحبیت اور
 قومیت کے ساتھ اس وقت تک تسلیم نہیں کیا گیا جب تک گروہیں
 کے مشابہ کے اصول شائع اور رائج نہیں ہوئے۔ اگر اقوام کی سوسائٹی
 "قانون فطرت" کی تابع ہے تو ضرور ہے کہ وہ اجزا بھی جن سے وہ
 سوسائٹی مرکب ہے سب بالکل یکساں اور مساوی ہوں۔ فطرت کی
 حکومت میں تمام انسان مساوی ہیں اور اس لئے اگر بین الاقوامی حالت
 فطری حالت ہے تو تمام حکومتوں کو مساوی ہونا چاہئے۔ یہ مسئلہ کہ تمام
 آزاد قومیں خواہ وہ بلحاظ وسعت ملک اور قوت کے کیسی ہی مختلف
 کیوں نہ ہوں، قانون اقوام کی نظر میں مساوی ہیں، نوع انسانی کے لئے

ایک رحمت ثابت ہوا ہے؛ اگرچہ ہر آئندہ زمانہ کے سیاسی رجحان سے وہ معرض خطر میں رہتا ہے۔ اس مسئلہ کو کبھی یہ وقعت حاصل نہ ہو سکتی تھی اگر ان مصنفین نے جنہوں نے تجدید علم ادب (Revival of Letters) کے بعد نکھنا شروع کیا، قانون بین الاقوام کے اس دعوے کو فطرت کی قابل وقعت بنیاد پر نہ قائم کیا ہوتا۔

بہر حال یہ امر تعجب سے خالی نہیں، جیسا کہ میں قبل ازیں بیان کر چکا ہوں، کہ جو اضافے گروسیس کے زمانہ کے بعد سے قانون بین الاقوام میں ہوئے وہ بتقابلہ ان اجزاء کے جو رومیوں کے ”قانون مشترکہ اقوام“ کی قدیم بنیاد سے لئے گئے ہیں بہت قلیل ہیں۔ قومی حوصلہ مندی کا ہمیشہ تسخیر ممالک کی طرف میلان رہا ہے۔ اس تسخیر اور اس تسخیر کی بنا پر عام طور سے جو لڑائیاں ہوتی ہیں ان میں اعتدال پیدا کرنے کے لئے جو قواعد ہیں وہ قانون روما کے اس جز سے لئے گئے ہیں جس میں بروئے قانون ممالک (Jurigentium) حصول جائداد کے طریقوں سے بحث نہ کی گئی ہے۔ حصول جائداد کے یہ طریقے قدیم مقنین نے جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں ان روایات کے مشترکہ اجزاء سے اخذ کئے ہیں جو ان اقوام میں مشائخ تھے جو روما کے گرد و پیش آباد تھیں۔ یہ طریقے بلحاظ اپنے ماخذ کے ”قانون مشترکہ اقوام“ میں شریک کئے گئے تھے، بعد کے مصنفین نے ان کی سادگی کی وجہ سے انہیں فطری قانون کے حالیہ تصور سے مطابقت اور موافق پایا، اور اس طرح سے وہ زمانہ حال کے قانون اقوام میں داخل ہو گئے؛ ورنہ فی الحقیقت قانون بین الاقوام کے وہ اجزاء جو ممالک ان کی نوعیت، ان کے حدود، اور ان کے حصول اور تسخیر سے متعلق ہیں وہ خالص رومی قانون حصول جائداد کے قواعد ہیں، جن کے متعلق عہد آئینی کے مقنین کا یہ خیال تھا کہ وہ فطری حالت سے الگ نہ مناسبت رکھتے ہیں۔ قانون بین الاقوام کے ان ابواب کے قابل تعمیل ہونے کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ فرما روایان ملک میں

باہم وہی تعلقات ہوں جو روما کے ایک جماعت کے مالکان جائداد کے ارکان میں ہوتے تھے۔ یہ دوسرا اصول موضوعہ ہے جو مجموعہ قانون بین الاقوام کے دیباچے میں داخل ہے اور یہی وہ امر ہے جس پر زمانہ حال کی یورپ کی تاریخ کی ابتدائی صدیوں میں مشکل سے اتفاق ہوا ہوگا۔ یہ اصول دو اجزا سے مرکب ہے، اول یہ کہ ”فرمانروائی ممالک کے ساتھ مختص ہے“ یعنی ملکیت ہمیشہ دنیا کے ایک مخصوص حصہ پر ہوتی ہے اور فرمانروا باہم ایک دوسرے سے اعلیٰ نہیں متصور ہوتے بلکہ اپنے اپنے مقبوضہ ملک کے کامل مالک سمجھے جاتے ہیں۔

قانون بین الاقوام پر اکثر معاصر لکھنے والے اس کو یقین کیا تھا باور کرتے ہیں کہ ان کے نظام قانون کے وہ اصول جن کی بنیاد نصفت اور عام عقل پر قائم ہے ایسے ہیں کہ موجودہ زمانہ کی تہذیب کے ہر مرحلہ پر ممکن ہے کہ ناقص قرار دیئے جائیں۔ لیکن یہ خیال جس میں بین الاقوامی اصول کی بعض حقیقی کمزوریاں مضمر ہیں، جہاں تک کہ اس کا تعلق موجودہ تاریخ کے بڑے حصہ سے ہے، ناقابل قبول ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ رومیوں کا ”قانون مشترکہ اقوام“ قوموں کے معاملات میں بلا کسی اختلاف کے نافذ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کو ایک عرصہ دراز تک دوسرے مختلف بالمقابل اصول سے لڑنا جھگڑنا پڑا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ مقتدر اعلیٰ کا ملک پر کامل اختیار ہمیشہ تسلیم کیا جاتا تھا، کیونکہ سلطنت روما کے زوال کے بعد بھی لوگ ایسے خیالات کے زیر اثر تھے جو اس تصور کے مطابق نہ تھے۔ قدیم حالات اور وہ خیالات جو ان حالات پر مبنی تھے جب بدلے، اور نیا یورپ اور اس کے مطابق جدید خیالات کے ذرائع ہبیا ہوئے اس وقت قانون بین الاقوام کے یہ دو مخصوص مفروضات عام طور سے قابل قبول قرار پائے۔

یہ امر پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس زمانہ کے بڑے حصہ میں جسے ہم عام طور سے تاریخ جدید کے نام سے موسوم کرتے ہیں ”ملکی بادشاہت“

کا کوئی تصور نہ تھا۔ دنیا کے کسی جز یا حصہ کی حکومت شاہی تصور سے وابستہ نہ تھی۔ دنیا اتنی صدیوں تک شاہنشاہان روم کے زیر سایہ بسر کر چکی تھی کہ وہ ملک کے وسیع اقطاع کی اس تقسیم کو بالکل بھول گئی تھی جس نے ایک زمانہ میں ان ممالک میں مختلف ایسی خود مختار جمہوری حکومتیں قائم کر دی تھیں جو برونی مداخلت سے برائت اور قومی حقوق میں مساوات کی دعویٰ کرتھیں۔ وحشیوں کے ہنگامہ کے فرو ہو جانے کے بعد شاہی کا جو تصور عام طور سے رائج تھا اس کے دو پہلو تھے۔ اس کا ایک پہلو تو وہ تھا جو قبیلوں کی شاہی (Tribe Sovereignty) کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ فرانک 'برگنڈی' و 'ونڈال' 'لمبارڈ' اور 'وسگوٹھ' اس حصہ ملک کے مالک تھے جس میں وہ آباد تھے اور جن میں سے بعض ممالک انھیں کے نام سے مشہور ہیں، مگر ان کو برہنہ قبضہ ملک کسی حق کا دعوے نہ تھا، اور نہ اس کو وہ کوئی وقعت دیتے تھے۔ انھوں نے اپنی وہی روایتیں برقرار رکھیں جو وہ جنگلوں اور میدانوں سے لے کر آئے تھے، اور اپنے آپ کو اسی طرح ایک بزرگ خاندان کی متبع جماعت، اور خانہ بدوش لوگ سمجھتے تھے، جو چند روز اس سرزمین پر ٹھہرے ہوئے ہیں جو ان کو ذرائع زندگی مہیا کرتی ہے۔ اس زمانہ میں گال کا وہ حصہ جو کوہ الپس کے اس پار واقع تھا اور جرمنی کا ایک جز فی الحقیقت فرانک سے آباد تھا، اور اسی کا نام فرانس ہوا، مگر کلوس کی نسل کے مروجہ سرحد (Merovingian) فرانس کے بادشاہ نہیں، بلکہ فرانک کے بادشاہ تھے۔ ملکی لحاظ سے خطاب معدوم نہ تھا، اس کا آغاز اس طرح ہونا ظاہر ہوتا ہے کہ ایک قبیلہ کی مقبوضہ زمین کے ایک حصہ کے فرماں روا کو آسانی کی غرض سے وہاں کا بادشاہ کہنے لگے، لیکن کل قبیلہ کا بادشاہ اپنی مایا کا بادشاہ تھا نہ کہ اپنی رعایا کے حدود اراضی کا۔ شاہی کے اس عجیب تصور کا دوسرا پہلو ایک عام اور عالمگیر حکومت تھی، جو پیش نظر رکھنے کے قابل ہے جب کوئی بادشاہ اپنے قبیلہ کی شاہی سے دست بردار ہو کر اپنے کسی مقصد کے لحاظ سے ہمد شاہی اختیار کرنا چاہتا تھا تو انتخاب اور اختیار کرنے

کے لئے اس کے سامنے شاہنشاہانِ روما کی مثال موجود ہوتی تھی۔ ایک عام
 مثل کے معنی بدل کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ یا تو قیصر ہو جاتا تھا یا لائشے نعمض؛
 یعنی یا تو وہ روما کے شاہنشاہ کے تمام حقوق کا دعویدار ہو جاتا تھا یا اس
 کی کوئی سیاسی حیثیت باقی نہیں رہتی تھی۔ خود ہمارے زمانہ میں یہ ہو رہا
 ہے کہ جب کوئی جدید شاہی خاندان معزول شدہ شاہی خاندان کے
 میز خطاب کو مٹا دینا چاہتا ہے تو وہ بجائے ملک کے قوم کی طرف اپنے آپ کو
 منسوب کرتا ہے۔ اسی بنا پر ہم اس میں بھی فرانسیسیوں کے بادشاہ اور شاہنشاہ
 اور بلجیم میں بلجیموں کے بادشاہ دیکھتے ہیں۔ جس زمانہ سے ہم اس وقت بحث
 کر رہے ہیں اس میں انہیں حالات میں ایک دوسری شکل پیش آتی تھی۔ جو بادشاہ
 اپنے آپ کو اپنے قبیلہ یا قوم کا بادشاہ کہلانا نہیں چاہتا تھا، اس کے لئے
 لازم تھا کہ وہ تمام عالم کی شاہنشاہی کا دعوے کرے۔ اس طور سے جب محل شاہی
 کے موروثی عہدہ داران بادشاہوں سے نباہ نہ کر سکے، جنہیں عہدہ ہوا تھا کہ
 انھوں نے بے دست و پا کر دیا تھا وہ بہت جلد محض شاہانِ فرانک کے خطاب
 سے اکتا گئے۔ اس وجہ سے کہ معزول شدہ بادشاہوں کا بھی وہی خطاب
 تھا، مگر ساتھ ہی اس کے اپنے آپ کو شاہانِ فرانس بھی کہلانا نہیں چاہتے
 تھے، اگرچہ یہ کوئی جدید خطاب نہ تھا، مگر معزز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے
 وہ عالمگیر حکومت کا دعوے کرنے لگے۔ ان کے مقاصد کے سمجھنے میں بڑی
 غلط فہمیاں ہوتی ہیں۔ زمانہ حال کے فرانسیسی مصنفین نے یہ امر تسلیم کر لیا ہے
 کہ شارلیمین اپنے مقاصد کی نوعیت اور ان کی تعمیل کی جدوجہد میں اپنے
 زمانہ سے بہت آگے بڑھا ہوا تھا۔ خواہ یہ امر صحیح ہو یا غلط کہ کوئی شخص کثرت
 بھی اپنے زمانہ سے آگے بڑھ سکتا ہے یا نہیں۔ آنا ضرور مسلم ہے کہ شارلیمین
 غیر محدود حکومت کے دعوے میں وہی ایک طریقہ اختیار کر رہا تھا جو اس کے
 زمانہ کے خیالات کی نوعیت کے لحاظ سے اس کے لئے ممکن تھا۔ اس کی
 بلند خیالی کے متعلق کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں ہے، مگر اس کا ثبوت
 اس کے افعال سے ملتا ہے نہ کہ اس کے اصول سے۔

بادشاہت کی عمومیت کا خیالی تعلق شاہی تخت کے ساتھ ایک دوسرے درجہ تک قائم رہا، اور جب تک کہ جرمنی حکومت قائم رہی یہ دونوں خیالات قطعی طور سے ایک دوسرے سے جدا نہ ہو سکے۔ ملکی بادشاہت، یعنی وہ تصور جو بادشاہت کو ایک محدود قطع ارضی کے قبضہ کے ساتھ وابستہ کرتا ہے، نظام جاگیر داری (Feudalism) کے خیال کی ایک شاخ ہے، اگرچہ اس کا نشوونما بہت دیر میں ہوا۔ واقعات کے لحاظ سے اسی نتیجہ کی امید بھی کی جاسکتی تھی، کیونکہ یہ جاگیر داری ہی تھی جس نے ارضی کی ملکیت کے ساتھ پہلی مرتبہ ذاتی فرائض اور بطور نتیجہ ذاتی حقوق کو وابستہ کر دیا۔ اس کی ابتدا اور اس کی قانونی نوعیت کے متعلق خواہ کوئی رائے صحیح ہو، مگر جاگیری نظام کی روشن تصویر آنکھوں کے سامنے لانے کے لئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی کہ پہلے اس کی بنیاد پر نظر ڈالی جائے، یعنی کاشتکار کے اس تعلق پر غور کیا جائے، جو اسے اس قطع ارضی سے ہوتا ہے جو اس کے خدمات کو پیدا اور محدود کرنے کا باعث ہوتا ہے، اور بعد وہی تعلق اس کے ان بالائی درجوں کو ملے کرتا ہوا، جو ایک دوسرے سے تنگ تر ہوتے جاتے ہیں، نظام مذکور کی تقریباً چوٹی تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ دریافت کرنا کہ زمانہ تاریک کے آخر حصہ میں اس چوٹی کا خاص مقام کہاں تھا دشواری سے خالی نہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن مقامات میں قبائلی حکمرانی کا تصور زائل ہو گیا تھا، وہاں سب سے اعلیٰ تر مرتبہ مفروضہ مغربی قیصروں کے جانشینوں کو دیا جاتا تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جبکہ حقیقی شاہی اختیارات کا دائرہ بید تنگ ہو گیا، اور شاہنشاہان رومانے اپنی بچی بچائی قوت کو جرمنی اور شمالی اطالیہ میں سمیٹ کر جمع کر لیا، تو کارلووینی سلطنت کے بڑے بڑے جاگیر داروں کو جو ملک کے دور و دراز حصوں میں موجود تھے، یہ محسوس ہونے لگا کہ فی الحقیقت ان پر کوئی حکمراں باقی نہیں رہا۔ رفتہ رفتہ وہ اس جدید حالت کے عادی ہونے لگے، اور اس آزادی نے آخر کار ماتحتی کا خیال ان کے دل سے بالکل نکال دیا۔ لیکن ایسے آثار اب بھی

پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تبدیلی آسانی نہیں ہوئی تھی۔ اس خیال کا پرتو کہ نظام عالم میں حکومت کا ایک انتہائی نقطہ کسی جگہ ہونا نظری طور سے لازم ہے، اس روز افزوں رجحان میں پایا جاتا تھا جو رومی کلیسا کو دنیوی اقتدار دینے کی طرف تھا۔ رائے کی اس کمال تبدیلی میں پہلی منزل وہ تھی جس میں کیسپ بینی خاندان نے فرانس میں عروج حاصل کیا۔ قبل اس کے کہ یہ زمانہ شروع ہوا، ان بڑے بڑے جاگیرداروں نے جن میں کارلو وینچی سلطنت ٹوٹ کر منقسم ہو گئی تھی، بجائے دیوک اور کاؤنٹ کے اپنے آپ کو پادشاہ کہلانا شروع کیا۔ لیکن اہم تبدیلی اس وقت واقع ہوئی جبکہ ان جاگیری امرا نے جو پیرس کے گرد و نواح میں ایک محدود حصہ ملک پر قابض تھے، وہاں کے قدیم خاندان کا خطاب "شاہان قوم فرانسیسی" منسوب کر لیا۔ ہیوز بیکسٹ اور اس کی اولاد بالکل ایک جدید معنی میں پادشاہ تھی، ان کو ملک فرانس سے وہی تعلق تھا جو ایک "بیرن" کو اپنی ریاست اور کا شتھار کو اپنی ارانسی سے ہوتا تھا۔ اگرچہ ان بادشاہوں کا قدیم قبیلہ کا خطاب حکمران خاندان کے سرکاری لاطینی القابوں میں ایک عرصہ دراز تک قائم رہا مگر فرانسیسی زبان میں آکر بہت جلد "شاہان فرانس" ہو گیا۔ فرانس کی اس قسم کی شاہی کا ان تبدیلیوں پر بین الاقوامی اثر پڑا جو دوسرے ممالک میں اسی مقصد کے لئے ہو رہی تھیں۔ ہمارے انجکلو سیسن شاہی خاندانوں کی بادشاہت قبیلہ کی سرداری اور ملکی حکومت کے بین بین تھی؛ مگر نارمن بادشاہوں کی حکومت بہ اتباع فرانس صریح طور سے ملکی حکومت تھی۔ اس کے بعد جو حکومتیں قائم یا منضبط ہوئیں وہ سب موخر الذکر نمونہ پر تھیں۔ اسپین نیپلس اور تمام وہ ریاستیں جو اطالیہ کی ملکی آزادی (Municipal Freedom) کے زائل ہونیکے بعد قائم ہوئیں سب ایسے فرماں رواؤں کے تحت ہیں جن کی حکومت ملکی حکومت تھی۔ وینیشیا کے باشندوں کے خیالات میں جو رفتہ رفتہ تبدیلی ہوئی وہ بھی منجملہ دنیا کی عجیب چیزوں کے ہے۔ ممالک غیر کی فتح کے وقت اس جمہوری سلطنت کا یہ خیال تھا کہ وہ اہل روما کی جمہوریت سے بالکل علیحدہ

اور چند مقبوضہ ممالک پر حکمران ہے؛ مگر ایک صدی گزر جانے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مستند (Corporate) بادشاہ منوانا چاہتی ہے اور اپنے مقبوضات اٹلی اور بحر اسیین پر ان حقوق کی دعویٰ رہے جو ایک جاگیرى نظام کے اعلیٰ حکمران کو حاصل ہوتے ہیں۔

جس زمانہ میں بادشاہت کے متعلق عام خیالات میں اس قدر عظیم تبدیلیاں ہو رہی تھیں، وہ نظام جو زمانہ حال کے قانون بین الاقوام کے نظام کا قائم مقام تھا صورت مختلف اور ان اصول سے جن سے اس کو مدد ملتی تھی غیر مطابق تھا۔ یورپ کے جو ممالک رومانی جرمنی حکومت کے ماتحت تھے، ان کے باہمی تعلقات کا تعین ایک پیچیدہ اور ناقص ذریعہ یعنی شاہی آئین (Imperial constitution) سے کیا جاتا تھا اور اگرچہ ہم کو یہ سن کر تعجب ہو، مگر جرمنی کے مفننین کا یہ عام خیال تھا کہ جمہوری ریاستوں کے باہمی تعلقات کا تعین، خواہ وہ ریاستیں ملک کے اندر واقع ہوں یا باہر، قانون مشترکہ اقوام سے نہیں، بلکہ خالص رومی قانون سے ہونا چاہئے جس کا مرکز اس وقت بھی قیصر ہے۔ قرب و جوار کے ممالک میں اس اصول کی ایسی تردید اور مخالفت نہیں ہوتی جس کی پہلے سے یقینی امید کی جاسکتی تھی؛ لیکن باقی یورپ میں جاگیرى ماتحتی (Feudal

subordination) کا اصول "قانون عام" (Public Law) کے قائم مقام تھا اور جب یہ قواعد غیر متعین یا مبہم پائے جاتے تھے تو کم از کم اصولاً ان پر عمل کرانے کے لئے ایک ایسی منتظم قوت موجود تھی جس کا اطلاق کلیہ کے اعلیٰ عہدہ دار سے تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ پندرھویں، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ چودھویں صدی میں بھی جاگیرى اور کلیسائی دونوں اثرات نہایت تیزی کے ساتھ مٹ رہے تھے اور اگر ہم اس زمانہ کی لڑائیوں کے اعداد اور سلطنتوں کے باہم حلیف بننے کے مقاصد پر عمیق نظر ڈالیں تو یہ معلوم ہوگا کہ قدیم اصول کے فنا ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اصول جن کو بعدہ ایالا اور گروئیس نے مرتب اور مہذب کیا تھا آہستہ آہستہ خاموشی

مگر مضبوطی کے ساتھ قدم آگے بڑھا رہے تھے۔ اس وقت اس امر کا فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ آیا اقتدار کے یہ تمام ذرائع مل ملا کر بالآخر بین الاقوامی تعلقات کا ایک نظام قائم کر سکتے تھے، اور آیا اس نظام کی نوعیت گرومیس کے نظام سے اہم امور میں مختلف ہوتی یا نہیں، مگر یہ امر یقینی ہے کہ اصلاح (Reformation) نے بجز ایک کے، اور باقی تمام امکانی اجزاء کا خاتمہ کر دیا۔ اس اصلاح کا آغاز جرمنی سے ہوا۔ اس نے فرماں روا یا ن ملک کو اس طرح ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا کہ ایک بادشاہ کی ماتحتی اور اسکی غیر جانبداری بھی ان کو باہم متفق نہ کر سکتی تھی۔ بادشاہ کو کلیسا کی طرفداری میں مصلحین کے مقابلہ میں آنا پڑا، پوپ کو بھی یہی دشواری پیش آئی، اور اس طور سے اقتدار کے وہ دوسرے بچن کا کام تھا کہ وہ متحاصمین میں صلح کر اویں خود قوم کے اس مذہبی اختلاف میں ایک فریق کے شریک ہو گئے تھے۔ جاگیر نظام جو پہلے ہی سے کمزور اور ریاستوں کے باہمی تعلقات کے معاملہ میں بیکار ثابت ہو چکا تھا ایسا مضبوط اور قوی نہ تھا کہ وہ مذہبی طرفداریوں پر غالب آسکے۔ قانون عام (Public Law) کی اس انتشاری اور غیر منظم حالت میں جو کچھ باقی اور قائم رہ گیا تھا وہ نظام سلطنت کی وہی آرائشیں جن کی نسبت یہ فرض کیا جاتا تھا کہ ان کو رواد کے مقتنین نے پسند کیا تھا۔ ان آرائشوں کے گرومیس کے ہاتھ میں آکر جو شکل، تناسب، اور امتیاز حاصل کیا اس سے ہر تعلیم یافتہ شخص واقف ہے۔ اس کی کتاب ”ڈی جو ربل ایٹ پیس“ کے متعلق جو سب سے زیادہ تعجب انگیز امر ہے کہ وہ اس کی سرے، کامل اور عام کامیابی ہے۔ سی سالہ جنگ کے وہ خوف ناک واقعات اور وہ نفرت اور رحم انگیز خیالات جو سپاہیوں کے بے روک ٹوک مظالم کو دیکھ کر پیدا ہوئے تھے، ایک حد تک نہ کہ کلیتہً، اس کامیابی کے مؤید قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ اگر اس زمانہ کے خیالات بر تھوٹا سا بھی غور کیا جائے تو اس امر کے باور کرنے میں کوئی دقت نہیں پیش آسکتی کہ گرومیس نے جس بین الاقوامی عمارت کا سطحی نقشہ اپنی بڑی کتاب میں کھینچا ہے اگر وہ اصولی طور سے کامل نہ ہوتا تو اس کو نہ مقتنین

قبول کرتے اور نہ ملکی اور فوجی عہدہ دار اس کی طرف متوجہ ہوتے۔ یہ امر محتاج بیان نہیں بلکہ گروٹس کے نظام کی خیالی تکمیل کا گہرا تعلق اس ملکی بادشاہت کے تصور کے ساتھ ہے جس کی نسبت ہم قبل ازیں بحث کر چکے ہیں۔ قانون بین الاقوام میں اصولاً یہ فرض کیا جاتا ہے کہ ریاستیں اپنے باہمی تعلقات کے لحاظ سے ایک فطری حالت میں ہیں، لیکن فطری سوسائٹی کے ان اجزاء کو جن سے وہ مرکب ہے اصول مفروضہ کے لحاظ سے علیحدہ اور بجائے خود ایک دوسرے سے آزاد رہنا چاہئے۔ اگر کوئی اعلیٰ قوت ایسی ہے جو برہنائے دعوے غلبہ خواہ وہ کیسا ہی خفیف اور شاذ کیوں نہ ہو، ان سب کو طاقی اور مشترک کرتی ہے تو یہ مشترکہ حکومت کا دعوے ہی قانون موکرہ (Positive Law) کا تصور پیدا کر دیتا ہے، اور قانون فطرت کا خیال مطلقاً باطل ہو جاتا ہے۔ اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر محض اصول کی غرض سے بھی کوئی مشترکہ اور عالمگیر شاہی اقتدار تسلیم کر لیا جاتا تو گروٹس کی تمام محنت بیکار ثابت ہوتی۔ یہی ایک ایسا امر نہیں ہے جس میں زمانہ حال کا عام قانون اور بادشاہی کے متعلق وہ رائیں جن کا ارتقا بیان کرنے کی میں نے کوشش کی ہے، باہم متفق ہو جاتے ہیں۔ میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ اصول قانون بین الاقوام کے باب کے باب ایسے ہیں جو قانون روم کے قانون جائداد پر مبنی ہیں۔ اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر بادشاہی کے اندازہ میں وہ تمام تبدیلیاں نہ ہوں جن کو میں نے بیان کیا ہے اور بادشاہی کا تصور دنیا کے ایک محدود حصہ کی ملکیت سے نہ مخلوط ہو جاتا یا یوں کہو کہ وہ ملکی نہ ہو گیا ہوتا تو گروٹس کے دو تہائی اصول ناقابل استعمال قرار پاتے۔

فصل پنجم

ابتدائی تمدن اور قدیم قانون

اصول قانون کے مضمون پر بطور ایک فن کے بحث کرنے کی ضرورت سے زمانہ حال میں کبھی چشم پوشی نہیں کی گئی ہے۔ اس ضرورت کو محسوس کر کے جو مضامین لکھے گئے وہ مختلف دماغوں کے غور و فکر کے نتائج ہیں، گر شاید یہ کہنا زیادہ بعید از قیاس نہ ہو کہ جو کچھ اس وقت تک فن کے قائم مقام سمجھا جاتا تھا اس کا بڑا جزو قیاسات کے ایک مجموعہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا، اور یہ متقنین روما کے وہی قیاسات تھے جن سے ہم گزشتہ دو فصلوں میں بحث کر آئے ہیں۔ فطری حالت کے متعلق جو قیاسی اصول ٹھیرے تھے اور ان کی متابعت میں جو نظام قائم کیا گیا تھا، وہ اپنے موجدوں کے وقت سے لے کر ہمارے زمانہ تک تقریباً متواتر اور صریح بیانات کے ذریعہ سے تسلیم ہوتا چلا آیا ہے۔ ان کا وجود ان شارحین کی شرحوں میں پایا جاتا ہے جو زمانہ حال کے اصول قانون کے باقی ہیں۔ جو اہل علم متقنین ان کے بعد ہوئے ان کی تصنیفات میں بھی ان کا پتہ ملتا ہے، اور مذہبی پیشواؤں کے اصول بھی ان سے نمالی نہیں نظر آتے۔ جو ذی علم ملکی عہدہ دار قدیم علم ادب

کی تجدید کے بعد پیدا ہوئے انہوں نے ان اصول کو اور زیادہ چمکادیا۔ گروہیں اور اس کے جانشینوں نے بجائے ان کی چمک دمک اور معقولیت میں مزید اضافہ کرنے کے ان کے فوائد اور اہمیت کو بہت بڑھا دیا۔ اگر کوئی شخص ان کو پڑھنا چاہتا ہے تو وہ ہمارے بلیک اسٹون کی ابتدائی فصلوں میں جو لفظاً لفظاً برلانیسی سے اخذ کئے گئے ہیں دیکھ سکتا ہے۔ اس زمانہ میں جو مجموعے طلبہ یا وکلاء کی ہدایت کے لئے لکھے جاتے ہیں جب ان میں قانون کے ابتدائی اصول سے بحث کی جاتی ہے تو ان میں سوائے اہل روم کے مفروضات کے اعادہ کے اور کچھ نہیں پایا جاتا۔ بعض اوقات یہ مفروضات ایک جدید لباس اور مقامی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں کس قدر آسانی اور سرعت کے ساتھ انسانی خیالات میں تنگن ہو جانے کا مادہ ہے۔ لاک کا یہ اصول بھی کہ ”قانون کی ابتدا تمدنی تیشاق سے ہوئی“ اس کے رومی ماخذ کو نہیں چھپا سکتا، وہ صرف ایک لباس ہے جس کے ذریعہ سے قدیم اصول زمانہ حال کے بعض گروہ کی نظر میں زیادہ تر خوشنما کر کے دکھایا گیا ہے۔ البتہ ہابس نے اس بارہ میں جو اصول قائم کیا اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ رومیوں اور ان کے متبعین کے قانون فطرت کی حقیقت کو باطل کر دے۔ یہ دو اصول جنہوں نے انگلستان کے غور اور فکر کرنے والے مدبروں کو ایک عرصہ دراز تک دو فرقوں میں منقسم رکھا، اصل مفروضہ کے لحاظ سے بالکل ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ دونوں نوع انسانی کی ایک ایسی حالت فرض کرتے ہیں جس کا پتہ نہ تاریخ سے چلتا ہے اور نہ اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ ان اصول کے موجب تمدن کے قبل کی حالت کی خصوصیات، اور اس غیر معمولی عمل کی نوعیت کے متعلق جس کے ذریعہ سے انسان ترقی کر کے اس تمدنی حالت میں آیا جو ہمارے احاطہ علم میں ہے، باہم مختلف تھے۔ مگر اس خیال میں متفق تھے کہ انسان کی ابتدائی اور تمدنی حالت میں ایک سخت تاریک وادی مائل ہے؛ اور یہ خیال دانستہ خواہ نادانستہ یقیناً رومیوں سے لیا گیا تھا۔ اگر قانون کے مضمون پر

اسی طرح نظر ڈالی جائے جس طرح یہ بنیادیں اصول ڈالتے ہیں؛ (یعنی وہ ایک وسیع مرکب قرار دیا جائے) تو دماغ کا اس گتھی کو سلجھانے کے کام سے بچنے کے لئے جو اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، کسی ایسے معقول مفروضہ کو تسلیم کر لینا جس کی مناسب تعبیر سے یہ عقدہ حل ہو جاتا ہو، یا بعض اوقات اس کے حل سے مایوس ہو کر قطعاً اس صحت سے دست کش ہو جانا، کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

اصول قانون کے متعلق ان آراء سے جو رومی رائے کی طرح خیالی ہیں دو مشہور آراء کو مستثنیٰ کرنے کی ضرورت ہے۔ پہلے وہ رائے ہے جو مائٹسکی (Montesquieu) کے ممتاز نام سے منسوب ہے۔ اگرچہ اسپرٹ ڈی لوی (Esprit des Lois) کے ابتدائی حصہ میں بعض مبہم فقرات پائے جاتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف یہ نہیں چاہتا کہ مسلک اصول سے علمانی طور سے مخالفت کرے، مگر کتاب کا عام رجحان یہی بتا رہا ہے کہ اس مضمون کے متعلق اس کے خیالات ان خیالات سے بالکل مختلف ہیں جو اس وقت تک عام طور سے شائع تھے۔ یہ امر خاص طور سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ، اپنے مختلف تشکیلات کے کو صیح دائرہ ہیں، جن کو اس نے مختلف مفروضات اصولی قوانین سے اخذ کیا ہے، ایسے مراسم اور دستور خاص طور سے نمایاں کر سکے دکھاتا ہے جو اپنی ناہمواری، غیر مانوسیت اور بیہودگی سے مہذب پڑھنے والے کو تعجب میں ڈال دیتے ہیں۔ اور اس سے یہ نتیجہ بار بار پیش نظر ہو جاتا ہے کہ موسم، مقام، وقوع، اتفاق یا قریب (یعنی ایسے اسباب کے نتائج جو ان اسباب کے علاوہ ہیں جو ایک درجہ تک مسلسل اور متواتر عمل کرتے رہتے ہیں) دراصل واضعاً قانون ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مائٹسکی انسان کی فطرت کو بیحد لوح دار سمجھتا ہے، اور جو اثرات اس پر باہر سے پڑتے ہیں انھیں پوری طور سے دلتش اور قبول کر لیتا، اور ان پر کاربند ہو جاتا ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں وہ غلطی واقع ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کے مجوزہ نظام پر نظام کا اطلاق نہیں

ہو سکتا۔ وہ انسانی فطرت کی استقامت کو اس قدر وقعت نہیں دیتا جس کی وہ مستحق ہے اور نہ قوم کے ان اوصاف کی طرف توجہ کرتا ہے جو اپنے پیشروں سے وراثت میں ملتے ہیں اور جن کو قوم تھوڑے سے تغیر کے ساتھ اپنے جانشینوں کے لئے چھوڑ جاتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ تمدنی حالت اور اس لئے اوس کے قوانین کی اس وقت تک کامل صراحت نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان تبدیلی پیدا کرنے والے اسباب کا لحاظ نہ کیا جائے جن کا ذکر ”اسپرٹ ڈی لوی“ میں ہوا ہے لیکن ان کی تعداد اور ان کی قوت کے متعلق جو رائے مان سکی نے قائم کی وہ افراط سے خالی نہیں۔ بہت سے ایسے بے قاعدہ امور (Anomalies) کے متعلق جنہیں وہ بار بار پیش کرتا ہے، یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ غلط اطلاع یا غیر صحیح تعبیر پر مبنی ہیں اور اس کے بعد جو کچھ باقی رہ جاتے ہیں ان میں سے اکثر انسان کی فطرت کے تغیر سے زیادہ اس کی استقامت کو ثابت کرنے والے ہیں کیونکہ وہ قوم کے ان قدیم حالات کی یادگار ہیں جو نہایت سختی کے ساتھ ان اثرات کا مقابلہ کرتے رہے ہیں جو دوسرے مقامات میں موثر ثابت ہو چکے ہیں۔ حق یہ ہے کہ انسان کی دماغی، اخلاقی، اور جسمانی ترکیب کا قائم رہنے والا جزو ہی اس کا جزو اعظم ہے، اور جو مقابلہ وہ تغیرات کی قبولیت سے کرتا ہے وہ ایسا ہے کہ اگرچہ دنیا کے بعض حصوں میں انسانی تمدن کے تغیرات نمایاں طور سے نظر آتے ہیں لیکن وہ ایسے سریع اور ایسے وسیع نہیں ہوتے کہ ان کی مقدار، نوعیت، اور ان کا عام رجحان دریافت نہ ہو سکتا ہو۔ ہمارے موجودہ علم کے ذریعہ سے ہمیں ان کا تقریباً صحیح اندازہ ہو جانا کافی ہے۔ یہ خیال کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ وہ اس قدر دور یا یوں کہو کہ وہ اس قدر آئندہ اصلاح کے محتاج ہیں کہ وہ بالکل بیکار اور غیر مفید ہو جاتے ہیں۔ دوسری رائے جس کا ذکر ہوا وہ بنتھم کی تاریخی رائے ہے۔ یہ رائے جو بہت ہی مبہم طریقہ سے بلکہ یوں کہو کہ ڈرڈر کر بنتھم کی تصانیف کے مختلف حصوں میں پیش کی گئی ہے، قانون کے تصور کے اس تجزیہ سے بالکل جدا ہے جو اس نے اپنی کتاب موسومہ

فریگنٹ اوں گورنمنٹ (Fragment on Govt.) میں شروع کی تھی اور جس کو حال میں سٹر جان اسٹن نے تمام کیا ہے۔ اگر قانون ایک مخصوص نوعیت کا حکم قرار دیا جائے جو خاص حالات میں صادر ہوتا ہے تو اس سے بجز اس کے کوئی فائدہ نہیں ہوتا کہ ایک سخت لفظی مشکل رفع ہو جاتی ہے مگر اس سے تمام مسئلہ کی توضیح اور تشریح نہیں ہوتی، نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے کس مقصد سے یہ احکام اپنے اوپر عائد کئے تھے اور ایک حکم کا دوسرے حکم سے کیا تعلق ہے اور وہ کس طرح سابق اور منسوخ شدہ احکام پر منحصر تھے؟ بالنتیجہ کا مجوزہ جواب یہ ہے کہ جماعتیں تبدیل ہوتی ہیں اور اپنی عام آسانیوں کے مدنظر اپنے قوانین کو بدلتی رہتی ہیں۔ اس جواب کی نسبت یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ غلط ہے مگر اتنا یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہ نتیجہ خیز نہیں تصور ہو سکتا کیونکہ تبدیل قاعدہ کے وقت جو ایک جماعت یا اس کے حکمران فرقہ کے نزدیک موجب آسانی معلوم ہوتا ہے وہی یقیناً اس کا مقصد ہوتا ہے خواہ وہ کچھ ہو اور یہی بروقت تبدیل اس کے پیش نظر رہتا ہے۔ آسانی اور انتہائی سود مندی اسی تحریک کے مختلف نام ہیں جو تبدیل کی محرک ہوتی ہے۔ اور جب ہم آسانی کو قانون یا رائے میں تبدیلی کی وجہ قرار دیتے ہیں تو جو کچھ ہوتا ہے وہ صرف اتنا ہوتا ہے کہ ہم ایک صریح اصطلاح کی جگہ ایک ایسی اصطلاح قائم کر دیتے ہیں جس کا مفہوم لازمی طور سے اس بیان میں شامل ہے کہ تبدیلی عمل میں آئی۔ اصول قانون کے متعلق جو رائیں اس وقت قائم ہیں ان کی تحت کے متعلق بیحد بے اطمینانی پھیلی ہوئی ہے اور یہ یقین و ثوق کے ساتھ ذہن نشین ہے کہ ان سے وہ مسئلہ قطعاً حل نہیں ہوتا جس کے حل کرنے کا وہ دعوے کرتی ہیں اور یہ شبہ قوی ہوتا جاتا ہے کہ مصنفین نے تحقیقات کا کوئی ایسا راستہ کامل طور سے اختیار نہیں کیا یا اس راستہ پر قدم ہی نہیں اٹھایا جو متوجہ ثابت ہو۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ان تمام آراء میں بجز غالباً مان رستہ کی رائے کے ایک بڑی فروگزاشت موجود ہے۔ یعنی وہ مطلق اس کا اظہار نہیں کرتیں کہ جس وقت ایک خاص قانون معرض ظہور میں آیا اس سے پیشتر

کیا قانون فی الحقیقت رائج تھا۔ یہ اصحاب رائے اپنے زمانہ کے آئین اور تہذیب اور نیز اُس زمانہ کے آئین اور تہذیب پر جن کے ساتھ اُن کو ایک درجہ تک ماعنیٰ مناسبت ہوتی ہے کامل توجہ کرتے ہیں، مگر جب وہ اس قدیم سوسائٹی کی حالت پر غور کرنا شروع کرتے ہیں جو بظاہر ان کے زمانہ کی حالت سے بالکل مختلف تھی تو وہ بجائے غور و فکر کے قیاس سے کام لینا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کی غلطی بعینہ ایسی غلطی ہے جیسے کوئی شخص مادی دنیا کے قواعد کی دریافت میں بجائے ان سادہ ذرات سے شروع کرنے کے جس سے وہ مرکب ہے، مادی دنیا کی موجودہ کلیہ ہئیت پر غور کرنا شروع کرے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اصولی غلطی جب دوسرے فنون میں جائز نہیں تو اصول قانون کے فن میں کیوں قابل معافی سمجھی جائے۔ اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ ابتدائی حالت کے لحاظ سے تمدن کی جو شکل سادہ سے سادہ ہو سکتی ہو وہاں سے تحقیقات شروع کی جائے، یا یوں کہو اگر وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو ایسی تحقیقات میں اختیار کیا جاتا ہے، تو ہم کو ابتدائی جماعت کی حالت کی تاریخ جہاں تک ممکن ہے معلوم ہو جائے گی۔ جو منظر ابتدائی جماعتیں پیش کرتی ہیں اُن کا سرسری نظر میں سمجھنا مشکل معلوم ہوتا ہے، مگر ان پر حاوی ہونے میں اس قدر وقتیں نہیں ہوتیں جتنی موجودہ زمانہ کے بیچ درجہ تمدن کی گتھیاں سلجھانے میں پیش آتی ہیں۔ یہ مشکلیں تعداد اور پیچیدگی کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان کی ناہمواری اور غیر مانوسی کی وجہ سے پیش آتی ہیں۔ جہاں پر موجودہ زمانہ کے لحاظ سے نظر ڈالی جاتی ہے تو حیرت اور تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہتی، مگر اس حالت کے رفع ہو جانے کے بعد وہ بہت مختصر اور بہت آسان نظر آنے لگتی ہیں۔ اگر ان کے حل کرنے میں اس سے بہت زیادہ مشکلیں پیش آتیں جتنی حقیقت میں پیش آتی ہیں، تب بھی ان بنیادوں کی دریافت میں جن پر یقینی طور سے ہمارے موجودہ زمانہ کی ہر اخلاقی روک تھام، اور ہمارے افعال کی ہدایت، اور ہمارے طرز عمل کی عمارت، قائم ہے وہ محنت ضائع نہیں سمجھی جاسکتی تھی۔

تمدن کی حالت کے ابتدائی مراتب کا جو کچھ علم ہم کو ہے اس کے حصول کے

ذرائع تین قسم کے ہیں: اُن معاصرین کا بیان جنہوں نے اس تہذیب کو بغور معائنہ کیا ہے جو خود ان کی تہذیب سے کم مرتبہ تھی، یا وہ نوشتہ جات جو مخصوص قومیں اپنی قدیم تاریخ کے متعلق چھوڑ گئی ہیں؛ یا قدیم قوانین۔ پہلی قسم کی شہادت ایسی شہادت ہے جس کی نسبت سب سے بہتر ہونے کی امید کی جاسکتی ہے۔ چونکہ قومیں ایک ساتھ نہیں بلکہ یکے بعد دیگرے ترقی کرتی ہیں اس لئے ایسے لوگوں کو جو باضابطہ معائنہ اور غور و فکر کرنے کے عادی تھے، انسان کی ابتدائی حالت پر غور کرنے اور اسے معرض بیان میں لانے کا موقع ملا۔ ٹیسی ٹس (Tacitus) نے اس قسم کے موقع سے پورا فائدہ اٹھایا، مگر جرمنی نے، دوسری قدیم مستند اور مشہور کتابوں کے خلاف، اس مصنف کی اتباع کرنے کی دوسرے لوگوں کو ترغیب نہیں دلائی۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ اس قسم کی شہادت جو ہمارے سامنے پیش ہے بہت تھوڑی اور مختصر ہے۔ وہ نفرت اور حقارت جس کی بنا پر ایک مہذب اور ترقی یافتہ قوم کا شخص اپنے وحشی پڑوسی کو دیکھتا ہے اس معاملہ میں کافی طور سے غور و فکر کئے جانے کی مانع اور مزاحم رہی ہے۔ اور اس بے پروائی میں، بعض اوقات، خوف، ڈر، تعصب، اور خود تہذیب اور بربریت کے مفہوم نے (جن سے بعض اشخاص کے ذہن میں ان دونوں حالتوں میں نہ صرف مقدار بلکہ جنس کا اختلاف ظاہر ہوتا ہے) اور اضافہ کر دیا ہے۔ بعض مبصرین کے خیال میں خود جرمنی نے مقابلہ اور عبارت آرائی کے جوش میں عنان صداقت کو ہاتھ سے نکل جانے دیا ہے۔ دوسری تاریخیں بھی جو ان لوگوں کے کتب خانوں سے ہمیں دستیاب ہوئی ہیں جن کی ابتدائی حالت ان میں بیان ہوئی ہے قومی فخر یا عہد جدید کے مذہبی خیالات کی بنا پر مسخ شدہ متصور ہوتی ہیں۔ ایسی حالت میں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ان تمام شہادت سے، خواہ وہ معقول ہوں یا نامعقول، ایک بڑے درجہ تک قدیم قوانین بری ہیں۔ قدیم قوانین کا بڑا حصہ جو ہم تک پہنچا ہے اسی بنا پر محفوظ رکھا گیا کہ وہ قدیم ہے۔ جو لوگ ان پر عمل اور کاربند تھے وہ اُس کے سمجھنے کے مدعی نہ تھے، اور بعض صورتوں میں ان پر ہنستے اور ان کی تحقیر بھی کرتے تھے۔ ان کے پاس ان قوانین کی کوئی تاریخ بجز اس کے نہ تھی کہ وہ ان کے آبا و اجداد کے وقت سے

چلا آتا ہے۔ پس اگر ہم اپنی توجہ انہیں قدیم آئین کے اجزائ تک محدود رکھیں جن میں رد و بدل کا بطرز معقول بہت کم مشابہ ہو سکتا ہے، تو ہمیں اس جہت کے تمدنی خصوصیات کا تصور جس کا تعلق ابتداً ان قوانین سے تھا، بہ آسانی اور صاف طریقہ سے ہو سکتا ہے۔ مزید براں ہم اپنے اس علم کو ان نظا ہائے قوانین کے متعلق کام میں لاسکتے ہیں جن کی صداقت مجموعہ قوانین منمو کی طبع مشتبہ ہے، اور جو حل ہمارے ہاتھ آگیا ہے اس سے ان اجزا کو شناخت کر سکتے ہیں جو فی الحقیقت قدیم ہیں، اور ان اجزا کو علیحدہ کر سکتے ہیں جو منموین کے تعصب، ذاتی مقاصد یا لاعلمی کی وجہ سے اس میں شریک کر دئے گئے ہیں۔ اس کے تسلیم کرنے میں غالباً کوئی دقت نہ ہو، کہ اگر اس عمل کے لئے کافی مواد مل جائے اور اس کا مقابلہ احتیاط کے ساتھ کیا جائے تو عمل مذکور اسی عمل کی طرح ناقابل اعتراض ہوگا جس سے مقابلہ علم اللسان میں کام لیا گیا ہے، اور جس سے اس قدر حیرت انگیز نتائج حاصل ہوئے ہیں۔

جو شہادت اصول قوانین متقابلہ (Comparative Jurisprudence)

سے دستیاب ہوئی اس سے نوع انسان کی اس ابتدائی حالت کا پتہ چلتا ہے جو بزرگ خاندان کی حکومت کے مسئلہ (Patriarchal Theory) کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا کہ اس اصول کی بنیاد ابتداءً ان عبرانی بزرگوں کی مذہبی تاریخ پر قائم ہے جو جنوبی ایشیا میں رہتے تھے۔ یہ مذہبی تعلق، جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں، اس کے بطور کامل اصول کے تسلیم کئے جانے میں ایک حد تک ہارج رہا، کیونکہ ان محققین کا بڑا حصہ جو زمانہ حال تک اس امر میں بیدگوشاں تھا کہ تمدنی مسئلہ کو ایک اجتماعی صورت میں لاکر پیش کرے، یا تو عبرانی روایات کے سخت مخالف تھا یا اس کی یہ خواہش تھی کہ وہ اپنے مجوزہ نظام میں مذہبی تواریخ سے مطلق مدد نہ لے۔ غالباً اس وقت بھی ان بیانات کو وقعت سے نہ دیکھنے کی طرف رجحان ہے، یا اس بنا پر کہ وہ سامی قوموں کی روایتیں ہیں ان سے عام نتائج پیدا کرنے سے انکار کیا جاتا ہے۔ بہر حال یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جو قانونی شہادت اس بارے میں قبول کی جاتی

ہے وہ صرف انھیں جماعتوں کے آئین سے لی جاتی ہے جن کا تعلق ہندی یورپی خاندان سے ہے اس کا بڑا حصہ رومی ہندو اور اسکلاوی نہیں ہیا کرتے ہیں۔ تحقیقات کے اس مرتبہ میں جو شکل پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں کس مقام پر ہنجر ٹھہر جانا چاہئے تاکہ ہم یہ متعین کر سکیں کہ اس وقت کون سے تمدن ایسے ہیں جن کی نسبت یہ کہنا جائز نہیں ہو سکتا کہ وہ ابتدائی حالت میں بزرگان خاندان کی حکومت میں تھے۔ توریت کے باب پیدائش سے ایسے تمدنوں کی جن خصوصیات کا پتہ چلتا ہے انھیں تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ ہم میں سے اکثر لوگ اس سے اپنے بچپن سے واقف ہیں اور نیز اس وجہ سے کہ اس بارہ میں جو مباحثہ لاک اور فلم میں ہوا، اس سے بچد دل چسپی لی گئی اور اس سے انگریزی علم ادب میں کثیر مواد مہیا ہو گیا ہے، گو کہ وہ زیادہ کارآمد نہیں ہے۔ جو امور صاف طور سے تاریخ بتا رہی ہے وہ یہ ہیں کہ سلسلہ پداری میں بزرگ تر اور اولاد ذکر میں سب سے بڑا شخص اپنے خاندان میں کامل مختار اور فرماں روا ہے۔ اس کی حکومت زندگی اور موت پر حاوی ہے اور اسے اپنے بیٹوں اور ان کے خاندان کے لوگوں پر بھی وہی آزادانہ اختیارات حاصل ہیں جو اسے اپنے غلاموں پر حاصل ہیں؛ فرزندوں اور غلاموں میں جو کچھ فرق ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ فرزند میں بر بنائے عصیت اس بات کی قابلیت موجود ہوتی ہے کہ وہ ایک دن خود بزرگ خاندان کے مرتبہ کو پہنچ جائے۔ فرزندوں کے بھڑ بکریوں وغیرہ کے گلے باپ کے ہیں اور باپ کی جو جائداد ہے اور جس پر وہ بحیثیت مالک بلکہ بحیثیت ایک مختار کے قابض ہے اس کے مرنے کے بعد اس کی طبقہ اول کی اولاد میں مساوی طور سے تقسیم ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات سب سے بڑا لڑکا بنام حق پیدائش دوہرا حصہ پاتا ہے، مگر عام طور سے بجز اعزازی تقدم کے کسی مزید میراث کا مستحق نہیں ہوتا۔ توریت کے بیانات ہی ہیں جن سے ہمیں والدین کی حکومت میں پہلی مرتبہ نقص واقع ہونے کا حال بھی مبہم طور سے معلوم ہوتا ہے۔ یعقوب اور یسع کے خاندان جدا ہو کر دو قوین ہو جاتے ہیں، مگر آل یعقوب مجموعہ رہتی اور ایک قوم بن جاتی

ہے۔ یہ بظاہر ایک ریاست یا جمہوری حکومت کا غیر مکمل خاکہ ہے جس کے حقوق خاندانی حقوق سے اعلیٰ اور بلند تر نظر آتے ہیں۔

اگر خاص قانونی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر مختصر طور سے اس مخصوص حالت کے اظہار کی کوشش کی جائے جس میں آغاز تائیج کے وقت انسان ظاہر ہوتا ہے تو اس کے لئے اتنا ہی کافی ہوگا کہ ہومر کی اوڈیسی سے چند اشعار لے کر یہاں درج کر دیے جائیں۔ ”نہ ان کے یہاں مشورت کی مجلسیں ہیں اور نہ الہامی تجاویز، ہر شخص اپنے بیوی بچوں پر حکمراں ہے اور وہ لوگ ایک دوسرے کا مطلق خیال نہیں کرتے۔“

یہ اشعار فرقہ سکلاپ کے متعلق ہیں اور یہ کہنا شاید محض دہم نہ تصور کیا جائے کہ فرقہ سکلاپ ہومر کے کلام میں ملک غیر کے غیر ترقی یافتہ باشندوں کا نمونہ ہے۔ اور ابتدائی قومیں جب کسی ایسی قوم سے جو عادات اور اطوار میں ان سے بالکل جدا اور مختلف ہوتی ہیں، اظہار نفرت اور حقارت کرتی ہیں تو عام طور سے ان کو عجیب المخلوقات، مثلاً جنوں (یا جیسا کہ مشرقی دیوبانیوں میں ہوتا ہے) دیوروں سے تعبیر کرتے ہیں۔ بہر حال واقعہ خواہ کچھ ہو، قدیم قانونی اشارات کا جو خلاصہ ہے وہ ان اشعار میں موجود ہے۔ انسان ابتدا میں جدا جدا گروہوں میں منقسم نظر آتے ہیں جنہیں والدین کی اطاعت کا صرف ایک سلسلہ باہم ملائے ہوئے ہوتا ہے۔ والدین کا حکم ہی قانون ہے، مگر اس کو ابھی تک اس الہامی تجویز کا مرتبہ نہیں حاصل ہوا ہے جسے ہم اس کتاب کی پہلی فصل میں بیان کر آئے ہیں۔ جب ہم ان جماعتوں کے حالات پر جن میں یہ ابتدائی قانونی تصورات ایک درجہ تک قائم ہو چکے ہیں گہری نظر ڈالتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ابھی تک ایک خود سر باپ کے احکام کی پراسرار اور خود سرانہ خصوصیت موجود ہیں۔ مگر چونکہ وہ ایک پادشاہ کی طرف سے نافذ ہوتے ہیں اس لئے خاندانی گروہوں کے تعلقات کا ایک وسیع تر نظام فرض کر لینا پڑتا ہے۔ اس کے بعد ہی جو سوال پیش آتا ہے وہ یہ ہے کہ ان تعلقات کی نوعیت کیا ہے، اور وہ کہنا تک یکسانیت پر مشتمل ہیں؟ یہی وہ مقام ہے جہاں قدیم قوانین بہت زیادہ مفید ثابت

ہوتے ہیں، اور ان مشکلات کو حل کر دیتے ہیں جن میں صرف قیاس ہی کچھ کام دے سکتا تھا۔ یہ قوانین اپنے ہر شعبہ میں صاف طور سے بتا رہے ہیں کہ ابتدائی زمانہ میں سوسائٹی صرف افراد ہی کا مجموعہ نہ تھی، جیسا کہ فی زمانہ تسلیم کر لیا گیا ہے، بلکہ بلحاظ ان افراد کے جو اس میں شریک تھے خاندانوں کا ایک مجموعہ سمجھی جاتی تھی۔ اس کا فرق اگر یوں کہا جائے تو زیادہ تر صاف ہوا جاتا ہے کہ قدیم سوسائٹی کا ایک فرد (Unit) ایک خاندان متصور ہوتا تھا، اور اس زمانہ کی سوسائٹی کا ایک فرد ایک انسان سمجھا جاتا ہے۔ اس امتیاز کے نتائج قدیم قانون میں ہیں صاف طور سے نظر آئیں گے۔ قدیم قوانین کی ترتیب اس طرح پر ہوئی ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی خود مختار جماعتوں کے نظام سے مطابقت اور مناسبت رکھتے ہیں، اور اسی وجہ سے وہ مختصر ہیں، ان کا تکملہ ان خود مختار انہ احکام سے ہو جاتا ہے جو خاندان کے بزرگوں کی طرف سے صادر ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں پابندی رسوم کی بھی یہی وجہ ہے کہ جن معاملات کا ان کے ذریعہ سے تصفیہ ہوتا تھا انھیں بنسبت ان انفرادی معاملات کے جو ایک فرقہ کے دو اشخاص میں روزمرہ پیش آتے رہتے ہیں بین الاقوامی معاملات سے زیادہ تر مشابہت ہے۔ بہر حال ان میں ایک مخصوص کیفیت تھی جس کے فوائد سے اس موقع پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ وہ جس طرح زندگی پر نظر ڈالتے ہیں وہ ترقی یافتہ اصول قانون کی نظر سے بالکل جدا ہے۔ جماعتیں (Corporations) کبھی فنا نہیں ہوتیں اور اسی بنا پر قدیم قوانین ان غیر فانی اشیاء یعنی بزرگانہ حکومت، خاندانی گروہوں، اور قبیلوں سے جو ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں بحث کرتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں اخلاقی اوصاف کے متعلق بھی کچھ اسی سے ملتا جلتا خیال تھا۔ شخصی اخلاقی حالت خواہ وہ اچھی ہو یا بُری، اس قبیلہ اور گروہ کی اخلاقی حالت کے ماتحت یا اس کا جزو سمجھی جاتی تھی جس سے اس شخص کا تعلق ہوتا تھا۔ اگر کوئی فرقہ کسی جرم کا ارتکاب کرتا تھا، تو اس کا جرم اس کے ارکان کے مجموعی جرائم سے زیادہ تر سمجھا جاتا تھا۔ جرم ایک متحدہ فعل تھا اور اس کے اثرات سے اس سے بہت زیادہ لوگ متاثر ہوتے تھے جو فی الحقیقت اس کے ارتکاب میں شریک

ہوتے تھے۔ اگر ایک شخص صریحاً مجرم ہوتا تھا تو اس کی اولاد، اس کے رشتہ داروں، اور ہوطنوں کو اس کے ساتھ اور بعض اوقات اس کے لئے مصیبت اٹھانی پڑتی تھی۔ اس طور سے اخلاقی ذمہ داری اور اس کی سزا دہی کا تصور عام طور سے قدیم زمانہ میں ترقی یافتہ زمانہ سے زیادہ ترقی نظر آتا ہے۔ اور چونکہ قبیلے غیر فانی اور ان کی ذمہ داریاں غیر محدود تھیں اس لئے قدیم لوگوں کو وہ پریشانیاں لاحق نہیں ہوتی تھیں جو اس وقت سے ہونے لگی ہیں، جب سے انسان منفرد اور قبیلے سے جدا سمجھا جانے لگا ہے۔ اس قدیم اور سادے خیال سے زمانہ مابعد کی مذہبی اور طبی توضیح اور تشریح تک پہنچنے کے لئے ایک درمیانی منزل ”موروثی لعن“ (Inherited Curse) کی طے کرنی پڑتی ہے جو قدیم یونانیوں کا قائم کردہ خیال ہے۔ اصل مجرم اپنی اولاد کے لئے جو کچھ چھوڑ جاتا ہے وہ سزا کی ذمہ داری نہیں، بلکہ جدید جرائم کے ارتکاب کا مادہ ہے، جس کیساتھ انکی مناسب سزائیں لگی ہوتی ہیں، اور اس طور سے قبیلے کی ذمہ داری کے خیال نے اس جدید خیال کے ساتھ کہ جرائم کے نتائج اصل مجرم کی ذات تک محدود رہنے چاہئیں ایک گونہ مطابقت پیدا کر لی ہے۔

اگر توریت کی اس مثال سے جو ہم اوپر درج کر آئے ہیں عام نتیجہ نکالکر یہ فرض کر لیا جائے کہ جب ایک بزرگ خاندان کے فوت ہو جانے کے بعد ایک خاندان کے ارکان بجائے متفرق ہو جانے کے بجائے قائم رہے، اور اس طور سے قبیلوں کی بنیاد قائم ہو گئی تو یہ سوسائٹی کے ابتدا کی نہایت آسان تشریح ہوگی۔ روما اور اکثر یونانی ریاستوں میں ایک عرصہ دراز تک ان گروہوں کے آثار نظر آتے رہے جو بلحاظ مرتبہ کے ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے تھے، اور جن سے ریاست ابتدا مرکب تھی۔ اہل روما کے خاندان، قبیلے، اور قومیں ان کی بہترین مثالیں ہیں، اور ان کا بیان ہم سے اس طرح کیا گیا ہے کہ ہم اس سے بہتر کچھ نہیں تصور کر سکتے کہ وہ ایسے دائرے ہیں جو بتدریج بڑھتے گئے ہیں، گران کا مرکز ایک ہی ہے۔ ابتدائی گروہ خاندان ہے، جو خاندان کے بزرگ تر مرد کے زیر حکم ہونے کی وجہ سے مشترک ہوتا تھا۔ خاندانوں کے مجموعہ سے

قبیلہ اور قبیلوں کے مجموعے سے قوم قائم ہوتی ہے، اور قوموں کا مجموعہ جمہوری ریاست ہے۔ کیا ہم اس کے مجاز ہیں کہ ان اشارات سے استنباط کر کے یہ قرار دیں کہ جمہوری ریاست ان لوگوں کا مجموعہ ہے جو ایک ابتدائی خاندان کے جدا علی کی اولاد میں ہونے کی بنا پر باہم پیوستہ ہیں۔ اتنا یقینی ہے کہ تمام قدیم سوسائٹیاں یہ تصور کرتی ہیں کہ وہ ایک ہی شخص کی اولاد سے ہیں، اور اس کے سوائے ان کے ذہن میں کوئی دوسری وجہ ایک سیاسی اتحاد کے تحت میں رہنے کی نہیں آتی تھی۔ سیاسی خیالات کی تاریخ فی الحقیقت اس مفروضہ سے شروع ہوتی ہے کہ ایک جماعت کے سیاسی عمل کی بنیاد محض رشتہ داری اور قربت ہے، اور جب اُس میں کوئی دوسرا اصول، مثلاً مقامی قربت یا جوار، پہلی مرتبہ داخل ہو کہ مشترکہ سیاسی عمل کی بنیاد قرار پاتا ہے تو خیالات میں ایک ایسا تغیر واقع ہوتا ہے جس کے مقابلہ میں ان تغیرات کی جنہیں ہم انقلابِ عظیم کے نام سے موسوم کرتے ہیں کوئی ہستی نہیں رہتی۔ اس لئے ابتدائی جمہوری ریاستوں کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان کے باشندے ان تمام گروہوں کو جن کے رُکن ہونے کا انہیں دعوے ہوتا تھا ایک مشترکہ نسل میں سمجھتے تھے۔ جو امر ایک خاندان کے متعلق ظاہری طور سے صحیح تھا وہ پہلے قبیلہ پھر قوم اور بعدہ ریاست کے متعلق بھی باور کیا جانے لگا۔ باوجود اس یقین، یا یوں کہو کہ اس اصول کے (اگر ایسا کہنا جائز ہو) ہر جماعت میں ایسے وثائق اور روایات موجود رہے جن سے ثابت ہوتا رہا کہ ابتدائی مفروضہ غلط تھا۔ خواہ یونانی ریاستوں پر نظر ڈالئے، خواہ رومانیہ یا ڈنمارش کی ٹیوٹانی امارتوں پر، جن سے نیو برن نے بکثرت عمدہ مثالیں منتخب کر کے پیش کی ہیں، یا کلٹ کے مجموعی قبائل، یا اسکلاوونیا کے روسی اور پولون کے عجیب تمدن پر، جس کی طرف حال ہی میں توجہ مبذول ہوئی ہے، ہر ایک کی تاریخ میں ہمیں ایسے آثار اور علامات ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمل کے لوگ ان لوگوں میں آکر داخل ہوئے اور ابتدائی برادری کے ایک جزو ہو گئے، اگر صرف روما ہی کو لیا جائے تو ہمیں یہ نظر آئے گا کہ ابتدائی گروہ یعنی خاندان

میں تبیت کی بنا پر متواتر اختلاط ہوتا رہتا تھا، اور ابتدائی قوم کی ایک شاخ کی نسبت مشہور تھا کہ وہ بیرونی نسل سے ہے، اسی طرح یہ بھی کہا جاتا تھا کہ قدیم بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے خاندانوں میں دوسرے لوگوں کو شامل کر کے ان میں بہت اضافہ کر دیا تھا۔ ریاست کی ترکیب باوجود ہمیشہ فطری فرض کئے جانے کے معلوم تھا کہ ایک بڑی حد تک مصنوعی ہے۔ اس قضیہ یا اصول، اور مشہور واقعات میں جو اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے وہ سہری طور سے بعید تعجب انگیز ہے، مگر اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سوسائٹی کے ابتدائی زمانہ میں قانونی مفروضات کا عمل کسی قدر مضبوطی کے ساتھ جاری تھا۔ ان مفروضات میں سب سے قدیم اور سب سے زیادہ کام میں لایا جانے والا وہ مفروضہ تھا جس کے ذریعہ سے مصنوعی طور سے خاندانی تعلقات پیدا ہو سکتے تھے، اور جس کا میرے خیال میں نوع انسان کو سب سے زیادہ مشکور ہونا چاہئے اگر اس کا وجود نہ ہوتا تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ دنیا کے ابتدائی گروہوں میں سے کوئی ایک گروہ خواہ اس کی نوعیت کیسی ہی کیوں نہ ہوتی، دوسرے گروہ کو اپنے آپ میں ملا سکتا تھا، یا بجز اس صورت کے کہ ایک گروہ کامل طور سے غالب اور دوسرا کليتاً مغلوب ہو جاتا دو گروہ باہم کس طرح مل سکتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ موجودہ خیالات کے ساتھ جب ہم مختلف خود مختار جماعتوں کے اتفاق اور ایک ہو جانے پر غور کرتے ہیں تو اس کی عمل آوری کے سنگڑوں ذرائع سمجھ میں آتے ہیں، سب سے آسان یہ ہے کہ مرکب گروہ کے لوگ قربت مقامی کے لحاظ سے متفق الرائے اور متفق العمل ہوں گے، مگر یہ خیال، کہ کچھ لوگ ملکی حقوق سے مشترک طور سے محض اس بنا پر مستفید ہوں کہ وہ اتفاقی طور سے ایک محدود قطعہ ملک میں آباد ہو گئے ہیں قدما کے خیال سے بہت بعید اور ان کے دماغ سے بالکل غیر مانوس تھا۔ اس زمانہ کی چلتی ہوئی چال یہ تھی کہ داخل ہونے والی قوم اس بات کا ادعا کرتی تھی کہ وہ اس قوم کی ہم نسل ہے جس سے وہ آکر ملی ہے، یہ مفروضہ کس طرح صدق کا مرتبہ حاصل کر کے قابل تسلیم ہو جاتا تھا وہ امر ہے جس کے سمجھنے کی اس وقت

ہم امید نہیں کر سکتے۔ البتہ ایک واقعہ جو نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے یہ ہے کہ جو لوگ مختلف سیاسی گروہوں کے رکن ہوتے تھے وہ خاص خاص اوقات میں اپنے باہمی تعلقات کو مشترکہ قربانیوں کے ذریعہ سے مضبوط اور موثق کرنے کے لئے ایک جگہ جمع ہونے کے عادی تھے۔ ان اغیار کو جو بار بار میں داخل ہو جاتے تھے ان قربانیوں میں شرکت کی اجازت تھی، اور اس مرحلہ کے طے ہو جانے کے بعد ان کا شریک نسل تسلیم کر لیا جانا زیادہ دقت طلب نہ رہتا ہوگا۔ اس شہادت سے جو نتیجہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ تمام ابتدائی سوسائٹیوں کی بنا محض مشترکہ نسل پر قائم نہ تھی، بلکہ وہ سوسائٹیاں جن میں ایک درجہ تک قیام اور منسبوطی تھی وہ فی الحقیقت ایک مورث کی نسل سے ہوتی تھیں یا ان کی نسبت ایسا فرض کر لیا جاتا تھا۔ ابتدائی گروہوں کو متفرق کر دینے کے بے شمار اسباب ہو سکتے ہوں گے، مگر جب ان کے پرانگندہ اجزا پھر یک جا ہوتے تھے تو ان کا اجتماع قرابت کے اصول یا نمونہ پر ہوتا تھا؛ اور خواہ واقعات کچھ ہوں، ان کے تمام خیالات، زبان، اور قانون اسی مفروضہ سے مطابقت پیدا کر لیتے تھے۔ اگرچہ میرے نزدیک یہ سب امور ان سوسائٹیوں کے متعلق ثابت ہیں جن کی تاریخ سے ہمیں واقفیت ہے، مگر ان کی بقیہ تاریخ سے قوی سے قوی قانونی مفروضات کی بے ثباتی اور ایک مدت کے بعد ان کے بے اثر ہو جانے کا پتہ چلتا ہے۔ ایک زمانہ ایسا آیا جب کہ یہ ریاستیں بے قیاس غالب ایسی قوی ہو گئیں کہ بیرونی دباؤ کا کوئی اثر ان پر نہ پڑنے لگا تو انھوں نے فرضی توسیع قرابت کے سلسلہ کو یک قلم موقوف کر دیا۔ اور ایسی تمام صورتوں میں جن میں کسی وجہ سے کچھ ایسے لوگ آکر ان کے گرد جمع ہو گئے جو ان کے ساتھ اشتراک نسل کا دعوے نہ کر سکتے تھے تو ریاست کے اصلی باشندے طبقہ امرا اور اعلیٰ میں شمار ہونے لگے۔ اور اس اصول کی سختی کے ساتھ پابندی نے کہ سیاسی حقوق بجز حقیقی یا فرضی قرابتی ذریعہ کے اور کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتے، ادنیٰ طبقہ کو ایک دوسرے اصول کا سبق پڑھایا، جو پہلے اصول سے زیادہ تر جاندار اور دیر پا ثابت ہوا۔ یہ اصول ”مقامی اتصال“ (Local Contiguity)

یا پڑوس کا تھا، جواب ہر جگہ سیاسی معاملات میں شرکت کی ایک شرط سمجھا جاتا ہے۔ اس نے دفعتاً جدید سیاسی خیالات پیدا کر دئے اور چونکہ وہ خیالات خود ہمارے، ہمارے معاصرین، اور بڑے درجہ تک ہمارے بزرگوں کے تھے اس لئے قدیم اور مغلوب شدہ اصول کا سمجھنا ہمارے لئے اور زیادہ دشوار ہو گیا۔

پس قدیم سوسائٹی کا، ان تمام تبدیلیوں کے بعد جو اس میں ہو چکی تھیں، خاندان ایک نمونہ ہے، مگر یہاں لفظ خاندان کو زمانہ موجودہ کے مفہوم میں نہ سمجھنا چاہئے۔ خاندان کے قدیم تصور کو پیش نظر لانے کے لئے ہمیں اپنے موجودہ تصور کو بہت کچھ بڑھانا اور بہت کچھ محدود کرنا پڑے گا۔ ہمیں خاندان کی نسبت یہ تصور کرنا چاہئے کہ وہ غیروں کو اپنے دائرہ میں لا کر اپنے آپ میں جذب کرتا اور خود حجم میں بڑھتا جاتا ہے؛ اور تنہا کا مفروضہ حقیقی قرابت کے قائم کرنے میں اتنا موثر ہے کہ حقیقی اور اس مفروضہ قرابت میں بلحاظ قانون اور عام رائے کے مطلق تمیز نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ اثر اک نسل کے اصول کی بنا پر خاندان میں آکر شریک ہوتے ہیں وہ عملی طور سے اپنے آبا و اجداد میں سے کسی ایک زندہ شخص کے احکام کے، خواہ وہ باپ ہو یا دادا یا پردادا، تابع اور مطیع رہتے ہیں۔ اس تصور میں بزرگ خاندان کی اطاعت ایسی ہی لازمی شے ہے جیسا کہ حقیقی یا فرضی طور سے اس بزرگ خاندان کے صلب سے پیدا ہونا؛ اور اس لئے اگر کچھ لوگوں نے، خواہ وہ شرکت خون کی وجہ سے فی الحقیقت بھائی بندوں ہی میں کیوں نہ شریک ہوں، اپنے آپ کو بزرگ خاندان کی حکومت سے علیحدہ کر لیا ہے تو وہ قانون کے ابتدائی زمانہ میں یقیناً خاندان سے خارج متصور ہوں گے۔ ابتدائی ”اصول قانون“ کے زمانہ میں یہی پدری یا بزرگ خاندان کا محکوم گروہ ہے (یعنی موجودہ زمانہ کا خاندان جس میں ایک طرف قطع برید اور دوسری طرف اضافہ ہو گیا ہے) جو ہمیں ہر طرف نظر آتا ہے۔ یہ گروہ غالباً ریاست، قوم، اور قبیلہ سے قدیم تر ہے، اور

قوم اور قبیلہ کے خیالات محو ہو جانے، اور ترکیب ریاست میں قرابت کا دخل نہ باقی رہنے کے بعد بھی اوس کے علامات ذاتی قانون میں پائے جاتے ہیں۔

”اصول قانون“ کا کوئی ایسا بڑا شعبہ نہیں ہے جہاں اس کا پتہ نہ چلتا ہو، اور میرے خیال میں اصول قانون کے اکثر اہم اور دیر پا خصوصیات کا منبع یہی گروہ ہے۔ قدیم ترین زمانہ کے قانون کی خصوصیات پر نظر کر کے ہمیں مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے کہ ابتداً قدیم قانون ان خاندانی گروہوں کو اسی نظر سے دیکھتا تھا جس سے اس وقت کے قوانین متعلقہ حقوق و فرائض مروجہ یورپ ایک منفرد انسان کو دیکھتے ہیں۔ دنیا میں اس وقت بھی ایسی جماعتیں اور سوسائٹیاں موجود ہیں جن کے قوانین اور مراسم کی یہ مشکل تو ضیح و تشریح ہو سکتی ہے جب تک یہ نہ فرض کر لیا جائے کہ وہ ابھی تک اس قدیم حالت سے باہر نہیں آئی ہیں۔ مگر بعض جماعتوں میں جو زیادہ تر خوش قسمت واقع ہوئی تھیں رفتہ رفتہ اس ”اصول قانون“ کی بنیاد منہدم ہوتی گئی، اور اگر ان منہدمہ حصوں کو بغور تمام دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ وہی حصے تھے جن پر خاندان کے قدیم تصور کا سب سے زیادہ اثر تھا۔ اس کی بہترین مثال قانون روما ہے جس میں تبدیلی کی رفتار ایسی بڑی تھی کہ ہم ہر عہد کی تبدیلیوں کا راستہ اور ان کا رخ دریافت کر سکتے ہیں اور اس آنکھ پر نتیجہ کا بھی ایک تصور قائم کر سکتے ہیں جس کی طرف یہ تبدیلیاں منہج ہو رہی تھیں۔ اس دریافت میں ہیں ان خیالی حدود پر نہ چھ جانا چاہئے جو موجودہ دنیا کو قدیم دنیا سے علیحدہ کر رہے ہیں۔ روما کے مہذب قانون میں ان قدیم وحشیانہ رسم و رواج کے اختلاط کا جو غلط طور سے ”اصول جاگیر داری“ کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں، ایک نتیجہ یہ تھا کہ قدیم ”اصول قانون“ کی اکثر خصوصیات جو روما کی دنیا سے نیست و نابود ہو چکی تھیں دوبارہ زندہ ہوئیں، اور جس تباہی کی نسبت یہ سمجھا جاتا تھا کہ ختم ہو چکی وہ از سر نو شروع ہو گئی اور اب تک جاری ہے۔

قدیم زمانہ کی سوسائٹی کے خاندانی نظام کے نمایاں آثار اب بھی چند قانونی نظاموں میں پائے جاتے ہیں، یعنی والد یا کوئی دوسرا بزرگ اپنی

اولاد کی ذات اور جائیداد پر دوامی اختیار رکھتا ہے اور ہم اسے بغرض آسانی اہل روما کے زمانہ مابعد کی اصطلاح ”اختیار والدین“ (Patria potestas) کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔ نوع انسان کے ابتدائی تمدن کی کوئی خصوصیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق اس قدر کثیر شہادت موجود ہو، اور یہی ایسی خصوصیت ہے جو اس قدر عمومیت اور عجلت کے ساتھ ترقی کرنے والی قوموں سے مفقود ہو گئی ہے کیئس جس کے تصنیفات کا زمانہ انٹونینول کا عہد ہے لکھتا ہے کہ یہ نظام ہمیشہ طور سے رومی ہے۔ یہ درست ہے کہ اگر اُس نے دریائے رائن اور ڈینیوب کے پار ان وحشی قوموں پر نظر ڈالی ہوتی جو اس کے معاصرین کو تعجب میں ڈال رہی تھیں تو اُسے بزرگ خاندان کے اختیار کی بدترین شکلوں کی بہت سی مثالیں مل جاتیں۔ مشرق بعید میں خود اسی خاندان کی ایک شاخ جس سے اہل روما تھے اختیار والدین کے مسئلہ کو سخت اصطلاحی قیود کے ساتھ عمل میں لارہی تھی۔ البتہ اُن قوموں میں جو حکومت روما کے ماتحت سمجھی جاتی تھیں کیئس کو کوئی ایسی قوم بجز ایشیائی گاول کے نظر نہیں آئی جن میں کوئی ایسا آئین جاری ہو جو رومی ”اختیار پدری“ کے مشابہ ہو۔ میرے خیال میں اس کے وجوہ بہت صاف ہیں کہ کیوں اکثر ترقی یافتہ جماعتوں میں براہ راست جدِ اعلیٰ کا تھوڑے ہی عرصہ میں وہ زور و شور نہ رہا جو ابتدائی حالت میں تھا۔ وحشیوں میں اولاد کا اپنے والدین کے احکام کا اتباع کرنا یقیناً ایک قدرتی فعل ہے۔ اس کی تشریح میں یہ کہنا کہ اس کی بنا محض فوائد پر قائم ہے ایک فضول بات ہوگی۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ امر بھی یقینی ہے کہ اگر اولاد کا والدین کے احکام کو ماننا فطری ہے تو یہ بھی فطری ہے کہ وہ اپنے والدین کو بلحاظ قوت اور عقل کے اپنے آپ سے قوی اور بالاتر سمجھیں۔ اس لئے جب سوسائٹی کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اس میں جسمانی اور دماغی قوتیں بطور خاص قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں، تو ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جن کا یہ رجحان ہوتا ہے کہ وہ والدین کی اطاعت کا عمل انہیں صورتوں تک محدود رکھیں جن میں شخص مطاع حقیقی طور سے ہوشیار

اور قوی ہیں۔ جب مرتب یونانی موسائٹی پر ہماری پہلی نظر پڑتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میگز دانشمندی کی بنا پر ”پدری اختیارات“ ان لوگوں میں بھی باقی رہتے تھے جو جسمانی لحاظ سے ضعیف ہو جاتے تھے؛ لیکن اوڈیسی سے جو تعلقات یوسیز اور لارٹیز کے ظاہر ہوتے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فرزند میں غیر معمولی جرأت اور ہوشیاری موجود ہوتی تھی، تو باپ پیرانہ سالی میں خاندان کی سردار سے بکدوش کر دیا جاتا تھا۔ یونانی ”اصول قانون“ کی تکمیل کے زمانہ میں یہہ قاعدہ اُس عہدِ آمد سے جس کا اشارہ ہو مصر کی نظم میں پایا جاتا ہے چند قدم اور آگے بڑھ جاتا ہے۔ اور اگرچہ خاندانی وجوب کی سختی کے اکثر آثار باقی رہتے ہیں، مگر والدین کے راست اختیارات، جیسا کہ یورپ کے قوانین میں ہے، صرف اولاد کی نابالغی کے زمانہ، یا یوں کہو کہ اس زمانہ تک جب تک کہ ان کی دماغی اور جسمانی کمزوری تسلیم کی جاتی ہے، محدود ہو جاتے ہیں۔ قانون روما جو قدیم دستوروں میں صرف اسی قدر دست اندازی کرنے میں مشہور ہے جہاں تک کہ ریاست جمہوری کی ضرورتیں مجبور کریں، ان قدیم دستوروں اور ان فطری حدود کو جو میرے خیال میں آئین قدیم میں بھی مشروط تھے، قائم رکھتا ہے۔ کل ایسے معاملات زندگی میں، جن میں مجموعی قوم کو اولاد کی دانائی اور قوت سے استفادہ کی ضرورت ہوتی تھی، خواہ وہ مشاورت میں ہو یا مبارزت میں ”فرزند زیر اختیار“ ایسا ہی آزاد تھا جیسا کہ اس کا باپ۔ اہل روما کے اصول قانون کا یہ ایک اصول موضوعہ تھا کہ اختیار پدری قانون عام (Jus Publicum) پر حاوی نہیں ہے۔ شہر میں باپ بیٹے دونوں رائے دینے، اور میدان جنگ میں دوش بدوش کام کرنے کے مجاز تھے۔ میدان جنگ میں ممکن تھا کہ اعلیٰ افسر بنایا ہو، اور باپ کو اس کے تحت کام کرنا پڑے، یا وہ مجسٹریٹ ہو اور وہ اپنے باپ کے معاہدات اور جرائم کا تصفیہ کر کے اسے سزا دے۔ مگر ان تمام تعلقات میں جو کہ ذاتی قانون سے پیدا ہوتے تھے، فرزند خاندانی خود مختارانہ حکومت کے ماتحت رہتا تھا۔ اُس سختی کے لحاظ سے جو اس معاملہ میں آخر تک برقی جاتی رہی، اور اس بنا پر کہ یہ عمل مسلسل صدیوں تک جاری رہا، یہ قانونی تاریخ کا ایک عجیب واقعہ

سمجھا جاتا ہے۔

رومیوں کے ”اختیار پدری“ کے اصول کو جو ہمارے لئے لازمی طور سے قدیم زمانہ کے والدین کے اختیارات کا ایک نمونہ ہے، مہذب زندگی کے آئین کی حیثیت سے سمجھنا خواہ وہ موثر ذات سمجھا جائے خواہ موثر مال نہایت دشوار ہے۔ اس کی تاریخ کے جو صفحے گم ہو گئے ہیں وہ افسوس ہے کہ اس طرح گم ہوئے ہیں کہ ان کا پتہ چلنا سخت مشکل ہو گیا ہے۔ جس وقت سے ہماری اطلاع کا تسلسلہ شروع ہوتا ہے والدین کو اپنی اولاد کی ذات پر موت اور زندگی کے اختیارات کا حاصل رہنا ظاہر ہوتا ہے، اور جب موت اور زندگی کے اختیارات ہوں تو ان کو غیر محدود جسمانی سزا دینے کا اختیار بدرجہ اولیٰ حاصل ہو گا۔ والدین اپنی اولاد کی زندگی میں ہر طرح کی تبدیلی پیدا کر دینے کے مجاز تھے وہ لڑکوں کے لئے زوجہ اور لڑکیوں کے لئے شوہر منتخب کر سکتے تھے؛ اور ان دونوں کو طلاق دلا سکتے تھے؛ اور بذریعہ تبہیت ان کو دوسرے خاندان میں منتقل بلکہ بیع کے بھی مجاز تھے۔ بعد کے شاہی زمانہ میں ہم ان سب اختیارات کے آثار پاتے ہیں، اگرچہ وہ بہت زیادہ محدود ہو گئے ہیں۔ خاندانی ارکان کو سزا دینے کے جو غیر محدود اختیارات تھے ان کی جگہ یہ اختیار حاصل ہو گیا کہ اگر والدین چاہیں تو اپنی اولاد کو سول مجسٹریٹ کے اجلاس پر سزا کے لئے پیش کر دیں۔ جبریہ نکاح کر دینے کا حق گھٹ کر صرف مشروط تنبیہ تک رہ گیا۔ فروخت کا حق قطعاً سلب کر لیا گیا۔ اور تبہیت جس کی اگلی قوت جسطیٹین کے نظام قانونی میں آکر ٹوٹ گئی تھی بغیر تبہی کی رضامندی کے عمل میں نہیں آ سکتی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس طور سے ہم قریب قریب ان خیالات کے آجاتے ہیں جو زمانہ حال میں رائج اور شائع ہیں۔ مگر ان دو بعید زمانوں کے درمیان میں ایک ایسا پردہ حائل ہے کہ ہم ان اسباب کے متعلق صرف قیاس سے کام لے سکتے ہیں جنہوں نے والدین کے اس اختیار کو بظاہر قابل برداشت طریقہ سے اتنے دن چلنے دیا۔ فرزندوں کو جو عملی اہم فرائض سلطنت کے انجام دینے پڑتے تھے وہ والدین کے اختیارات کے اگر قطعی نسخہ نہیں تو ہارج ضرور

ہوتے ہوں گے۔ یہ ہم خود سمجھ سکتے ہیں کہ ایک عاقل اور بالغ شخص پر جو سرکاری معزز خدمت بھی رکھتا ہو والدین کی حکومت کا چلنا بغیر کسی بدنمائی کے دشوار ہو گیا ہوگا۔ ممکن ہے کہ رومیوں کی ابتدائی تاریخ میں ایسی علی آزادی کی مثالیں بہت کم ہوں مگر جب رومیوں کی جمہوری حکومتوں کی متواتر لڑائیاں شروع ہو گئیں اس وقت سے ایسی صورتیں اکثر پیش آنے لگی ہوں گی۔ فوجی جھڑپیں اور معمولی سپاہی، جو ابتدائی لڑائیوں میں سال میں آٹھ مہینے میدان جنگ میں رہتے تھے، اور بعد کے زمانہ میں وہ عہدہ دار جس کے ہاتھ میں ایک صوبہ کا انتظام ہوتا تھا، اور وہ فوجیں جو وہاں متعین ہوتی تھیں ایسی حالت میں نہ تھیں کہ وہ علی طور سے اپنے آپ کو ایک خود مختار آقا کا غلام تصور کریں۔ آزادی کے یہ مواقع روز بروز ترقی کرتے چلے گئے۔ میدان جنگ کی کامیابیوں نے ملکی فتوحات اور ملکی فتوحات نے قبضہ کا دروازہ کھول دیا، اور مفتوحہ ممالک میں بجائے مدامی افواج کی تعیناتی کے قوم کے لوگوں کے سامنے کا طریقہ جاری ہو گیا۔ جو قدم آگے بڑھتا تھا اُس میں اہل روما کو اپنا وطن چھوڑنے کی ضرورت زیادہ تر واقع ہوتی جاتی تھی، اور لامتناہی قوم کے لوگوں پر، جو بجائے خود ناکافی ثابت ہو رہی تھی، مزید بار پڑتا جاتا تھا۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جب سلطنت کے استقلال کی وجہ سے امن و امان کا سلسلہ دنیا میں قائم ہونا شروع ہوا اس وقت اختیار پداری میں کمی کر دینے کی طرف نہایت زور کے ساتھ خیالات متوجہ ہو گئے تھے۔ اس قدیم آئین کو پہلی مرتبہ جو صدات پہنچے وہ ابتدائی قبصران روما کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، ٹراجن اور ہارڈین کی بعض بعض دست اندازیوں نے اس بارہ میں مخصوص قوانین کے نفاذ کے لئے راستہ صاف کر دیا تھا، اگرچہ ہم ان کے اجرا کی صحیح تاریخ کا تعین نہیں کر سکتے، مگر یہ مسلم ہے کہ ان کے ذریعہ سے باپوں کے اختیارات محدود ہو گئے تھے، اور ان اختیارات سے دست برداری کے لئے ہر طرح کی آسانیاں پیدا کر دی گئی تھیں۔ اس قدیم عمل درآمد سے کہ اولاد کو تین بار فروخت کر دینے کے بعد باپ کا حق زائل ہو جاتا تھا اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ اُس قدیم زمانہ

میں بھی اختیار پدیری کو زیادہ عرصہ تک قائم رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی۔ یہ قاعدہ کہ تین بار فروخت ہونے کے بعد بیٹا آزاد ہو جاتا ہے بظاہر اس غرض سے بنایا گیا تھا کہ یہ دستور ناجائز اور قابلِ سزا متصور ہو جو ابتدائی رومیوں کی مکمل اخلاقی حالت میں بھی بدنام سمجھا جاتا تھا۔ بارہ الواح کی اشاعت کے قبل بھی متقنین نے دانشمندانہ طریقہ سے اس قاعدہ کو والدین کے اختیارات کے زائل کر دینے کا ایک آلہ بنالیا تھا، خصوصاً ایسی صورتوں کے لئے جن میں خود باپ اس سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا۔

اولاد کی ذات پر جو اختیارات باپ کو حاصل تھے ان کی سختی کم کرنے میں جو جو اسباب مدد کر رہے تھے ان کا پتہ تاریخ سے نہیں چل سکتا۔ ہم نہیں بتا سکتے کہ جو اختیار قانون نے دیا تھا اس کو عام رائے نے کہاں تک کمزور کر دیا تھا، یا فطری محبت نے کہاں تک اس کو قابلِ برداشت کر رکھا تھا۔ گو اولاد کی ذات پر جو اختیارات تھے وہ آخر میں برائے نام رہ گئے ہوں، مگر رومیوں کا وہ ”اصول قانون“ جو اس وقت تک موجود چلا آتا ہے صاف طور سے بتا رہا ہے کہ باپ اپنے بیٹوں کی جائداد کے متعلق بلاتامل اور کامل طور سے وہ تمام اختیارات کام میں لاتے تھے جو انھیں قانون نے دیئے تھے جس زمانہ میں یہ اختیارات پہلی مرتبہ ہمارے پیش نظر ہوتے ہیں اس زمانہ میں ان کی وسعت سے ہمیں مطلق تعجب نہیں ہوتا۔ روما کے قدیم قانون میں ایسی اولاد جو والدین کے زیر اختیار ہو والدین سے جدا کسی جائداد کی مالک نہیں ہو سکتی تھی، یا یوں کہو کہ قانون مذکور اس امکان کو تسلیم ہی نہیں کرتا تھا کہ اولاد کبھی کسی جداگانہ جائداد کی ملکیت کی دعویٰ دہا کر ہو سکتی ہے۔ باپ اس کا مجاز تھا کہ وہ اولاد کی تمام کمسوبات لے لے، اور اس کے تمام معاہدات سے، بغیر اس کی بالمقابل ذمہ داریوں کے اٹھانے کے مستفید ہو۔ رومیوں کے ابتدائی تمدن پر نظر کر کے یہ امر مطلق خلاف امید نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ ابتدائی خاندانی جماعت کا کوئی تصور ہی نہیں قائم ہو سکتا جب تک یہ نہ فرض کر لیا جائے کہ اس کے ارکان کی تمام آمدنی مشترک ہوتی تھی، اور خاندان کا کوئی رکن اپنے ناما عاقبت

اندیشہ ذاتی معاہدہ کا بار خاندان پر نہیں ڈال سکتا تھا۔ اختیار پدري کا معنا یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ اس کے متعلق جو امر زیادہ تر تعجب انگیز ہے وہ یہ ہے کہ والدین کے ان مالکانہ اختیارات کے خاتمہ میں اس قدر تعویق کس طرح ہوئی اور نیز یہ کہ ان میں معقول کمی ہونے سے پہلے انھوں نے تمام مہذب دنیا پر کس طرح اپنا قبضہ کر لیا تھا۔ رومیوں میں پادشاہت قائم ہونے کے ابتدائی سالوں سے قبل اس دستور میں کسی قسم کی اصلاح کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ اسی زمانہ میں ایسے سپاہیوں کی آمدنی جو میدان جنگ میں تھے "اختیار پدري" کے اثر سے خارج کر دی گئی، گویا یہ منجملہ ان انعامات کے تھا جو فوج کو آزاد جمہوری حکومت کے توڑ دینے پر ملا تھا۔ اس سے تین سو سال کے بعد یہ قاعدہ استثناء ان لوگوں کی آمدنی پر بھی حاوی کر دیا گیا جو سلطنت کے ملکی خدمات پر مامور تھے۔ بظاہر یہ دونوں تبدیلیاں ایسی نہیں جن کا استعمال محدود تھا، اور ایسے اصطلاحی پیرایہ میں تجویز ہوئی تھیں کہ جہاں تک ممکن ہو وہ "اختیار پدري" کے اصول میں بہت کم ہارج ہوں۔ قانون روما میں ہمیشہ سے غلاموں اور زیر حفاظت فرزندوں کی "بالائی یافت" اور "پس انداز" کے لئے ضرور نہ تھا کہ وہ خاندانی حساب میں شریک کیا جائے اور اس کی نسبت ان لوگوں کی ایک محدود اور ماتحتانہ ملکیت تسلیم کی جاتی تھی۔ اس اجازتی ملکیت کا مخصوص نام "غنیمت" (Peculium) ایکو لیم، اس جائداد کے لئے بھی استعمال کیا جانے لگا جو جدید طور سے والدین کے اختیار سے خارج کر دی گئی تھی، اور جو فوجی لوگوں کی صورت میں مال غنیمت جو فوجیوں کی ملک ہو جائے Castrense Peculiam اور ملکی عہدہ داروں کی حالت میں زائمانہ جو غیر فوجی اشخاص کو حاصل ہو جائے Quasi-Castrense-Peculium کہلاتا تھا۔ اختیار پدري میں اس کے بعد اور بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قدیم اصول کی وہ ظاہری غلطی جو پہلے تھی قائم نہ رہی بلکہ عہدہ داروں کی جائداد کے استثناء کے تھوڑے ہی دن بعد مسططین اعظم نے باپوں کا وہ قطعی اختیار بھی سلب کر لیا جو انھیں بیٹوں کی ایسی جائداد پر حاصل

تھا جو انھیں اپنی ماؤں کی طرف سے پہنچتی تھی، اور اُسے صرف حین حیاتی کر دیا۔ اس کے بعد مغربی یورپ میں اور خفیف تبدیلیاں عمل میں آئیں، مگر ان کی انتہا مشرق میں جینیٹین کے زمانہ میں ہوئی، جس نے یہ قاعدہ بنا دیا کہ باستانی اولاد کی اس کسبہ جائیداد کے جو والدین کی جائیداد کے ذریعہ سے پیدا کی گئی ہو والدین کے حقوق اولاد کی دوسری کسبہ جائیداد پر صرف حین حیاتی رہیں گے۔ اختیار پدیری میں اس قدر کمی ہو جانے کے بعد بھی وہ اس مقدار میں اور اس قدر سخت تھے کہ ان کا مقابلہ زمانہ حال کے کسی آئین سے نہیں کیا جاسکتا۔ زمانہ حال کے ابتدائی مصنفان ”اصول قانون“ نے لکھا ہے کہ سلطنت روما کے وحشی اور جنگجو فاتح اور خصوصاً اسکلا وونیا کی نسل کی قومیں ایسی تھیں جن میں اختیار پدیری کا وجود پایا جاتا تھا اور جس کو کچھ تشابہ اس اختیار سے تھا جس کا ذکر (Pandects) اور ”مجموعہ قوانین“ میں ہوا ہے۔ جو لوگ جرمنی کی طرف سے آکر آباد ہوئے وہ ایک مجموعی اتحاد خاندانی کو جو ”منڈ“ یا بزرگ خاندان کے تحت ہوتا تھا تسلیم کرتے تھے، مگر یہ اہل روما کے اختیارات پدیری کا ایک مٹا ہوا سا خاکہ تھا، اور ان اختیارات سے بہت کم اور گھٹا ہوا تھا جو روما میں بالپوں کو حاصل تھے۔ فرینک قوم کے متعلق بصراحت یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان میں رومیوں کا یہ آئین نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ قدیم فرانسیسی مقننین کو جو تمام وحشیانہ دستوروں کی غلا کو قانون روما سے بھر دینے کی جدوجہد میں لگے ہوئے تھے اختیار پدیری کے مسئلہ کی دراندازی سے بچنے کے لئے اس صریح اصول متعارفہ سے مدد لینے کی ضرورت پڑی کہ ”اختیار پدیری فرانس میں تسلیم نہیں کیا جاتا ہے۔“ رومیوں کا اپنی قدیم حالت کی اس یادگار کو اتنے دنوں نباہ لے جانا خود تعجب انگیز ہے۔ مگر اس اختیار کا دنیا سے ایک مرتبہ غائب ہو جانے کے بعد پھر اس طرح تمام مہذب دنیا میں شائع ہو جانا اُس سے زیادہ تعجب انگیز ہے۔ ایسی حالت میں بھی کہ والدین کے اختیارات سے صرف ایک اہل فوج کی کسبہ جائیداد مستثنیٰ ہوئی تھی، اور والدین کو اپنی اولاد کی ذات پر بھی اختیارات حاصل تھے۔ روما کے حقوق شہریت، اور اس کے ساتھ ساتھ اختیار

پدری کا اصول سلطنت کے ہر گوشہ میں پھیلتا جاتا تھا۔ ہر شخص خواہ آفریقہ کا رہنے والا ہو یا اسپین یا گال یا انگلستان کا جو روما کی شہریت کے حق کی عزت، عطا، خرید، یا وراثت کے ذریعہ سے حاصل کر سکتا تھا وہ اپنے آپ کو روما کے ذاتی قانون کی تحت میں لے آتا تھا۔ جو اولاد اس حق کے حامل ہونے سے قبل پیدا ہو چکی تھی اس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بغیر اپنی رضا مندی کے اس قانون کے تحت نہیں آتی تھی، لیکن جو لوگ اس کے بعد پیدا ہوتے تھے وہ اور ان کی اولاد روما کے ”پسران خاندان“ کی معمولی حیثیت پیدا کر لیتی تھی۔ اس کے بعد روما کی سوسائٹی کی جو ترکیب تھی اس پر بحث کرنے کی ہمیں اس کتاب میں ضرورت نہیں معلوم ہوتی، مگر شاید اتنا کہنا بیجا نہ ہوگا کہ یہ رائے درست نہیں ہے کہ انٹرونیٹس کا راکالاکے آئین کا تمام رعایا کو شہریت روما کا حق عطا کر دینا کوئی اہم امر نہ تھا۔ خواہ اس کی تعبیر کسی طریقہ سے کی جائے اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ اس سے اختیارات والدین کے اصول کی اشاعت میں بہت بڑی وسعت پیدا ہو گئی ہوگی اور میرے خیال میں اس سے خاندان کے تعلقات میں جو مضبوطی پیدا ہوئی وہی اس اخلاقی انقلاب کا باعث ہوئی جو دنیا کو دوسری شکل میں لا رہا تھا، مگر یہ ایک ایسا امر ہے جس کو لوگ عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں حالانکہ وہ نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں ہے۔

اس مضمون کو ختم کر دینے کے قبل یہ امر قابل بیان معلوم ہوتا ہے کہ اب العائکہ (خاندان کا بزرگ) اپنے فرزندان زیر حفاظت کے جنایات (ٹارٹ یا افعال قابل ادائی ہر جہ) کا ذمہ دار متصور ہوتا تھا، اور اسی طرح وہ اپنے غلاموں کے اس قسم کے افعال کا بھی ذمہ دار سمجھا جاتا تھا۔ لیکن دونوں صورتوں میں ابتداء اس کو یہ عجیب اختیار حاصل تھا کہ وہ خاٹیوں کو نقصان کے کامل ایفا میں حوالے کر کے خود بری الذمہ ہو جائے۔ اس ذمہ داری کی جو اولاد

کی طرف سے عائد ہوتی تھی، اور والدین اور اولاد زیر حفاظت کے ایک دوسرے پر دعوے نہ کر سکنے کی توضیح بعض مقننین نے اس طرح کرنا مناسب خیال کیا ہے کہ باپ اور ابن العائلہ (فرزند خاندان) "ایک ذات سمجھے جاتے تھے۔" توریث کی فصل میں میں یہ بتاؤنگا کہ یہ "ایک ذات" ہونا کس معنی میں اور کہاں تک درحقیقت قابل قبول ہے۔ اس موقع پر صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ بزرگ خاندان کی یہ ذمہ داری، اور دوسرے قانونی واقعات جن پر آئندہ بحث ہوگی اب العائلہ کی ان ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو ان حقوق کے معاوضہ میں تھیں جو اسے حاصل تھے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اگر آگے اپنے رشتہ داروں کی ذات اور جائداد پر اختیار حاصل تھا، تو اس مالکانہ اختیار کے ساتھ یہ ذمہ داری بھی لگی ہوئی تھی کہ وہ تمام ارکان خاندان کی بسر برد کا مشترکہ سرمایہ سے انتظام کرے۔ اس ذمہ داری کی نوعیت کو سمجھنے میں جو دقت پیش آتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے دماغ سے موجودہ تصورات کا فی طور سے نہیں نکال سکتے۔ یہ کوئی قانونی فرض نہ تھا، کیونکہ قانون کا قدم اس وقت تک خاندانوں کی حدود میں نہیں آیا تھا۔ اسے اخلاقی بھی کہنا صحیح نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ تصور بعد کی دماغی ترقی کا نتیجہ ہے، مگر ہمارے مقصد کے لئے اسے "اخلاقی فرض" سے موسوم کرنا کافی ہے، بشرطیکہ ہم اس سے ایسا فرض مراد لیں جس کا اتباع نیم دانستہ طور سے کیا جاتا تھا اور جس کی تکمیل میں بہ نسبت صریح احکام کے فطرت اور عادت کو زیادہ تر دخل تھا۔

"اختیار پداری" اپنی معمولی شکل میں نہ کبھی مستقل بالذات آئین ہوا اور نہ میری رائے میں ہو سکتا تھا۔ ایسی حالت میں اس کے قدیم زمانہ میں عام طور سے رائج رہنے کے ثبوت کو کامل نہیں کہہ سکتے، مگر اسی حالت میں کہ تنہا اس مسئلہ پر غور کیا جائے لیکن قدیم قانون

کے دوسرے ایسے شعبوں پر غور کرنے سے، جن کا انحصار نہ علانیہ اور بادی النظری بلکہ پوشیدہ اور مخفی طور سے جو ہر شخص کو نظر نہیں آ سکتا اسی اصول پر تھا، اس کے ثبوت میں بڑی وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور سے قرابت یا اس معیار کو لے لو جس کے ذریعہ سے قدیم ”اصول قانون“ میں باہم رشتہ داریاں جانچی جاتی تھیں۔ اس موقع پر پھر ہمارے لئے دو رومی اصطلاحات (Agnatic) ”یک جدی قرابت داروں“ اور (Cognatic) ”رشتہ داروں“ کا استعمال موجب آسانی ہوگا۔ زمانہ حال کے خیالات کے لحاظ سے صرف یک جدی قرابت کا تصور قریب الفہم ہے: یہ وہ تعلق ہے جو دو متکومہ اشخاص کی نسل میں شریک ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، خواہ وہ اشتراک نسل ذکور کے ذریعہ سے ہو یا اناث کے ذریعہ سے۔ محض رشتہ داری (Agnatic) اس سے بالکل مختلف ہے: اس سے بہت سے ایسے لوگ خارج ہو جاتے ہیں جنہیں اس زمانہ میں ہم اپنا قرابت دار سمجھتے ہیں؛ اور بہت سے ایسے لوگ شامل ہو جاتے ہیں جنہیں ہم کبھی اپنا رشتہ دار نہیں قرار دے سکتے ہیں۔ یہ قدم زمانہ کے وہ تعلقات ہیں جو ایک خاندان کے مختلف اراکین میں قائم ہوتے تھے۔ ان کے اوزمانہ حال کی رشتہ داریوں کے حدود ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔

پس یک جدی قرابت دار وہ سب لوگ ہیں جو ایک مورث اور اس کی زوجہ کی نسل میں ہونے کا دعوے کر سکتے ہیں، یا اگر قانون روما کی صحیح اصطلاح کے لحاظ سے کہا جائے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ یک جدی قرابت دار وہ سب لوگ ہیں جو ایک ایسے شوہر اور زوجہ کی نسل سے ہوں جن کا نکاح بطریق جائز عمل میں آیا ہو۔ اس طور سے ”یک جدی ہونا“ ایک اضافی اصطلاح ٹھہرتی ہے۔ اور اس سے جس درجہ تک شرکت خون کا اظہار ہوتا ہے وہ اس نکاح پر منحصر ہوتا ہے جو اس حساب کے آغاز کا نقطہ قرار دے دیا

جائے۔ اگر ماں اور باپ کے نکاح سے حلال سبب شروع کیا جائے تو یک جدیوں میں صرف بھائی اور بہنیں شریک ہو سکیں گی، اگر دادا اور دادی کے نکاح سے حساب کریں تو چچا، پھپھیاں، اور ان کی اولاد شامل ہو جائے گی، اور اگر اسی غل کو اوپر بڑھاتے چلے جائیں تو یک جدی قرابت داروں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا جائے گا۔ زمانہ حال کے آدمی کو ان قرابتوں کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں پیش آ سکتی۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ ”رشتہ داروں“ (Agnates) میں کون لوگ شامل ہیں؟ سب سے اول قابل لحاظ یہ امر ہے کہ اس میں وہ سب یک جدی لوگ شریک ہیں جن کے تعلقات صرف بذریعہ ذکور قائم ہوتے ہیں۔ ان کا شجرہ اس طرح قائم ہوتا ہے کہ باری باری سے خاندان کے ہر مورث کو لیتے ہیں، اور اس میں اس کی تمام اولاد کو، خواہ وہ از قسم ذکور ہو یا اناث، شامل کرتے جاتے ہیں؛ اگر ایسے شجرہ کی مختلف شاخوں پر نظر ڈال کر ہم ہر عورت کے نام پر بھر جائیں اور اس شاخ کو وہیں چھوڑ دیں، تو جو لوگ ان عورتوں کی اولاد کو خارج کر دینے کے بعد باقی رہ جاتے ہیں وہ سب ”رشتہ دار“ ہیں، اور ان کے باہمی تعلقات ”رشتہ داری“ کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ میں اس غل کے متعلق جس کے ذریعہ سے ”یکجدی“ اور ”رشتہ داروں“ میں عموماً تمیز کی جاتی ہے کسی قدر اور نکھنا مناسب خیال کرتا ہوں، کیونکہ اس سے اس مشہور قانونی مقولہ کی تشریح ہوتی ہے کہ ”عورت خاندان کی خاتم ہے“۔ شجرہ کی جس شاخ میں عورت کا نام آ جاتا ہے وہیں وہ شاخ ختم ہو جاتی ہے اس عورت کی کوئی اولاد، قدیم خیالات کے لحاظ سے، خاندانی قرابت داروں میں نہیں شریک کی جاتی۔

قدیم قوانین کے نظام میں، جن سے ہم بحث کر رہے ہیں، اگر نظام مذکور ایسا ہے کہ اس میں تبہیت کا طریقہ جاری ہے تو

ہمیں ان سب لوگوں کو بھی، خواہ وہ ذکور ہوں یا اناث، یک جدی قرابت داروں میں شریک کرنا پڑے گا جو اس مصنوعی طریقہ سے خاندانی دائرہ کو وسیع کر کے اس میں شامل کر لئے گئے ہیں۔ مگر ان لوگوں کی اولاد اسی حالت میں یک جدی منصور ہوگی جبکہ وہ ان شرائط کی تکمیل کریں جو اوپر بیان ہو چکی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس شمول اور خروج کے کیا اسباب ہیں؟ رشتہ داری کا جو تصور ایسا وسیع ہو کہ اس کے ذریعہ سے خاندان میں بر بنائے نسبیت غیر لوگ بھی شریک ہو جائیں، وہ ایسا تنگ کسٹھ ہو جاتا ہے کہ خاندان کے اناث اراکین کی اولاد بھی اس میں شامل نہیں ہو سکتی؟ ان سوالات کے حل کے لئے ہم کو پھر اختیار پدیری کے مسئلہ کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ یک جدی قرابت کی بنیاد والدین کا ازدواج نہیں، بلکہ باپ کا اختیار ہے۔ تمام ایسے اشخاص جو ایک والدین کے تحت ہوں، یا قبل ازیں رہ چکے ہوں، یا رہ سکتے اگر ان کے آبا و اجداد اپنے اختیارات کے استعمال کے زمانہ تک زندہ رہتے، وہ سب باہمی یک جدی قرابت دار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قدیم خیال کے مطابق قرابت اختیار پدیری تک محدود ہے۔ جہاں سے پدیری اختیار شروع ہوتا ہے وہیں سے قرابت شروع ہوتی ہے؛ اور اسی بنا پر قبضی قرابت داروں میں داخل ہو جاتے ہیں؛ اور جہاں اختیار پدیری ختم ہو جاتا ہے وہیں قرابت داری بھی ختم ہو جاتی ہے اور اسی بنا پر ان لوگوں کے جنھیں باپ اپنے حد اختیار سے خارج کر دیتے ہیں تمام حقوق زائل ہو جاتے ہیں؛ اور یہیں سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ لڑکی کی اولاد کیوں اس قدیم قرابت کے دائرہ سے باہر رہتی ہے۔ اگر لڑکی ازدواج سے پہلے مر گئی ہے تو اس کی کوئی اولاد ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر اس کا ازدواج ہوا تو اس کی اولاد بجائے لڑکی کے باپ

کے، لڑکی کے شوہر کے باپ کے زیر اختیار ہوگی اور اس طور سے لڑکی کے خاندان سے علیحدہ ہو جائے گی۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر لوگ اپنے آپ کو اپنی ماں کے قرابت داروں کے قرابت دار کہتے تو قدیم سوسائٹی کی ترکیب ہی بگڑ جاتی؛ اور نتیجہ یہ نکلتا کہ ایک شخص کو دو مختلف اختیار پدیری کے تحت رہنا پڑتا، اور چونکہ ہر اختیار پدیری کے معنی ایک جداگانہ حکومت کے تھے اس لئے جو شخص دو اختیار پدیری کے تحت رہتا اس کو ایک ہی وقت میں دو مختلف احکام کی پابندی کرنی پڑتی۔ جب تک کہ خاندان کی حیثیت حکومت در حکومت یعنی ایک ایسی جماعت کی تھی جو ریاست جمہوری میں رہ کر اپنا انتظام ان آئین سے چلاتی ہے جن کا منبع والدین تھے، اس وقت تک قرابت کا ایک جدی قرابت داروں تک محدود رکھنا ایک ضروری امر تھا، تاکہ خانگی عدالت میں اختلاف قوانین نہ ہونے پائے۔

والدین کے حقیقی اختیار کا خاتمہ ان کی موت کے ساتھ ہو جاتا ہے، مگر قرابت ایک ایسا سانچہ ہے جس کے نشانات اس کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اصول قانون کی تاریخ کے متجسس کو قرابت کے مسئلہ میں دلچسپی لینی پڑتی ہے۔ قدیم قوانین کی بہت کم یادگاریں ایسی ہیں جن میں اختیار پدیری کا پتہ چلتا ہے، مگر ایک جدی قرابت کے قدیم وجود کے تقریباً ہر جگہ نمایاں آثار نظر آتے ہیں۔ ہندی یورپین نسلوں کی اقوام کے اصلی قوانین بہت کم ایسے ہیں جن کی قدیم ترین ترکیب سے وہ خصوصیات نہ ظاہر ہوتے ہوں جن کا تعلق صاف طور سے یک جدی قرابت سے ہے؛ مثلاً دھرم شاستر میں جو خاندانی اتباع کے قدیم خیالات سے منسوب ہے قرابت صرف یک جدی قرابت تک محدود کر دی گئی ہے۔ اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہندوؤں

کے شجروں میں عام طریقہ سے عورتوں کے نام بالکل ترک کر دئے جاتے ہیں۔ جن قوموں نے سلطنت روما کو درہم برہم کر دیا ان کے قوانین میں بھی رشتہ داری کی نسبت یہ خیالات اس قدر غالب ہیں کہ اس سے یہی قیاس ہوتا ہے کہ وہ ان کے قدیم رواج کے اجزائے تھے، اور ہمارا گمان یہ ہے کہ اگر بعد کے قانون روما کا اثر موجودہ زمانہ کے خیالات پر نہ پڑا ہوتا تو وہ خیالات اور زیادہ زور کے ساتھ یورپ کے زمانہ حال کے اصول قانون میں پائے جاتے مگر روما کے ملکی عہدہ داروں نے بہت جلد ایک جدی قرابت کو فطری رشتہ داری قرار دے کر اپنے نظام قانونی کو قدیم خیالات سے پاک کر دینے کی کوشش کی۔ انھیں کے خیالات ہم تک پہنچے ہیں، لیکن اب تک ایک جدی قرابت کے آثار موجودہ زمانہ کے اکثر قواعد توریث بعد از موت میں پائے جاتے ہیں۔ کاروبار سلطنت میں عورتوں اور ان کی اولاد کی محرومی (جو عام طور سے سالی قرانک کے رسم و رواج کی طرف منسوب کی جاتی ہے) کی تہ میں بھی نئی الحقیقت یہی یک جدی قرابت ہے۔ اور خاندانی معاویات (Allodial property) کی توریث کا قاعدہ جو جرمنی کے قدیم قانون میں تھا وہی اس کا ماخذ معلوم ہوتا ہے۔ انگریزی قانون کے اس عجیب و غریب قاعدہ کی تشریح بھی اسی یک جدی قرابت کے اصول سے ہوئی جس کی رو سے سوتیلے بھائی ایک دوسرے کی اراضی کے وارث نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ قاعدہ حال ہی میں منسوخ ہوا ہے۔ نارمنڈی کے رواج کے مطابق یہ قاعدہ صرف برادرانِ انخیا فی یعنی ان بھائیوں سے جو ایک باپ سے نہیں بلکہ ایک ماں سے ہوں متعلق تھا، اس محدود حالت میں وہ صاف طور سے اصول قرابت یک جدی کا ایک نتیجہ ہے جس کی رو سے برادرانِ انخیا فی مطلق ایک دوسرے کے رشتہ دار نہیں متصور ہوتے۔ جب یہ مسئلہ انگلستان پہنچا، تو انگلستان کے

مقننین نے جو اس کے اصول سے ناواقف تھے ایسے سوتیلے بھائیوں سے یعنی ایک باپ کی اولاد سے جو مختلف بیبیوں کے بطن سے ہو، متعلق کر دیا۔ قانون کے مفروضہ فلسفہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں اس لاطائل اور طویل سو فسط سے زیادہ کوئی چیز حیرت انگیز نہیں ہے جس کے ذریعے سے بلیک اسٹون نے سوتیلے بھائیوں کی محرومی کے وجہ قائم اور بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

میرے نزدیک اس امر کا ثابت کرنا کچھ دشوار نہیں ہے کہ خاندان جو والدین کی حکومت پر مبنی ہے تمام ذاتی قوانین کی جڑ ہے۔ اور ان قوانین کے مختلف اجزاء میں سب سے اہم جزو وہ ہے جو عورتوں کی حیثیت سے متعلق ہے۔ یہ امر قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ قدیم ”اصول قانون“ میں اگرچہ عورت کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ یک جدی قرابت کے حقوق اپنی اولاد پر منتقل کرے، مگر وہ خود یک جدی قرابت کے سلسلہ میں منسلک رہتی ہے۔ عورت کا تعلق اس خاندان سے جس میں وہ پیدا ہوئی بہ نسبت اس کے مرد رشتہ داروں کے زیادہ تر سخت، قوی، اور دیرپا ہوتا تھا۔ ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ قدیم قوانین صرف خاندانوں کا لحاظ کرتے ہیں؛ جس کے دوسرے الفاظ میں یہ معنی ہیں کہ وہ صرف ایسے ہی اشخاص کا لحاظ کرتے ہیں جو اختیارات پدری کو کام میں لائے ہیں، اور صرف یہی ایک اصول ہے جس کی بنا پر یہ حق باپ کے فوت ہو جانے کے بعد بیٹے یا پوتے کو اس خیال سے عطا کیا جاتا ہے کہ ان میں یہ پوشیدہ قابلیت موجود ہوتی ہے کہ وہ ایک جدید خاندان قائم کریں اور ایک جدید اختیار پدری کا مرکز قرار پائیں۔ چونکہ عورت میں یہ قابلیت نہیں ہوتی اس لئے وہ اس آزادی کی مستحق نہیں قرار پاسکتی جو اس قابلیت کا لازمی نتیجہ ہے۔ قدیم قوانین نے اس لحاظ سے ایک خاص ترکیب ایسی رکھی ہے جس سے عورت زندگی بھر خاندان کی قید سے آزاد نہیں ہو سکتی۔ قدیم ترین روما کے قانون میں یہ آئین ”عورت کی دوامی ولایت“

کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کی رو سے ایک عورت اگرچہ اپنے والد کے فوت ہو جانے کی وجہ سے اس کے اختیار سے خارج ہو جاتی ہے مگر تمام عمر اپنے قریب ترین ذکور رشتہ داروں یا اپنے باپ کے نامزد کردہ اولیا کی ولایت میں رہتی ہے۔ دوائی ولایت کے اصول کو اختیار پوری کی ایک مصنوعی توسیع کے سوا کچھ اور نہیں کہا جاسکتا، وہ ایسے وقت میں بھی قائم رہتا ہے جبکہ دوسرے مقاصد کے لحاظ سے اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ہندوستان میں یہ دستور اس وقت تک بحکم جاری ہے، اور اس کا عمل اس سختی کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ بعض اوقات ایک ماں خود اپنے بچوں کی ولایت میں آ جاتی ہے۔ یورپ میں سکینڈینیویا کی قوموں میں بھی عورتوں کے متعلق ایسا ہی قانون تھا جو حال ہی میں منسوخ ہوا ہے۔ روما کی مغربی سلطنت پر حملہ آور قوموں کے ملکی آئین میں بھی عام طور سے اس کا رواج تھا، اور مغربی دنیا میں جو خیالات ان کی وجہ سے شائع ہوئے ان میں سب سے زیادہ مانع ترقی مجموعی طور سے ان کا خیال متعلقہ ولایت تھا۔ مگر قانون رومانے نشوونما پا کر اس کو اپنے نظام قانونی سے بالکل خارج کر دیا۔ اگر ہمارے ہاتھ میں صرف جینین کے تالیفات ہوتے تو ہمیں اس کے متعلق کسی قسم کا علم ہی نہیں ہو سکتا تھا، لیکن کیٹس کی قلمی تالیف کے دستیاب ہو جانے سے اس کا پتہ ایسے دلچسپ موقع پر ملتا ہے جبکہ اصول مذکور بالکل بے اعتبار ہو چکا تھا اور فنا ہو جانے کے قریب تھا۔ یہ ممتاز مقنن خود اس رائے کی مخالفت کرتا ہے جس میں عورتوں کی دماغی کمزوری اس اصول کی تائید میں عام طور سے پیش کی جاتی تھی۔ اس کی تصنیف کا بڑا حصہ ان مختلف ترکیبوں کے بیان سے، جن میں سے بعض میں خیر معمولی ذہانت صرف کی گئی تھی، ملو ہے جو روما کے مقننین نے اس غرض سے نکالی تھیں کہ عورتیں قدیم قواعد کے اثر سے محفوظ رہ سکیں۔ قانون فطرت کی رہنمائی سے مقننین نے بظاہر اس وقت قانون نصیحت میں عورتوں اور مردوں کی مساوات کو تسلیم

کر لیا تھا۔ جن قیود کو وہ توڑنا چاہتے تھے وہ انتقال جائیداد کے قیود تھے، کیونکہ کوئی عورت بغیر اپنے ولی کی باضابطہ رضا مندی کے اپنی کوئی جائیداد کسی کے نام منتقل کرنے کی مجاز نہ تھی۔ عورت کی ذات پر اختیار کا مسئلہ بظاہر اس سے قبل ہی باطل اور منسوخ ہو چکا تھا۔

قدیم قانون میں عورتیں اپنے قریب ترین نیک جدی اعزہ کے زیرِ اختیار تھیں، زمانہ حال کے قوانین کی ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ شوہروں کے ماتحت کردی گئی ہیں۔ اس تبدیلی کی تاریخ قابلِ لحاظ ہے۔ اس کا آغاز روما کی قدیم تاریخ سے ہوتا ہے۔ روما کے دستور کے مطابق ازدواج کی تین صورتیں تھیں: ایک وہ تھی جس میں مذہبی رسوم ادا ہوتے تھے، اور بقیہ دو میں بعض ملکی ضوابط کی پابندی کی جاتی تھی۔ مذہبی ازدواج کا فریشن (Confarreation) اور سول ازدواج کی اعلیٰ قسم "کو امپیشن (Coemption) اور ادنیٰ قسم "یوسس" (Usus) کہلاتی تھی۔ ان تینوں شکلوں میں شوہر کو اپنی زوجہ کی اذات اور اس کی جائیداد پر بعض ایسے اختیارات حاصل ہو جاتے تھے جو ان اختیارات سے بدرجہا بڑھے ہوئے ہوتے تھے جو زمانہ حال کے کسی نظام قانونی کی رو سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ اختیارات شوہروں کو کس حیثیت سے حاصل ہوتے تھے؟ نہ بحیثیت شوہر بلکہ بحیثیت باپ کے۔ ازدواج کی تینوں شکلوں میں عورت قانونی طور سے اپنے زوج کی دختر متصور ہوتی تھی، اور اس کے دائرہ اختیار پدری میں آ جاتی تھی۔ جب تک یہ اختیار قائم رہتا تھا اس پر اختیار پدری کی تمام ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں، اور ان کے خاتمہ کے بعد بھی ان سے نجات حاصل نہیں ہوتی تھی۔ عورت کی تمام جائیداد قطعی طور سے شوہر کی ہو جاتی تھی، اور شوہر کے مر جانے کے بعد بھی وہ اس شخص کی دلایت میں رہتی تھی جسے اس کا شوہر اپنا وصی مقرر کر جاتا تھا۔ ازدواج کی متذکرہ بالا تینوں قدیم قسمیں رفتہ رفتہ متروک ہوتی گئیں، یہاں تک کہ روما کے انتہائی عظمت کے زمانہ میں ان کی جگہ ادنیٰ قسم کے

سول ازدواج کی ایک تبدیل شدہ شکل رائج ہو گئی، اگرچہ یہ بھی بظاہر ایک قدیم شکل تھی، مگر اُس وقت تک بے وقتی کی نظر سے نہیں دیکھی جاتی تھی سول ازدواج کی، جو اس زمانہ میں اس قدر رائج تھی، اصطلاحی ترکیب کی تشریح کے بغیر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اُس کی حیثیت قانوناً اس سے زیادہ نہ تھی کہ عورت کو اس کے خاندان کے لوگ عارضی طور سے مرد کے سپرد کر دیتے تھے۔ اس سے خاندان کے اختیارات میں کوئی فرق نہیں آتا تھا، اور عورت انھیں لوگوں کی ولایت میں رہتی تھی جن کو اس کے والدین نے مقرر کر دیا تھا، اور ان کا اعلیٰ اختیار اہم معاملات میں شوہر کے ادنیٰ اختیار سے بڑھا ہوا ہوتا تھا۔ پس روما کے قانون مابعد کے رجحان کا نتیجہ یہ ہوا، جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے، کہ رومی عورتیں، خواہ وہ منکوحہ ہوں یا غیر منکوحہ، ذاتی اور مالی لحاظ سے زیادہ تر آزاد ہو گئیں، ان کے اولیا کے اختیارات سلب ہو گئے اور نکاح کی جو شکل رائج ہو گئی اس سے شوہروں کو اس قدر اختیارات حاصل نہیں ہوتے تھے جو اولیا کے اختیارات کی کمی کو پورا کر سکیں۔ لیکن عیسویت نے ابتدا ہی سے اس غیر معمولی آزادی کے دائرہ کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ جدید مذہب کے اختیار کرنے والوں نے، ابتدا میں ڈھلتی ہوئی بت پرست دنیا کی مروجہ بد اخلاقیوں کو دور کرنے کے لئے، مگر بعد، محض رہبانیت کے جوش میں، ان ناخوش گوار ازدواجی تعلقات کو، جن سے بدتر شاید ہی کبھی مغربی دنیا میں رائج ہوئے ہوں، ناپسندیدہ نظر سے دیکھنا شروع کیا۔ روما کے اس آخری قانون میں، جس پر عیسائی قیصروں کا اثر پڑا، صاف طور سے ان آزاد اصول کی مخالفت کے آثار پائے جاتے ہیں جو عہد انٹینی کے بڑے بڑے مقننین نے قائم کئے تھے۔ جو مذہبی خیالات اس زمانہ میں شائع ہیں ان سے اس امر کی تشریح ہوتی ہے کہ زمانہ حال کے ”اصول قانون“ نے، جو وحشیوں کے غلبہ کی گرما گرمی اور روما کے ”اصول قانون“ اور پندرہویں حکومت کے مراسم کے

اختلاط سے بن کر تیار ہوا ہے، کیوں اس قدر کثیر مقدار میں عورتوں کی حیثیت کے متعلق ایسے قواعد اختیار کر لئے ہیں جو مخصوص طور سے ایک غیر مکمل تمدن کے لئے موزوں ہیں۔ اس بد نظمی کے زمانہ میں جس سے موجودہ تاریخ کا آغاز ہوتا ہے، اور جس وقت تک جرمنی اور اسکلونیا کے نوآباد لوگوں کے قوانین اہل روم کے ”اصول قانون“ مروجہ صوبجات پر ایک بالائی تہ کی طرح چھائے رہے، ہر جگہ یہی نظر آتا ہے کہ سبر آدرڈ قوموں کی عورتیں مختلف بے اصول ولایت کی بلا میں مبتلا ہیں۔ اور جو شوہر بجز اپنے خاندان کے کسی دوسرے خاندان سے زوجہ انتخاب کرتا ہے ایسے حق ولایت کی دست برداری کے معاوضہ میں زوجہ کے رشتہ داروں کو ایک رقم دینی پڑتی ہے۔ جب ہم آگے بڑھ کر اس زمانہ تک پہنچتے ہیں کہ ان دونوں قانونی نظاموں سے اہل کر زمانہ وسطیٰ کے قوانین تیار ہوتے ہیں، اس وقت ان قواعد میں جو عورتوں کے متعلق ہیں دونوں قانونی نظاموں کے آثار صاف طور سے نظر آتے ہیں۔ البتہ روم کے ”اصول قانون“ کو اس درجہ تک تفوق حاصل ہے کہ غیر منکوحہ عورتیں (بہ استثناء بعض مقامی قواعد کے) عام طور سے خاندان کی غلامی سے آزاد ہیں۔ مگر منکوحہ عورتوں کی حیثیت پر وحشیوں کے قدیم اصول کا اثرباقی ہے۔ اور شوہر اپنے ازدواجی تعلق کی بنا پر وہ اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے جو ایک زمانہ میں زوجہ کے ذکور قرابت داروں کو حاصل تھے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ اب اس کو ان حقوق کے حصول کے لئے کوئی رقم نہیں دینی پڑتی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے جنوبی اور مغربی یورپ کا موجودہ قانون اپنی اہم خصوصیت، یعنی غیر منکوحہ اور بیواؤں کو بالاعتبار آزادی دینے اور منکوحہ عورتوں پر ناقابلیت کا بھاری بوجھ ڈالنے کے لحاظ سے، میز اور جدا ہونا شروع ہوتا ہے۔ ازدواج کی وجہ سے جو ماتحتی عورتوں پر عائد ہوتی تھی اس میں ایک عرصہ دراز کے بعد کمی ہونی شروع ہوئی۔ یورپ کی عہد کرنے والی بربریت سے نجات دلانے والوں

میں سب سے قوی اور خاص ذریعہ ان مقامات میں ہمیشہ مجموعہ قوانین جینیٹین ہی ثابت ہوا ہے، جہاں کہیں اس کا مطالعہ اس جوش کے ساتھ کیا گیا ہے جس کا پیدا کر دینا خود اس کا خاصہ تھا۔ اس مجموعہ نے پوشیدہ مگر کامل طور سے ان مراسم کی بیخ کنی کر دی جن کی صرف تعبیر کا وہ مدعی تھا۔ مگر قانون مذکور کے وہ حصے جو منکوحہ عورتوں کے متعلق تھے عموماً قانون روما نہیں، بلکہ مذہبی قانون، کی روشنی میں پڑھے جاتے تھے، جو ملکی قانون سے کسی معاملہ میں اس قدر مختلف نہیں ہے جتنا کہ ازدواجی تعلقات میں ہے۔ ایک ایسا امر تھا جس سے بظاہر کوئی چارہ نہ تھا، کیونکہ کوئی سوسائٹی جس کو تھوڑا سا بھی عیسویت سے لگاؤ ہو اس امر کو گوارا نہیں کر سکتی کہ منکوحہ عورتوں کی اس ذاتی آزادی کو، جو روما کے قانون وسطیٰ میں انھیں حاصل تھی، برقرار رکھے۔ منکوحہ عورتوں کی وہ ناقابلیت جس کا تعلق ملکیت سے تھا ان کی ذاتی ناقابلیت سے بالکل جداگانہ بنیاد پر تھی۔ مذہبی قوانین کے شارحین نے اپنے اصولی رجحان کی بنا پر مقدم الذکر ناقابلیت کو زندہ اور قائم رکھنے کی کوشش کی، اور اسی نے تمدن کو سخت نقصان پہنچایا۔ ملکی اور مذہبی اصول میں اکثر تضادم ہوئے مگر ہمیشہ مذہبی اصول ہی غالب رہے۔ فرانس کے بعض صوبجات میں ملکہ امرا کے نیچے درجہ کی منکوحہ عورتوں کو اپنی جائداد کے متعلق وہی تمام اختیارات حاصل تھے جو ان کو روما کے قانون نے دیئے تھے، اور اسی مقامی قانون کی بڑی حد تک نیپولین کے کوڈ میں پیردی کی گئی تھی۔ مگر اسکاٹ لینڈ کے قانون سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو خاص توجہ اہل روما کے مقنین کے اصول کی طرف مبذول تھی وہ دوامی طور سے منکوحہ عورتوں کی ناقابلیت کو دور کر دینے میں کامیاب نہ ہوئی۔ جو قانونی نظام منکوحہ عورتوں کے حق میں بہت کم نرم ہیں وہ وہی ہیں جنھوں نے کلیتہً مذہبی قوانین کی پابندی کی ہے؛ یا جن پر یورپ کی تہذیب کا اثر اس قدر دیر میں پڑا کہ وہ اپنے نظام قانونی کو بیکار اور فطول مراسم سے پاک و صاف نہ کر سکے۔ ڈنمارک اور سویڈن

کے قوانین، جو صدیوں سے عورتوں کے حق میں نہایت سخت رہے ہیں، اب بھی بہ نسبت یورپ کے دوسرے ممالک کے قوانین کے منکوحہ عورتوں کے حق میں زیادہ مفید نہیں ہیں۔ عورتوں کے مالکانہ حقوق کا مزاحم سب سے زیادہ خود انگلستان کا عمومی قانون ہے جس کے اہم اصول زیادہ تر مذہبی قوانین سے اخذ کئے گئے ہیں۔ اس قانون کے اُس جزو کو دیکھ کر جس میں منکوحہ عورتوں کی حیثیت بتائی گئی ہے انگلستان کا باشندہ اُس اہم آئین کے مجھے اور اس کے متعلق ایک تصور قائم کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے جس پر اس فصل میں بحث کی گئی ہے۔ میرے نزدیک قدیم ”اختیارات پدری“ کے عمل اور نوعیت کے اظہار کے لئے اس سے بہتر کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی کہ جو اختیارات انگلستان کے خالص قانون عمومی کی رو سے شوہروں کو حاصل ہیں وہ پیش نظر رکھے جائیں، اور اس پر غور کیا جائے کہ ہر قسم کے حقوق، فرائض، اور چارہ کار میں جہاں نصفیت یا موضوعہ قوانین کا اثر نہیں پڑتا، زوجہ کس طرح اور کس درجہ تک کامل قانونی ماتحتی میں رکھی گئی ہے۔ اولاد زیر اختیار کے متعلق جو فرق روما کے قدیم اور قانون مابعد میں ہے وہی فرق انگلستان کے عمومی قانون کے قواعد اور ان قواعد میں ہے جو چانسری کی عدالت زوجہ کے نسبت نافذ کرتی ہے۔

اگر ہم زوجہ اور اولاد کی ولایت کے اصلی مآخذ سے قطع نظر کر کے اس مضمون پر عام الفاظ میں بحث کریں تو ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ قدیم قوانین میں عورتوں کے حقوق ملتویہ کے مفروضہ کو انتہائی طوالت دی گئی ہے۔ برخلاف اس کے جو قواعد مذکور تینامی کی ولایت کے متعلق قرار پائے ہیں ان میں وہ عیب (اختصار) نظر آتا ہے جو بالکل اس کے متضاد ہے۔ ان قوانین میں اولاد مذکور کی ولایت کا زمانہ غیر معمولی طور سے جلد ختم ہو جاتا ہے۔ روما کے قدیم قانون کی رو سے جسے ان قوانین کا مآخذ اور نمونہ کہنا چاہئے، بیٹا جو اپنے باپ یا دادا کے انتقال کے بعد ”اختیارات پدری“ سے خارج ہو جاتا تھا اس عمر تک زیر ولایت رکھا جاتا تھا جو

عام مقاصد کے لئے (۱۵) سال کی قرار دی جاسکتی ہے۔ اس عمر کو پہنچ کر وہ اپنی ذات اور جائیداد دونوں کے متعلق پورے طور سے آزاد ہو جاتا تھا۔ اس لئے نابالغی کا زمانہ نامناسب طور سے اُسی قدر مختصر نظر آتا ہے جس طرح عورتوں کی ناقابلیت کا زمانہ بیجا طور سے طویل کر دیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان حالات میں جن میں ولایت کی یہ دو شکلیں ابتدا پیدا ہوئیں اختصار اور طوالت کو کوئی دخل نہ تھا، اور نہ ان میں سے کوئی شکل کسی عام یا خاص آسانی کے خیال سے قائم کی گئی تھی۔ ابتدا میں اولاد ذکور کی ولایت کا نہ یہ نشا تھا کہ سن بلوغ تک ان کی حفاظت کی جائے، اور نہ عورتوں پر ولایت کے قیام کا یہ مقصد تھا کہ ان کی حالت کمزوری میں مدد کی جائے۔ باپ کے فوت ہو جانے کے بعد بیٹے کے آزاد ہو جانے کی وجہ یہ تھی کہ اس میں یہ قابلیت موجود تھی کہ وہ ایک خاندان کا بانی ہو کر ایک جدید "اختیار پدري" کا سلسلہ قائم کرے۔ چونکہ عورت میں یہ قابلیت موجود نہ تھی اس لئے وہ کبھی آزاد نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لحاظ سے یہ سمجھنا چاہئے کہ اولاد ذکور کی ولایت کا نشا یہ تھا کہ والدین کی اطاعت کا ایک نشان اس وقت تک کے لئے قائم رہے جب تک کہ لڑکے میں خود باب ہونے کی قابلیت نہ پیدا ہو جائے؛ گویا یہ "اختیار پدري" تھی اس وقت تک کے واسطے ایک توسیع تھی جب تک کہ لڑکے کی جسمانی تکمیل نہ ہو جائے۔ حد بلوغ کو پہنچنے پر اس کا خاتمہ ہو جاتا تھا، اور یہی اس اصول کا مقتضی بھی تھا۔ لیکن اس میں یتیم لڑکے کے لئے تکمیل عقل اور اس کا قابل کار ہونا لازم نہ تھا، اور اس سے کوئی عام آسانی پیدا نہ ہوتی تھی۔ اہالی رومانے اس نقص کو اپنی تمدنی ترقی کی ابتدا ہی میں دریافت کر لیا تھا۔ رومیوں کے وضع قوانین کی قدیم ترین یادگار "قانون لی لای ٹوریا یا پلٹیٹوریا" (Lex Laetoria or Plaetoria) ہے جس کی رو سے تمام آزاد مرد جو سن و سال اور حقوق کے لحاظ سے کامل تھے عارضی طور سے اولیاء کی ایک جدید جماعت کے ماتحت کر دیے جاتے

تھے جو ”گیورٹیر“ کے نام سے موسوم ہوتے تھے۔ ان لوگوں کے ہر فعل اور معاہدہ کے جواز کے لئے گیورٹیر کی منظوری ضروری ہوتی تھی؛ جب یہ نوجوان (۲۶) سال کی عمر کو پہنچ جاتے تھے اس وقت یہ قانونی نگرانی باقی نہیں رہتی تھی؛ قانون روما میں صرف اسی عمر یعنی (۲۵) سال کے متعلق الفاظ ”مبارٹی“ اور ”مبارٹی“ مستعمل ہوئے ہیں۔ زمانہ حال کا اصول قانون مستقل طور سے صرف ایک سادے اصول، یعنی نابالغ کی جسمانی اور دماغی عدم پختگی کی حالت میں حفاظت کو، پیش نظر رکھتا ہے؛ اور یہ نگرانی فطری طور سے سن شعور کو پہنچ جانے پر ختم ہو جاتی ہے۔ مگر اہل رومانے جسمانی کمزوری، اور دماغی ناقابلیت کی حالت میں، حفاظت کے لئے دو مختلف انتظام کئے تھے، جو کہ اصول اور ترکیب دونوں میں ایک دوسرے سے جدا تھے۔ زمانہ حال کی ولایت کے تصور میں یہ دونوں امور جمع ہیں۔

قانون متعلق بہ اشخاص میں ایک اور ایسی فصل موجود ہے جس کو ہم اپنے مقصد کے لئے اس موقع پر مفید طور سے پیش کر سکتے ہیں۔ مکمل قانونی نظاموں میں جو قواعد آقا اور غلام کے متعلق ہیں ان سے صاف طور سے اس کے آثار نہیں پائے جاتے کہ یہ ابتدائی حالت تمام قدیم سوسائٹیوں میں یکساں تھی۔ اس اختلاف کے بعض وجوہ ہیں۔ غلامی بجائے خود ایک ایسا دستور ہے جس کو انسان ہر زمانہ میں خواہ اُس نے اخلاقی احساسات میں کتنی ہی کم ترقی کی ہو، اور خواہ وہ کتنا ہی کم فکر و خوض کا مادی ہو، نفرت اور حیرت کی نظر سے دیکھتا رہا ہے۔ قدیم جماعتوں کو جو پشیمانی خود بخود اس فعل سے ہوتی تھی اس کا اظہار اس خیالی اصول کے اختیار کرنے سے ہوتا ہے جو اس دستور کی حمایت، یا کم از کم جواز کے لئے مقرر کر لیا گیا تھا۔ یونانیوں نے اپنی قدیم تاریخ میں اس دستور کو بعض قوموں کی دماغی کمزوریوں پر محمول کیا تھا جس کا فطری نتیجہ حالت غلامی میں رہنا تھا۔ اہل رومانے بھی اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس کا ماخذ وہ فرضی معاہدہ بنا لیا تھا جو فاتح اور مفتوح کے درمیان میں ہوتا تھا؛

جس کی رو سے فاتح اپنے دشمنوں سے دوامی خدمت لینا قبول کرتا تھا، او مفتوح اس معاوضہ میں وہ زندگی حاصل کرتا تھا جو جائز طور سے معرض ضللی میں آچکی تھی۔ یہ رائیں نہ صرف غلط بلکہ صاف طور سے اس مقصد کے اظہار کے لئے بھی جو پیش نظر تھا نا کافی تھیں، لیکن باوجود اس کے مختلف طریقہ سے ان کے قوی اثرات پڑتے تھے۔ ان سے آقا کے ضمیر کو اطمینان، اور غلام کی تذلیل میں نہ صرف دوام بلکہ زیا دتی ہوتی ہوگی۔ ان کا فطری رجحان یہ ہوگا کہ جو ابتدائی تعلق غلامی کو خاندان کے دوسرے تعلقات سے تھا وہ بالکل نظر سے پوشیدہ ہو جائے۔ اس تعلق کا اظہار اگرچہ صاف طریقہ سے نہیں ہوتا مگر قدیم قوانین کے بعض حصوں، اور خصوصاً اس بے مثل نظام قانونی یعنی قدیم روما کے قانون سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

امریکہ کی ریاستہائے متفقہ میں اس امر کی تحقیقات میں بہت کچھ محنت اور علم سے کام لیا گیا ہے کہ آیا سوسائٹی کے ابتدائی مدارج میں غلام خاندان کا ایک مسلہ کن سمجھا جاتا تھا یا نہیں؟ ایک معنی میں اس کا جواب یقینی طور سے اثبات میں دیا جاسکتا ہے۔ قدیم قوانین اور اکثر قدیم تاریخیں اس امر کی شاہد ہیں کہ غلام بعض صورتوں میں اپنے آقا کے وارث اور عام جانشین قرار پاتے تھے، اور اس معنی خیز دستور سے، جیسا کہ میں فصل وراثت میں بیان کروں گا، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مخصوص صورتوں میں خاندان کی نیابت اور حکومت پر غلام فائز ہو سکتے تھے۔ امریکہ میں اس مضمون پر جو مباحث ہوئے ان میں بظاہر یہ مان لیا گیا تھا کہ اگر غلامی قدیم خاندان کی ایک رسم تسلیم کر لی جائے تو اس سے زمانہ حال کی حبشیوں کی غلامی کا اخلاقی جواز نکل آئے گا۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کہنے کے کیا معنی ہیں کہ ابتدائی زمانہ میں غلام خاندان میں شامل تھے؟ اس کہنے کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ ان کی حیثیت ان بدترین خیالات کا ثمرہ نہ تھی جو ازل کے دل میں آسکتے ہیں۔ محض اپنی خوشی اور راحت کے لئے دوسرے

شخص کی جسمانی قوت کو کام میں لانے کی خواہش فی اسحقیقت غلامی کی بنیاد ہے۔ اور وہ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسانی فطرت ہے۔ جب ہم غلاموں کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ وہ قدیم زمانہ میں خاندان کے رکن تھے تو ہم ان لوگوں کے مقصد کو پیش نظر نہیں رکھتے جنہوں نے ان کو خاندان میں لا کر رکھایا رہنے دیا تھا؛ بلکہ ہمارا عام مقصد صرف اس تعلق سے ہوتا ہے جو ان کو خاندان کے دوسرے ارکان کی طرح اپنے آقا سے ہوتا ہے۔ یہ اس عام مقولہ کا نتیجہ ہے، جسے ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں، کہ انسان کے ابتدائی خیالات اس قابل نہ تھے کہ وہ باہمی انفرادی تعلقات کی بنیاد کو خاندان کے تعلقات سے جدا کر کے سمجھ سکیں۔ خاندان بطور خاص ان لوگوں سے مرکب ہوتا تھا جو یکجہدی ہوتے تھے دوسرے درجہ میں وہ لوگ تھے جو ذریعہ تبئیت اس میں شامل ہو جاتے تھے۔ ان کے علاوہ ایک تیسری جماعت وہ تھی جو صرف بزرگ خاندان کے زیر حکومت ہونے کی وجہ سے شریک خاندان سمجھی جاتی تھی، اور یہ غلام تھے۔ جو لوگ خاندان میں پیدا ہوئے تھے یا بذریعہ تبئیت اس میں داخل ہو گئے تھے یہ لوگ غلاموں سے اس یقین کی بناء پر بڑھے ہوئے تھے کہ معمولی سلسلہ واقعات میں وہ بزرگ خاندان کی حکومت سے ایک دن آزاد ہو کر خود ان اختیارات کے استعمال کے قابل ہو جائیں گے۔ لیکن غلام اس قدر ادنیٰ حیثیت میں نہ تھے کہ وہ خاندان کے دائرہ سے باہر سمجھے جائیں یا وہ حقیر اور بیجا انسان کے مساوی متصور ہوں۔ اس کا ثبوت صاف طور سے میرے نزدیک ان کثیر آثار سے ملتا ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں وہ آخری درجہ میں قابلِ وراثت قرار پاتے تھے۔ اس امر کے متعلق کوئی قیاس قائم کرنا خطرہ سے خالی نہیں کہ ابتدائے تمدن میں پدرسری حکومت کے اندر غلاموں کی ایک معین ہو جانے سے ان کی حیثیت میں کیا فرق آیا ہوگا۔ قیاس غالب یہی ہے کہ بیٹا عملی طور سے غلام کے ساتھ منضم کر دیا گیا ہوگا، بظاہر

یہ اس قیاس کا کمزرا مکان ہے کہ غلام ان مہربانیوں میں شریک ہو جو آخر آخر میں بیٹوں کے ساتھ کی جانے لگی تھیں۔ مگر ترقی یافتہ قوانین کے متعلق یہ امر ایک حد تک یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ جہاں غلامی کی اجازت دی گئی ہے ان میں غلام ان قانونی نظاموں میں زیادہ تر آرام سے ہیں جن میں ان کی قدیم حالت پیش نظر رکھی گئی ہے بہ نسبت ان قانونی نظاموں کے جن میں ان کی ملکی تہذیب کا کوئی جدید اصول قرار دے دیا گیا ہے۔ غلاموں کے لئے یہ امر نہایت اہم ہے کہ ”اصول قانون“ انہیں کس نظر سے دیکھتا ہے۔ قانون روما کے اس روز افزوں رجحان کو، کہ غلام مثل دوسرے اسباب خانہ داری کے ہیں، قانون فطرت نے روک دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان قوانین اور آئین میں جن پر روما کے ”اصول قانون“ کا گہرا اثر پڑا ہے غلاموں کی حالت ناقابل برداشت طور سے خراب نہیں ہے۔ اس کی کافی شہادت موجود ہے کہ امریکہ کی ان ریاستوں میں جنہوں نے لوئیسیانہ کے رومی نما قوانین کو اپنے اصول قانون کی بنیاد قرار دیا، جشیوں کی حالت اکثر اہم امور میں اس وقت تک بہت بہتر تھی جب تک کہ اصلی قانون کے الفاظ کو ان جدید ایکٹوں نے چھپا نہیں دیا تھا، جو نہ بہ اتباع ان آئین کے جو انگلستان کے عمومی قانون پر مبنی ہیں، بلکہ برعکس خوف جاری کئے گئے تھے۔ ان کی موجودہ تعمیر کے لحاظ سے غلاموں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اس لئے وہ مثل دوسرے اسباب خانہ داری کے متصور ہوتے ہیں۔

ہم نے قدیم قانون اشخاص کے ان تمام اجزاء سے بحث کر لی جو اس کتاب کے مقاصد کے لئے ضروری تھے اور ہمیں امید ہے کہ اس سے ”اصول قانون“ کی ابتدائی حالت کے متعلق ہمارے جرنیالات تھے وہ زیادہ تر متعین اور واضح ہو گئے ہوں گے۔ حکومتوں کے ملکی قوانین کا آغاز پدر سری خاندان کے حکمران کے الہامی احکام سے ہوتا ہے؛ اور غالباً ہی الہام (Themistes) ان غیر ذمہ دارانہ احکام کی ایک ترقی یافتہ شکل تھی، جو

اس سے بھی قدیم تر تمدن میں ہر ایک خاندان کا بزرگ اپنی بیویوں، بچوں اور غلاموں کو دیتا ہوگا۔ لیکن حکومتوں کے قائم ہو جانے کے بعد بھی قوانین کا استعمال نہایت محدود رہا۔ بہر حال خواہ ان کی الہامی حیثیت قائم رہی یا وہ ترقی کر کے رسم و رواج یا مجموعہ احکام کی حیثیت میں آگئے، ان کا نفاذ انفرادی قوم پر نہیں بلکہ خاندانوں پر ہوتا تھا۔ قدیم اصول قانون اگر ایک غیر کامل یا ناقص تشبیہ جائز رکھی جائے تو، قانون بین الاقوام کی طرح ہے، جو بجائے خود کہیں قائم نہیں ہے۔ مگر ان بڑی بڑی جماعتوں کے، جو تمدن کی عنصر ہیں، درمیانی فاصلوں اور فضاؤں کو بھر دیتا ہے۔ ایسے تمدنوں میں، واضعان قوانین کے قوانین اور عدالتوں کے اختیارات صرف خاندان کے بزرگ پر موثر ہوتے ہیں۔ خاندان کے دوسرے ارکان کے لئے خاندان کا عملدرآمد ان کا قانون اور والدین اس کے واضع ہوتے ہیں۔ مگر ملکی قانون کا دائرہ، جو ابتدا میں بہت تنگ تھا، روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے۔ اس ابتدائی آئین میں مفروضات، نصفت، اور وضع قوانین جو قانونی تبدیلیوں کے ذرائع ہیں، باری باری سے داخل ہوتے جاتے ہیں، درستی کے ہر درجہ میں ذاتی حقوق، اور اس سے زیادہ جائداد کے معاملات، خانگی عدالت سے نکل کر عام عدالتوں میں آنے لگتے ہیں اور حکومت کے احکام رفتہ رفتہ دوسرے حکومتی معاملات کی طرح خانگی معاملات میں بھی موثر ہوتے جاتے ہیں۔ اور اس خود مختار بادشاہ کو جو ہر گھر میں تخت نشین تھا یہ اختیار نہیں رہتا کہ وہ ان احکام کو نسیبیت ڈال سکے۔ قانون روما کی تاریخ میں ہمیں قدیم آئین کے اہتمام، اور ان کے مصالحمہ اور مواد سے جدید آئین کے قیام کی تفصیل معلوم ہوتی ہے، ان میں سے بعض آئین جہنم بلا کسی رد و بدل کے موجودہ دنیا تک پہنچے ہیں۔ اور بعض کو جو تاریک زمانہ کی وحشت کے ہاتھوں تباہ اور برباد ہو گئے تھے نوع انسان نے پھر زندہ کر لیا ہے۔ جب ہم اس

”محول قانون“ کی آخری ترتیب کی نوبت پر پہنچتے ہیں جس کا عمل میں لانے والا جیشین تھا، تو ہمیں متروک آئین کا پتہ بھر اس حصہ کے جو زندہ والدین کے وسیع اختیارات کے متعلق تھا اور کہیں نہیں ملتا۔ دوسرے حصوں میں آسانی، سادگی، اور تناسب کے خیالات، جن کے جدید ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا، ان قدیم اور بد مزہ خیالات کے قائم مقام ہو گئے ہیں جو قدما کے فہم کو مطمئن کر دینے کے لئے کافی تھے۔ ہر معاملہ میں جدید اخلاق نے اس طرز عمل کے قواعد اور ان کی وجہ قبولیت کو بدل دیا، جو قدیم آئین کے مطابق تھے۔ اور انہیں سے پیدا ہوئے تھے۔

وہ تحریک جو ترقی کرنے والی جماعتوں میں شروع ہوئی ایک حیثیت سے سلسلہ بنتی۔ اس کو ہمیشہ اتنا زحمت رہا کہ وہ آہستہ آہستہ خاندانی انحصار کو مٹاتی اور اس کی جگہ شخصی ذمہ داری کو قائم کرتی گئی۔ جن افراد کا ملکی قوانین میں لحاظ کیا جاتا ہے ان میں سلسلہ بجائے خاندانوں کے اشخاص قائم ہوتے گئے۔ اس ترقی کی رفتار مختلف سوسائٹیوں میں مختلف رہی ہے۔ ایسی سوسائٹیوں کی حالت پر غور کرنے سے جو بالکل جمود کی حالت میں نہیں ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم دستوروں میں جو اخطا ط شروع ہوا وہ کافی غرض اور فکر کرنے کے بعد شروع ہوا ہے۔ خواہ اس کی رفتار کسی ہی رہی ہو، مگر جو تبدیلی ہوئی اس کے خلاف یا اس کا روکنے والا کوئی امر پیش نہیں آیا۔ جو ظاہری تعویذ ہوئی اس کی بنیاد وہ قدیم خیالات اور رسوم تھے جو بالکل ایک بیرونی ذریعہ سے داخل ہو گئے تھے۔ اس امر کا دریافت کر لینا کچھ دشوار نہیں ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ کیا تعلقات تھے جنہوں نے رفتہ رفتہ ان باہمی حقوق اور فرائض کو نیست و نابود کر دیا جو محض خاندانی تعلقات پر قائم تھے۔ یہ صرف معاہدہ کے تعلقات تھے۔ تاریخ کے اس نقطہ اور حالت سے شروع کر کے جس میں انسان کے تمام تعلقات اس کے خاندانی تعلقات تک محدود تھے، ہم نے تمدن کی ایک ایسی شکل کی طرف آہستہ آہستہ

قدم بڑھا یا ہے، جس میں یہ سب تعلقات انسان کے آزاد معاہدہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس بارے میں مغربی یورپ نے بڑی ترقی کی، غلامی کا دستور بالکل مفقود ہو گیا، اور اس کی جگہ نوکر اور آقا کے تعلقات بر بنائے معاہدہ قائم ہو گئے۔ عورتوں پر ولایت کا جو بار تھا (اگر ولایت سے بجز شوہروں کے دوسروں کی ولایت مراد لی جائے) وہ بھی اٹھ گیا۔ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد سے نکاح کے وقت تک جو تعلقات وہ قائم کرے وہ بر بنائے معاہدہ منظور ہونے لگے۔ اسی طرح موجودہ یورپ کے تمدنی قوانین میں فرزند زیر اختیار کا کوئی وجود باقی نہ رہا۔ اگر کسی ملکی وجوب کا تعلق بالغ فرزند اور اس کے والدین کے درمیان میں باقی رہ گیا ہے تو وہ وہی ہے جس کو قانون جائز رکھتا ہے۔ اس کے جو ظاہری استثناء ہیں وہ اسی نوعیت کے ہیں جن سے قاعدہ کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔ بٹا جو سن شعور کو نہ پہنچا ہو یا جو یتیم زیر ولایت ہو یا جو شخص مجنون ثابت ہو چکا ہو، ان سب کی قابلیت اور ناقابلیت کا نصفیہ قانون اشخاص سے کیا جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ مختلف نظا ہائے قوانین میں اس کی وجہ مختلف اصطلاحی الفاظ میں بیان کی گئی ہے مگر مقصد سب کا ایک ہے۔ مقننین کا کثیر گروہ اسی اصول پر متفق ہے کہ جس قوم کے لوگوں کا اوپر ذکر ہوا ان پر نگرانی کی بظاہر صرف یہ ایک وجہ ہے کہ وہ اپنے فوائد کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کے ناقابل ہیں، دوسرے الفاظ میں وہ اس شے سے معرا ہیں جو معاہدہ کرنے میں سب سے مقدم ہوتی ہے۔

اس قانون ترقی کے اظہار کے لئے جو اصول قائم کیا جاسکتا ہے اس میں لفظ (Status) حیثیت کا استعمال مفید طریقہ سے ہو سکتا ہے۔ اس کی صحت کی نسبت خواہ کوئی رائے قائم کی جائے، مگر میرے نزدیک وہ کافی طور سے متعین ہے۔ ”حیثیت“ کی ہر شکل جس سے قوانین اشخاص میں بحث کی جاتی ہے ان اختیارات اور حقوق سے پیدا

ہوئی ہے جو قدیم زمانہ میں خاندان کے ہاتھ میں تھے اور ان کا اثر اب تک چلا آتا ہے۔ پس اگر ”حیثیت“ کا لفظ بہترین مصنفین کے اتباع میں صرف ذاتی حالات کے متعلق استعمال کیا جائے، اور ایسے حالات کے متعلق کام میں نہ لایا جائے جو معاہدہ کے قریب یا بعید نتائج ہوں، تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ترقی کرنے والی جماعتوں کی رفتار کا رخ ”حیثیت“ سے ”معاہدہ“ (From Status to Contract) کی طرف رہا ہے۔

فصل ششم

وصیتی توریث کی قدیم تاریخ

”اصول قانون“ کی دریافت میں اگر مورخانہ طریقہ کو ان دوسرے طریقوں پر جو انگلستان میں رائج ہیں مزج ثابت کرنے کی کوشش کی جائے تو اس مقصد کے لئے بطور تمثیل کے قانون کا کوئی جز و وصیتی جز سے بہتر نہیں متصور ہو سکتا۔ اس کی یہ قابلیت بر بنا ہے اس کی طوالت تو اترا اور مسلسل کے ہے۔ اس کی تاریخ کی ابتدا میں ہم اپنے آپ کو ایسے ابتدائی تمدن میں گھرا ہوا پاتے ہیں جس کے قدیم تصورات کو ذہن میں لانا بھی دشوار ہے۔ اُس کی ترقی کی دوسری حد پر ہمارے سامنے وہ قانونی تصورات آتے ہیں جو دراصل قدیم تصورات ہیں، مگر زمانہ حال کے اصطلاحات کے لباس میں پوشیدہ ہیں۔ یہاں ایک دوسری دشواری پیش آتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہمیں اس امر کا یقین نہیں آتا کہ جو امور ہمارے روزمرہ دماغی ذخیرہ کے اجزا ہیں ان کے تجزیہ اور امتحان کی کوئی ضرورت ہے۔ ان دو حدود کے درمیان میں قانون وصیت کی رفتار ترقی صاف طور سے نظر آتی ہے۔ طریقہ جاگیر داری (Feudalism)

کے شیوع کے وقت بھی اس میں اس قدر درہمی اور برہمی نہ ہونے یا ئی جس قدر قانون کے دوسرے اجزا کی تاریخ میں پڑ گئی تھی۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ قدیم اور جدید تاریخ کی علیحدگی یا یوں کہو کہ سلطنت روما کے زوال سے جو تفرقہ ”اصول قانون“ کی تمام شاخوں میں پڑ گیا اس کی نسبت ضرورت سے زیادہ مبالغہ کیا جاتا ہے۔ اکثر مصنفین کو تو کاہلی نے اس کی اجازت نہ دی کہ وہ اس الجھاؤ کو جو پر آشوب چھ سو برس کے ایچ پیچ سے بڑھ گیا تھا، سلجھا کر سلسلہ تعلق کو دریافت کریں۔ دوسرے دریافت کرنے والے جو فطرتاً استقلال اور محنت سے بے بہرہ نہ تھے، اپنے ملک کے نظام قانونی پر بیجا فخر کے باعث اس پر آمادہ نہ ہوئے کہ یہ اقرار کریں کہ وہ اہل روما کے ”اصول قانون“ کے زیر بار منت تھے۔ لیکن ان غیر مفید رجحانات کا قانون وصیت پر بہت کم اثر پڑا۔ وحشی قومیں سلسلہ طور سے وصیت کے تصور سے معرخص۔ معتبر مصنف اس امر پر متفق ہیں کہ ان مجموعہ قوانین میں جن میں ان کے اہلی اوطان یا ان مقامات کے رسوم درج ہیں جہاں وہ بعدہ منتقل ہو کر سلطنت روما کے گرد و پیش آباد ہوئے وصیت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ مگر جب وہ لوگ اہل روما کے صوبوں کے لوگوں میں مل جل گئے تو انہوں نے اصول وصیت شاہی قانون سے ابتدا میں جزاً مگر بعدہ کلاً اختیار کر لیا۔ اس عاجلانہ اختیار میں کلیائی اثر کو بڑا دخل تھا۔ وصیت ناموں کے درج رجسٹر کرنے، اور محفوظ رکھنے کے، جو حقوق زمانہ اصنام پرستی کے بعض مندروں کو حاصل تھے وہ بہت جلد کلیا کے ہاتھ میں آ گئے، اور یہی خانگی وصیتیں انھیں جن کی وجہ سے، اس قدیم زمانہ میں بھی مذہبی ادارات کا قبضہ دنیوی جائیدادوں پر ہو گیا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ صوبوں کی ابتدائی مذہبی کانفرنسوں میں ان لوگوں پر ہمیشہ لعنت لانت کی جاتی تھی جو وصیت کی عظمت کے قابل نہ تھے۔ انگلستان میں منجملہ اور اثرات کے یقیناً خاص کلیائی اثر تھا جس نے قانون وصیت کی تاریخ

میں وہ وقفہ نہیں بڑھنے دیا جس کا وجود تاریخ مذکور کے دوسرے حصوں میں پورے طور سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ ایک قسم کی وصیتوں کے متعلق مذہبی عدالتوں کو اختیارات دیدے گئے تھے، جن پر عدالت ہائے مذکور بعض اوقات بلا سمجھے بوجھے قانون روما کے اصول نافذ کرتی تھیں۔ اور اگرچہ عمومی اور چانسری کی عدالتیں مذہبی عدالتوں کے فیصلہ جات کی پابندی پر مجبور نہ تھیں، مگر وہ ان مسلمہ قواعد کے پرزور اثر سے محفوظ نہیں رہ سکتی تھیں جو دوسری قریب کی عدالتوں میں برتے جاتے تھے۔ پس انگلستان کے وصیتی قانون تواریث متعلقہ اشخاص نے وہ تبدیل شدہ شکل اختیار کر لی تھی جس کی رُو سے روما کے باشندوں کا متر و کہ تقسیم ہوتا تھا۔

اس امر کا ثابت کرنا کچھ دشوار نہیں ہے کہ اس مضمون پر تاریخ کا لحاظ رکھ کر نظر ڈالنے، اور بغیر تاریخ کی مدد کے اپنے ابتدائی تصور کے تجزیہ کی کوشش کرنے سے، ہم جن نتائج کے نکالنے پر مجبور ہوتے ہیں وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص جو وصیت کے معمولی یا قانونی تصور سے شروع کرتا ہے وہ اس کا قائل نہ ہوگا کہ اس میں چند خصوصیات کا پایا جانا لازم ہے، مثلاً یہ وصیت کا عمل لازمی طور سے وفات کے بعد ہوتا ہے، اور وہ ایسے لوگوں سے جن کے حق میں کی جاتی ہے عموماً بطور راز کے پوشیدہ رکھی جاتی ہے، اور قابل انفساخ ہے، یعنی دوسری وصیت کے ذریعہ سے منسوخ ہو سکتی ہے۔ لیکن میں یہ ثابت کر سکوں گا کہ ایک زمانہ ایسا تھا جس میں وصیت کے لئے ان خصوصیات کا پایا جانا لازم نہ تھا۔ وہ عقود انتقال (Testaments) جن سے ہماری وصیت (Will) براہ راست پیدا ہوئی ہے، عمل میں آنے کے ساتھ ہی موثر ہو جاتے تھے۔ وہ نہ راز سمجھے جاتے تھے، اور نہ قابل تنسیخ تھے۔ انسان کے تحریری ارادوں سے جس قدر اس کی جائداد کی تقسیم مابعد الموت متاثر ہوئی،

شاید ہی کوئی دوسرا قانونی عمل اس قدر مرکب تاریخی اثرات سے متاثر ہوا ہوگا۔ وصیت نے آہستہ آہستہ اور بتدریج وہ خصوصیات حاصل کئے ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، اس کے اسباب اور وہ واقعات جو اس کی پیدائش کے باعث ہوئے اتفاقی کہے جاسکتے ہیں، یا کم از کم ایسے ہیں جن سے ہمیں اس وقت بجز اس کے کوئی تعلق نہیں کہ ان کا اثر قانون کی تاریخ پر پڑتا ہے۔

اس زمانہ میں جب کہ قانونی اصول موجودہ زمانہ سے زیادہ تھے، (اگرچہ عموماً وہ خام اور فضول تھے، مگر انھوں نے اصول قانون کو اس بدتر اور ذلیل حالت میں آجانے سے بچالیا، جس سے ہم ناواقف نہیں ہیں، اور جس میں کلیات کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا، بلکہ قانون محض مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی سمجھا جاتا ہے) وصیت کے بعض خصوصیات کی جن کا صریح اور ظاہری احساس فطری طور سے ہوتا ہے، یہ کہہ کر تشریح کرنے کا طریقہ رائج تھا کہ وہ فطری طور سے اس میں شامل ہیں۔ اگر مزید صراحت سے کہا جائے، تو یہ کہ وہ وصیت میں بر بنائے قانون فطرت شریک ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ تمام خصوصیات کی ابتدا تاریخ کے زمانہ کی ہے، اور جس اصول سے یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے وہ ہماری روزمرہ کی گفتگو میں موجود ہے اور اس کو ہم باوجود علم کے رفع نہیں کر سکتے، اس رائے کا پابند رہ سکتا ہے۔ 156 میں اس کی توضیح ایک ایسے امر سے کرنا چاہتا ہوں جو سترھویں صدی کے قانونی ادب میں بہت زیادہ عام تھا۔ اس زمانہ کے متفقین کا عام طور سے یہ قول تھا کہ وصیت کا اختیار سجائے خود فطری ہے، اور یہ حق قانون فطرت سے ملا ہے۔ ان کی تعلیم، اگرچہ بادی النظر سے ہر شخص اس کا تعلق نہ دریافت کر سکے، فی الحقیقت ان لوگوں کی رائے کا خلاصہ ہے جو اس امر کے قائل ہیں کہ جائداد کو بعد موت تقسیم کرنے کا حق مالکانہ حق کا ایک لازمی اور ضروری نتیجہ ہے۔ اصطلاحی "اصول

قانون“ کے ہر پڑھنے والے کو اس اصول سے واقفیت کا موقع ملا ہوگا جسے مقتنین کی ہر جماعت نے مختلف الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ یہ اصول قانون“ کے اس جز کے معقولات (Rationale) میں، تو ریٹ برنبائے وصیت (Extestamento) کو وہ طریقہ انتقال قرار دیتا ہے جو متوفی کی جائیداد کو سب سے پہلے اختیار کرنا چاہئے، اور اس کے بعد تو ریٹ بلا وصیت (Abintestato) سے بحث کرتا ہے، اور اس کو مقتن کا ایک شاذ انتظام قرار دیتا ہے جو اس فرض کے ادا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے جو مالک متوفی بے پروائی، یا شومی قسمت کی بنا پر خود نہ کر سکا تھا۔ یہ مختلف رائیں اس محل اصول کی مفصل شکلیں ہیں، کہ وصیتی تقسیم قانون فطرت کا ایک آئین ہے۔ اس امر کا یقین کے ساتھ بیان کرنا کہ موجودہ زمانہ میں جب فطرت اور اس کے قوانین پر غور کیا جاتا ہے تو تصورات کا تسلسل کس طور سے قائم ہوتا ہے نہایت مشکل ہے۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حق وصیت قانون فطرت سے ہے ان کا یا تو یہ مقصد ہوتا ہے کہ وہ عالمگیر ہے، یا یہ کہ قومیں اصلی اور فطری رجحان کی وجہ سے ہمیشہ اس کی منظوری کئے لئے آمادہ رہتی ہیں۔ پہلی صورت اگر عارف طریقہ سے پیش کی جائے تو اس کی تائید ایسے زمانہ میں ہونی میرے نزدیک دشوار ہے جب کہ نیوٹن کے مجموعہ قانون، اور ان قانونی نظاموں نے جو اس کے نمونہ پر بکثرت تیار ہو گئے وصیت کے اختیار میں بہت سی مزا ممتنیں عائد کر دی ہیں۔ دوسری صورت کے متعلق یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ وہ قانون کی ابتدائی تاریخ کے مسلمہ واقعات کے خلاف ہے، اور عام طور سے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہر ملک کے تمدن میں اصول قانون اس حالت میں رہ چکا ہے کہ اس میں وصیتی اختیارات کے استعمال کی اجازت نہ تھی یا یوں کہو کہ اس کا تصور ہی نہ تھا۔ قبل اس کے کہ قانونی ترقی اس درجہ پہنچے کہ محض مالک کی مرضی بعض شرط کے ساتھ

قریب کے رشتہ داروں کے دعاوی پر مرجع متصور ہونے لگی۔ وصیت کا تصور تنہا اور دوسرے امور سے جداگانہ نہیں قائم ہو سکتا۔ وہ سلسلہ تصور کی ایک کڑی ہے، جس کو اس سلسلہ میں مقدم بھی نہیں کہا جاسکتا۔ بجائے خود وصیت نامہ ایک ایسی دستاویز ہے جس کے ذریعہ سے موصی اپنی مرضی کا اظہار کرتا ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس دستاویز کے متعلق بحث کریں، میرے خیال میں بعض ابتدائی امور ایسے ہیں جن پر غور کیا جانا ضرور ہے مثلاً یہ کہ وہ کیا ہے، اور متوفی کی وفات کے بعد کس قسم کا حق، کس کی طرف، اور کس طرح منتقل ہوتا ہے؟ اور متوفی کس طرح اس کا مجاز قرار پایا کہ وہ بعد وفات کے اپنی جائیداد تقسیم کر سکے۔ وہ مختلف تصورات جن سے وصیت مرکب ہے اصطلاحی زبان میں یکجا کر کے اس طرح ظاہر کئے جاسکتے ہیں، کہ وصیت نامہ ایک ایسی دستاویز ہے جس کے ذریعہ سے انتقال وراثت کا تعین کیا جاتا ہے۔ وراثت ایک عام جانشینی کی شکل ہے۔ عام جانشینی سے مراد مجموعہ حقوق اور فرائض کی جانشینی ہے۔ اس ترتیب کو الٹ کر ہمیں اس پر غور کرنا ہے کہ عام جانشینی اور توریث کس کو کہتے ہیں، اور عام جانشینی کی کون سی شکل ہے جو وراثت کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ اور دو سوال ایسے ہیں، جن کو اگرچہ ان سوالات سے زیادہ تعلق نہیں ہے جن کو میں نے پیش کیا ہے، لیکن وصیت کے مضمون پر بحث کی تکمیل کے لئے ان کا حل ہو جانا بھی ضرور ہے۔ اور وہ یہ ہیں کہ وراثت میں موصی کی مرضی کو کس طرح دخل ہوا، اور اس دستاویز کی کیا نوعیت ہے جس کے ذریعہ سے ایسا دخل دیا جانے لگا۔

پہلے سوال کا تعلق ”یونیورسٹاس جورس“ (Universitas juris) معنی ”مجموعہ حقوق اور فرائض“ سے ہے۔ ”یونیورسٹاس جورس“ حقوق اور فرائض کا وہ مجموعہ ہے جس کو یکجا اور باہم کرنے والا صرف یہی ایک واقعہ ہے کہ وہ ایک زمانہ میں ایک شخص کی ذات میں جمع تھے، گویا وہ ایک مخصوص

شخص کے قانونی لباس تھے۔ وہ اس طرح ترکیب نہیں پائے تھے کہ کسی جگہ سے فرائض اور کسی جگہ سے حقوق لے لئے گئے ہوں، بلکہ وہ ایک ہی مخصوص شخص کے تمام حقوق اور فرائض لے کر بنے تھے۔ جو تعلق کہ جائداد کے مختلف حقوق، حق راہ، حق ہبہ بالوصیت، فرائض تعمیل خاص، دیون، وجوب، اور ادائے ہرجہ کے فرائض اور حقوق کو اس طرح باہم ملاتا ہے کہ وہ ”یونیورسٹاس جورس“ بن جاتے ہیں، وہی ”واقعہ“ ان سب کے ایک ایسے شخص کی ذات میں جمع ہو جانے کا باعث ہوتا ہے جو ان کے استعمال کے قابل ہو۔ بغیر اس ”واقعہ“ کے حقوق اور فرائض کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ ”یونیورسٹاس جورس“ کی اصطلاح قدیم نہیں ہے، اس تصور کے لئے ”اصول قانون“ قوانین روما کا مبنیون ہے، اور اس کا سمجھنا کچھ زیادہ دشوار نہیں۔ اس کا مفہوم ذہن نشین کرنے کے لئے ہمیں ایک تصور کے تحت میں ان تمام قانونی تعلقات کو لانا چاہئے جو ہم میں سے ہر ایک کو دنیا کے بقیہ لوگوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ تعلقات، خواہ ان کی نوعیت اور ترکیب کچھ ہی کیوں نہ ہو، مجموعاً ”یونیورسٹاس جورس“ کو بناتے اور قائم کرتے ہیں۔ اس تصور کے قائم کرنے میں غلطی کا بہت کم امکان رہ جائے گا اگر ہم یہ امر پیش نظر رکھیں کہ اس میں فرائض اسی قدر ہیں جتنا کہ حقوق ہیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے فرائض ہمارے حقوق سے بڑھے ہوئے ہوں۔ ایک شخص اپنی حیثیت سے زیادہ کا قرض دار ہو سکتا ہے، اس صورت میں اگر اس کے مجموعی قانونی تعلقات کا زرنقد میں تخمینہ کیا جائے تو وہ دیوالیہ کہلائے گا، مگر بائیں ہمہ ان تمام حقوق اور فرائض کی بنا پر جو اس کی ذات میں جمع ہیں وہ ”جورس یونیورسٹاس“ سے خارج نہیں سمجھا جاسکتا۔

اس کے بعد ”عام توریث“ (Universal succession) کا مسئلہ قابل غور ہے۔ ”عام توریث“ ایک مجموعہ حقوق اور فرائض کی جانشینی ہے

اس کا وقوع اس حالت میں ہوتا ہے جب کہ ایک شخص کو دوسرے شخص کا قانونی جامہ پہنا دیا جاتا ہے، اور اسی وقت سے وہ دوسرے شخص کے تمام حقوق اور ذمہ داریوں کا حامل ہو جاتا ہے۔ عام توریث کی صحت اور تکمیل کے لئے یہ امر لازم ہے کہ انتقال حسب اصطلاح قانون ”دفعہ واحد“ (Unoietu) میں واقع ہو۔ یہ امر باسانی ذہن میں آ سکتا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کے تمام حقوق اور فرائض مختلف اوقات میں حاصل کر لے، مثلاً مختلف اوقات میں بذریعہ خرید، یا مختلف حیثیتوں سے یعنی جزاً بطور وراثت اور جزاً بطور خریدار اور جزاً بطور مہوبہ لے کے، اگرچہ یہ جو حقوق اور ذمہ داریاں ملکر ایک شخص کی کل قانونی حیثیت کا مجموعہ ہو جائیں گی، مگر اس طرح کا انتقال ”توریث عام“ نہیں متصور ہوگا۔ حقیقی ”توریث عام“ کے لئے یہ امر لازم ہے کہ جو حقوق اور ذمہ داریاں ایک ہی وقت اور ایک ہی حیثیت سے منتقل الیہ کی طرف منتقل ہوں۔ اصول قانون میں ”توریث عام“ کا تصور ”مجموعہ حقوق و فرائض“ کی طرح مستقل ہے اگرچہ انگلستان کے نظام قانونی میں ان مختلف حیثیتوں کی وجہ سے جن کے ذریعہ سے حقوق حاصل ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ اس تفریق کی بنا پر جو جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ میں کی جاتی ہے، یہ تصور بہت دھندلا ہو گیا ہے، مگر کارروائی دیوالیہ میں مفوض الیہ کا شخص دیوالیہ کی کل جائیداد پر قابض ہو جانا ”توریث عام“ ہے، اگرچہ مفوض الیہ کی حیثیت سے وہ صرف اسی قدر قرضہ ادا کرتا ہے جتنا اثاثہ اس کے ہاتھ آتا ہے۔ یہ ابتدائی تصور کی ایک تبدیل شدہ شکل ہے۔ اگر ہم میں یہ رائج ہوتا کہ کسی شخص کی کل جائیداد اس شرط کے ساتھ سپردگی میں لی جاتی کہ اس کا کل قرضہ ادا کیا جائے گا، تو یہ بعینہ اس توریث عام کی شکل ہوتی جو قدیم ترین قانون روما میں بتائی گئی ہے۔ جب روما کا کوئی باشندہ کسی شخص کو جو والدین کی زیر حفاظت نہ ہوتا تھا بطور بیٹی کے لیتا تھا تو

وہ متبنی کی تمام جائیداد کا مالک اور اس کی تمام ذمہ داریوں کا حامل ہو جاتا تھا۔ قدیم روما کے قانون میں توریث عام کی اور بھی مختلف شکلیں تھیں۔ مگر سب سے اہم اور مستقل تروارث کی وراثت تھی جو ہمارا خاص مبحث ہے۔ یہ مورث کی وفات پر واقع ہوتی تھی، اور اس کا عام جانشین اس کا وارث ہوتا تھا، جو کہ اسی وقت سے متوفی کے تمام حقوق اور ذمہ داریوں کا مالک اور مستوجب ہو جاتا، اور شخص متوفی کا قانونی جاہ یہن لیتا تھا۔ غالباً اس امر کے اظہار کی ضرورت نہیں ہے کہ وارث (Haeres or heir) کی مخصوص حیثیت وہی رہتی تھی، خواہ اس کے حق میں وصیت کی گئی اور خواہ وہ بغیر وصیت کی جائیداد کا مالک ہوا ہو۔ لفظ وارث کا اطلاق دونوں حالتوں میں یکساں طور پر ہوتا تھا کیونکہ وراثت پہنچنے کے طریقہ کو وارث کی قانونی حیثیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ متوفی کا عام جانشین، خواہ وہ وصیت کے ذریعہ سے ہو یا بلا وصیت، اس کا وارث ہوتا تھا، لیکن یہ ضرور تھا کہ وہ تنہا ہو، ممکن ہے کہ چند اشخاص جن کو قانون بطور فرد واحد کے تصور کرتا ہے وراثت میں وارث کے ساتھ شریک ہوں۔

اب ہم توریث کی معمولی تعریف کریں گے جس طرح قانون روما میں کی گئی ہے، جس سے ناظرین ہر جداگانہ لفظ کے پورے زور کو اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔ ایک شخص متوفی کی تمام قانونی حیثیت کی جانشینی کا نام توریث ہے۔ اصل تصور یہ تھا کہ اگرچہ متوفی کا خارجی وجود ضایع ہو جاتا ہے، مگر اس کا قانونی وجود باقی رہتا ہے، اور وہ بلا کم و کاست اس کے وارث یا ورثا کی ذات میں جذب ہو کر (جہاں تک کہ قانون کا تعلق ہے) چلتا رہتا ہے۔ خود ہمارا قانون بقدر متوفی کے ذاتی اثاثہ کے اس کا قائم مقام وصی یا مہتمم ترکہ کو مقرر کر کے، اس اصول کی توضیح کرتا ہے جس سے یہ تصور پیدا ہوا، اگرچہ اس سے وجہ کا اظہار نہیں ہوتا۔ خود بعد کے قانون روما میں متوفی اور اس کے وارث کی حیثیت میں ایسا قریبی تطابق چاہا جانے لگا

تھا جو انگلستان کی قائم مقامی کی خصوصیات میں داخل نہیں ہے۔ اور قدیم ”اصول قانون“ میں تو تمام تر زور سلسل جانشینی ہی پر دیا جاتا تھا۔ اگر وصیت نامہ میں متوفی کے تمام حقوق اور ذمہ داریوں کے فوراً وارث یا ورثا منتقل ہو جانے کا انتظام نہ ہوتا تھا، تو وہ وصیت بالکل بے اثر قرار پاتی تھی۔ زمانہ حال کے قانون وصیت میں، زمانہ مابعد کے قانون روما کی طرح، سب سے اہم امر موصی کے ارادے اور نیت کی تعمیل ہے۔ روما کے قدیم قانون میں ایسی ہی احتیاط عام توریث کے عطا میں کی جاتی تھی۔ ان دونوں قواعد میں سے ایک قاعدہ ہمیں معقول اور مطابق عقل معلوم ہوتا ہے، اور دوسرا مثل ایک بے معنی دہم کے نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دوسرے کے بغیر پہلے کا وجود ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ ایسا ہی یقینی ہے جس طرح اس قسم کا کوئی اور مسئلہ ہو سکتا ہے۔

اس ظاہری اختلاف کی توضیح، اور اس سلسلہ خیالات کو جس کے اظہار کی ہم کوشش کر رہے تھے، صاف طور سے ذہن نشین کرنے کے لئے ہمیں اس تحقیق کے نتائج سے مدد لینے کی ضرورت پڑے گی جو ہم ابتدائی فصل میں کر چکے ہیں۔ ہم اس خصوصیت سے واقف ہیں جو تمدن کی ابتدائی حالت کو میسر کرتی ہے، جس میں انسان کی انفرادی حیثیت سے نہیں بلکہ خاص گروہ کے ایک رکن ہونے کی حیثیت سے بحث کی جاتی ہے۔ ہر شخص سب سے پہلے ایک شہر کا باشندہ ہے اور اس کے بعد حیثیت باشندہ ہونے کے ایک جماعت کا رکن ہے، خواہ وہ جماعت امریکی ہو، یا غوبا، یا خواص، یا عوام، یا اس ذات (Caste) کی جو بد قسمتی سے بعض قوموں کی ارتقا میں بگاڑ پڑ جانے سے قائم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ ایک قبیلہ کا، اور سب سے آخر میں اپنے خاندان کا ایک رکن ہے۔ موخر الذکر اس کا سب سے تنگ اور محدود ذاتی تعلق کا دائرہ ہے اگرچہ یہ امر بظاہر عجیب نظر آتا ہے، مگر حقیقت یہی ہے کہ وہ کبھی بذات خود منفرد ہستی نہیں تصور ہوتا تھا۔ اس کی ہستی اس کے خاندان میں ضم ہو کر

گم ہو جاتی تھی۔ میں ابتدائی تمدن کی اس تعریف کا جو میں پہلے کر چکا ہوں اس موقع پر پھر اعادہ کرتا ہوں۔ ابتدائی تمدن کے افراد اشخاص نہیں بلکہ انسانوں کے وہ گروہ ہوتے تھے جو حقیقی یا خیالی قرابت کے سلسلہ میں منسلک سمجھے جاتے تھے۔

انہیں غیر ترقی یافتہ تمدنوں میں ہمیں پہلی مرتبہ تواریخ عام کے آثار نظر آتے ہیں۔ زمانہ حال کے انتظام تمدن سے مقابلہ کر کے ہم قدیم تمدنوں کی نسبت بہ آسانی یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مختلف ایسی چھوٹی چھوٹی خود مختار حکومتوں سے مرکب تھے جو ایک دوسرے سے بالکل جدا تھیں اور جن میں سے ہر ایک پر حکومت کا ایک ہی حاکم حق رکھتا تھا۔ اگرچہ بزرگ خاندان، جس کو ابھی تک پدر سری خاندان کے سردار کے نام سے موسوم کرنا ٹھیک نہ ہوگا، ایسے وسیع اختیارات رکھتا تھا، مگر اس میں شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس کے ذمہ ایسے ہی وسیع فرائض بھی تھے۔ اس کا خاندان پر حکومت کرنا اسی خاندان کے فائدہ کے لئے تھا۔ اور اگر وہ کسی جائداد پر قابض تھا تو وہ اس پر اپنی اولاد اور ہمیشہ داروں کے امین کی حیثیت سے قابض تھا۔ اس کی نہ کوئی جداگانہ ایسی حیثیت تھی اور نہ ایسے حقوق تھے جو اس چھوٹی سی جمہوری حکومت کے تعلقات سے جس پر وہ حکمران تھا علیحدہ سمجھے جاسکیں۔ حقیقتاً خاندان ایک باضابطہ جماعت تھی اور وہ اس جماعت کا نمائندہ، یا یوں کہو کہ اس کا باضابطہ عہدہ دار تھا۔ اسی کو حقوق حاصل تھے، اور اسی کے ذمہ فرائض تھے۔ لیکن وہ سب فرائض اور حقوق، اس کے ہم شہروں اور نیز قانون کی نظر میں، اسی طرح اس کے تھے جس طرح اس کل جماعت کے تھے۔ اب ایک لحظہ کے لئے ان نتائج پر غور کر دو جو ایسے نمائندہ کے فوت ہو جانے سے نکلا ہر ہوں گے۔ قانون اور مول جمہوریت کی نظر میں اس خسانگی حکمران کی موت ایک غیر موثر واقعہ ہوگا فرق صرف اتنا ہوگا کہ خاندان

کے نمائندے، اور اس شخص کا جو خانگی انتظام کا ذمہ دار تھا نام تبدیل ہو جائیگا اور جو فرائض اور حقوق خاندان کے بزرگ کے تھے وہ بلا فصل اس کے جانشین کے متعلق ہو جائیں گے۔ کیونکہ حقوق اور فرائض مذکور فی الحقیقت خاندان کے تھے اور خاندان کی حیثیت ایک جماعت کی تھی جو کبھی نہیں مرقی۔ دائنوں کو جدید بزرگ خاندان کے متعلق ایسے چارہ کار کا حق حاصل رہے گا جو ان کو قدیم بزرگ خاندان کے مقابلہ میں حاصل تھا، کیونکہ ذمہ داری اس خاندان کی تھی جو ہنوز موجود ہے، اور اس وجہ سے اس ذمہ داری میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ اسی طرح جو حقوق خاندان کے تھے وہ بزرگ خاندان کے فوت ہو جانے کے بعد بھی باقی رہیں گے، البتہ اس جماعت کے دعویدار کو کسی قدر تبدیل شدہ نام کے ساتھ دخولی دائر کرنا ہوگا، اگر اس قدر قدیم زمانہ کی بابت ہم یہ اصطلاحی اور ٹھیک الفاظ استعمال کرنے کے مجاز متصور ہوں۔

اس امر کے سمجھنے کے لئے کہ جماعت نے کس طرح بتدریج اور آہستہ آہستہ وہ حالت پیدا کی جو اس وقت ہے، اور کن غیر محسوس طریقوں سے وہ تعلقات جو ایک شخص کو اپنے خاندان، اور ایک خاندان کو دوسرے خاندان کے ساتھ ہوتے تھے، ان تعلقات سے بدل ہو گئے جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ ہوتے ہیں، ہمیں "اصول قانون" کی کامل تاریخ پر نظر ڈالنی پڑے گی۔ اور ہمیں یہ نظر آئے گا کہ اس کامل تبدیل کے بعد بھی، جبکہ مجسٹریٹ بڑی حد تک بزرگ خاندان کے قائم مقام ہو گئے تھے، اور خاندانی عدالتوں کی جگہ دیوانی عدالتوں نے لے لی تھی، حقوق اور فرائض کا جو انتظام ان عدالتوں سے عمل میں آتا تھا اس میں منسوخ شدہ حقوق کی جھلک نظر آتی تھی اور اس کا ہر جز اپنے رنگ سے رنگا ہوا تھا۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی کہ عام جانشینی کا حق (Universitas juris) جسے قانون رومانے وصیتی یا غروصیتی تواریث میں سب سے مقدم قرار دیا تھا، قدیم تمدن کا ایسا نشان

تہا جسے انسانی دماغ جدید حالت سے جدا نہ کر سکا تھا، اگرچہ اس کو جدید حالت سے کوئی صحیح یا مناسب تعلق نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک متوفی شخص کے قانونی وجود کو اس کے وارث یا ورثاء کی ذات میں کھینچ کر لانا، بلا کم و کاست خاندان کی ایک خصوصیت ہے جو ایک فرضی اصول کی بنا پر ایک شخص کی ذات کی طرف منتقل کر دی جاتی ہے۔ باضابطہ جماعتوں کی توریث لازمی طور سے عام توریث ہونی چاہئے، اور خاندان ایک باضابطہ جماعت تھی۔ جماعتیں مرقی نہیں۔ جماعت کے کسی رکن کے مرجانے سے مجموعی جماعت کے وجود میں کوئی فرق نہیں آتا، اور نہ اس کے قانونی حقوق، کاروبار یا اس کی ذمہ داریوں پر کوئی اثر پڑتا ہے۔ روما کے عام توریث کے تصور میں جماعت کے انھیں سب خصوصیات کا ایک منفرد باشندہ کی ذات میں منتقل کر دیا جانا ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی جسمانی موت کا کوئی اثر اس کی قانونی حیثیت پر نہیں پڑنے دیا جاتا۔ بظاہر اسی اصول پر کہ اس کی حیثیت جہاں تک ممکن ہو خاندان کی حیثیت سے جدا نہ ہونے پائے، جو اپنی مجموعی حیثیت کی وجہ سے جسمانی موت کے ناقابل ہے۔

میرے نزدیک یورپ کے دوسرے ممالک کے اکثر مقننین کو ان مختلف تصورات کی نوعیت کے سمجھنے میں بڑی دقت پیش آئی ہے جس سے ”توریث عام“ مرکب ہے اور ”اصول قانون“ کے فلسفہ میں شاید ہی کوئی ایسا مضمون ہو جس کے متعلق ان کے خیالات اور آرا اس قدر ناقابل قدر ثابت ہوئے ہوں۔ مگر انگلستان کے قانون کے پڑھنے والوں کو خیال زیر بحث کے تجزیہ کے سمجھنے میں کسی قسم کی دقت کے پیش آنے کا اندیشہ نہیں ہو سکتا۔ خود ہمارے قانون میں ایک فرضی اصول ایسا موجود ہے جس سے اس مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے، اور جس سے تمام مقننین بخوبی واقف ہیں انگلستان کے مقننین، جماعتوں کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں، مجموعی

جماعت کا اور انفرادی جماعت (Corporation Aggregate and Corporation Sole)

مجموعی جماعت تو وہ ہے جس پر حقیقی جماعت کا اطلاق ہوتا ہے مگر انفرادی جماعت ایک شخص ہے جو ایک سلسلہ کے لوگوں میں ایک رکن ہوتا ہے اور اس میں ایک مفروضہ اصول کی بنا پر وہ تمام اوصاف جمع سمجھے جاتے ہیں جو ایک جماعت کے لئے مخصوص ہیں۔ انفرادی جماعت کی مثال پادشاہ یا ایک حلقہ کا پادری ہے جس کی صراحت کی زیادہ ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اس موقع پر حیثیت یا خدمت اس مخصوص شخص سے جداگانہ سمجھی جاتی ہے جو وقتاً فوقتاً اس پر مامور ہوتا ہے اور چونکہ یہ حیثیت دوامی ہوتی ہے اس لئے وہ اشخاص جو اس خدمت پر مامور ہوتے ہیں سلسل ایک جماعت کی اہم خصوصیت یعنی دوام سے متصف تصور ہوتے ہیں۔ قدیم روما کے قانون میں ایک شخص کا تعلق اس کے خاندان کے ساتھ بسینہ ایسا ہی تھا جیسا کہ انگلستان کے قانونی نظام میں انفرادی جماعت کا تعلق مجموعی جماعت کے ساتھ ہوتا ہے۔ خیالات کا ماخذ اور تسلسل بعینہ یہاں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قانون روما کے وصیتی اصول کے اغراض کے لئے ہر باشندہ ایک انفرادی جماعت تھا تو نہ صرف توریت کا تصور صاف ہو جائے گا بلکہ اس مفروضہ کا ماخذ بھی ہمیشہ پیش نظر رہے گا۔ ہمارے یہاں یہ علوم متعارفہ سے ہے کہ پادشاہ انفرادی جماعت ہونے کی وجہ سے کبھی نہیں مرتا۔ اس کی حیثیت اور جگہ فوراً اس کا قائم مقام لے لیتا ہے اور انتظام مملکت کے تسلسل میں کوئی وقفہ نہیں واقع ہونے پاتا۔ رومیوں میں بھی یہی عمل اسی طرح فطری اور آسان متصور ہوتا تھا اور حقوق اور فرائض کے انتقال میں موت اسی طرح نظر انداز کر دی جاتی تھی اور موصی کا وجود اس کے وارث یا ورثا میں بدستور قائم رہتا تھا۔ ان کے نزدیک قانوناً شخص مذکور وہی ہوتا تھا اگر کوئی شخص اپنے وصیت نامہ میں اس اصول کو کہ اس کا حقیقی

وجود اس کے بعد فوت وجود سے جداگانہ ہے تعبیری طور سے بھی توڑ دیتا تھا، تو قانون ایسی ناقص دستاویز کو نامنظور کر کے میراث اس قریب تر رشتہ دار کو دلاتا تھا جس کی حیثیت وراثت قانون سے پیدا ہوتی تھی، نہ کہ کسی ایسی دستاویز سے جس کا غلط طور سے مرتب ہو جانا امکانی امر تھا۔

جب کوئی روماکا یا شندہ بلا وصیت یا ایسی وصیت کر کے مرجاتا تھا جو جائز نہ ہوتی تھی تو اس کی اولاد یا اس کے رشتہ دار اس ترتیب سے وارث ہوتے تھے جس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔ جو شخص یا اشخاص اس کے وارث ہوتے تھے وہ نہ صرف متوفی کے قائم مقام ہوتے تھے، بلکہ اس اصول کے مطابق جس کا ذکر اوپر ہو چکا اس کی تمدنی زندگی اور قانونی وجود کے سلسلہ کو جاری رکھنے والے سمجھے جاتے تھے۔ جب سلسلہ وراثت بذریعہ وصیت کے قائم ہوتا تھا اس وقت بھی نتیجہ یکساں رہتا تھا، اگرچہ شخص متوفی اور اس کے ورثا کے ایک ذات شمار کئے جانے کا اصول ہر قسم کی وصیت یا وصیتی قانون کی ہر شکل سے بہت پہلے کا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر اس خطرہ کا بھی تذکرہ کر دیا جائے جو اسی قدر زور کے ساتھ ہمارے دل میں آتا جائے گا جس قدر گہرے ہم اس مضمون میں جاؤ گے۔ اور وہ یہ ہے کہ آیا کسی طرح بھی ”وصیت“ کا نظور پذیر ہونا ممکن تھا اگر تو ریٹ عام کے ساتھ یہ قابل لحاظ تصورات نہ قائم ہوئے ہوتے؟ قانون وصیت ایک ایسے اصول کا نفاذ ہے جس کی توضیح مختلف فلسفیانہ قیاسات سے کی جاسکتی ہے جو بظاہر ایسے ہی معقول نظر آتے ہیں جیسے کہ وہ بلا ثبوت ہیں؛ یہ اصول موجودہ تمدن کے ہر جز میں دائرہ سائے، اور اس کی تائید مصلحت عام کی وسیع تر بنیاد پر کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس تنبیہ کا جس قدر اعادہ کیا جائے کم ہے، کہ اصول قانون کے مسائل میں جو امر سب سے زیادہ غلطی کا باعث ہوتا ہے وہ یہ خیال ہے کہ ان اسباب

میں جو اس وقت کسی موجودہ آئین کے قائم رکھنے کے محرک ہیں، اور ان خیالات میں جو ابتداً اس آئین کے پیدا ہونے کے باعث ہوئے، لازمی طور سے کوئی مشترکہ جز ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ روما کے قدیم قانون وراثت میں وصیت کا تصور انسان کے فوت ہو جانے کے بعد اس کے وارث کی ذات میں متصل ہو جانے کے مساوی سے اس طرح مزوج اور مخلوط ہے کہ ان کا ایک دوسرے سے جدا کرنا مشکل ہے۔

وراثت عام کا تصور، اگرچہ اصول قانون میں مضبوطی کے ساتھ قائم ہو چکا ہے، مگر ایسا نہیں ہے کہ وہ خود بخود ہر واضح قانون کے دماغ میں آگیا ہو۔ اس وقت جہاں اس کا وجود پایا جاتا ہے، وہاں یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ وہ قانون روما سے آیا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ وصیت اور وصیتی ہبہ کے بہت سے قواعد بھی آگئے ہیں، جن کو زمانہ حال کے قانون پیشہ اصحاب بنیہ اس علم کے کہ ان کو اصل اصول سے کیا تعلق ہے کام میں لاتے ہیں۔ لیکن خالص قانون روما میں یہ اصول کہ ”متوفی وارث کی ذات میں موجود رہتا ہے اور گویا موت واقع ہی نہیں ہوئی“ بلا کسی شک و شبہ کے وہ مرکز ہے جس کے گرد تمام قانون وراثت، جو وصیتی ہو یا غیر وصیتی، گردش کرتا ہے۔ اس حاوی اصول پر قانون روما کا اس قدر بے دھڑک سختی کے ساتھ عمل کرنا خود بخود ظاہر کر رہا ہے کہ یہ اصول کسی ایسے امر سے پیدا ہوا جو اہل روما کے ابتدائی تمدن میں موجود تھا، جس کا ثبوت قیاس کے حدود سے بہت آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔

روما کے آغاز وصیت کے زمانہ کے بہت سے اصطلاحی الفاظ اتفاق سے ابھی تک محفوظ ہیں۔ کیس میں وہ ترکیب اور تجویز جس کے ذریعہ سے وارث عام بنایا جاتا تھا، اور اس شخص کا قدیم نام بھی موجود ہے جو بعدہ وارث کے نام سے موسوم ہوا۔ اس کے علاوہ بارہ لوجلی میں وہ مشہور فقرہ بھی پایا جاتا ہے جس میں وصیت کا اختیار صاف طور سے تسلیم کیا گیا ہے، اور بلا وصیتی توریت کے متعلق جو احکام تھے وہ بھی

محفوظ ہیں۔ ان سب قدیم فقرات میں ایک نمایاں خصوصیت پائی جاتی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ موسیٰ سے وارث کو پہنچتا تھا وہ خاندان تھا، یعنی ان حقوق اور فرائض کا مجموعہ جو والدین میں پائے جاتے اور ان کی اس حیثیت سے پیدا ہوتے تھے۔ مادی جائیداد کا تین جگہ مطلق ذکر نہیں ہے۔ البتہ دو جگہ اس کی صراحت خاندان کے تعلقات کے طور سے ہوئی ہے۔ پس ابتدائی وصیت نامہ یا اس کی کارروائی (کیونکہ ابتدا میں وصیت نامہ غالباً تحریری نہ ہوتا تھا) ایک ایسی تاویز تھی جس کے ذریعہ سے خاندان کا انتقال عمل میں آتا تھا۔ یہ اس امر کے اعلان کا ایک طریقہ تھا کہ موسیٰ کے بعد کون شخص سردار قبیلہ قرار پایا۔ جب وصیت نامجات کا اصلی مقصد سمجھ میں آگیا، تو پھر ان کا تعلق ”سکرا“ (Sacra) یعنی خاندانی مراسم سے جو قدیم مذاہب اور قوانین کی عجب یادگار ہیں، سمجھ میں آ جانا کچھ دشوار نہیں رہتا۔ یہ ان مراسم کی رومی شکل تھی جن کا وجود ہر ایسے تمدن میں پایا جاتا ہے جس نے اپنے آپ کو کلیتہً قدیم مراسم سے علیحدہ نہیں کر لیا ہے۔ یہ ”سکرا“ قربانیاں اور وہ رسیں ہیں جن کے ذریعہ سے خاندان کی قرابت اور بھائی بندی کی یاد قائم رکھی جاتی ہے؛ اور جو اس کی مداومت کی ضامن اور شاہد ہوتی ہیں۔ ان کی نوعیت خواہ کچھ ہو، اور خواہ یہ امر صحیح ہو یا نہ ہو کہ ان کا تعلق ہر صورت میں کسی قدیم خیالی بزرگ خاندان کی پرستش سے ہوتا ہے، یہ مسلم ہے کہ وہ ہر جگہ خاندانی تعلقات کی عظمت اور توقیر کی توثیق کے لئے کام میں لائی جاتی ہیں۔ اور اس لئے ایسے موقع پر کہ خاندان کے وجود کا سلسلہ اس کے بزرگ یا سردار کے بدل جانے سے معرض خطر میں آ جاتا ہے، وہ نمایاں طور سے میز اور اہم نظر آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خاندانی حکمران کے فوت ہو جانے کے ضمن میں ان کا ذکر زیادہ تر سننے میں آتا ہے۔ ہندوؤں میں متوفی کی جائیداد کا حق وراثت اس کے کریاکرم کرنے کے فرض کے ساتھ تعلق ہے۔ اگر یہ سب میں ٹھیک

سے نہیں ادا کی جاتیں، یا صحیح شخص ادا نہیں کرتا، تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ متوفی اور شخص پس ماندہ میں کوئی تعلق قائم نہیں ہوا، ایسی صورت میں نہ قانون وراثت نافذ ہو سکتا، اور نہ متوفی کی جائیداد کا کوئی شخص وارث ہو سکتا ہے۔ ایک ہندو کی زندگی کا ہر اہم واقعہ ان مراسم کا محرک اور ان سے متعلق ہوتا ہے۔ اگر وہ شادی کرتا ہے تو اس کی یہی غرض ہوتی ہے کہ اولاد پیدا ہو تاکہ اس کے مرنے کے بعد مراسم مذکور ادا کئے جاسکیں اگر اولاد نہیں ہوتی، تو دوسرے خاندان سے گود لینا اس کا اہم ترین فرض ہے، تاکہ حسب بیان شارح دھرم شاستر وہ متوفی کا ”پنڈ پانی اور کرایا کرم کر سکے“۔ سسر و کے زمانہ میں رومی ”سکرا“ (خاندانی مراسم) کی وسعت کچھ اس سے کم نہ تھی، وہ بھی تو ریش اور تبنیت پر حاوی تھا۔ کوئی تبنیت اس وقت تک عمل میں نہ آ سکتی تھی جب تک کہ اس خاندان کے جہاں سے لڑکا لیا جاتا تھا پورے مراسم ادا نہ کر لیے جاتے تھے، اور نہ کبھی وصیت کے ذریعہ سے متوفی کی کوئی جائیداد تقسیم ہو سکتی تھی جب تک کہ ان مراسم کے اخراجات ٹھیک حصوں میں شرکائے وراثت سے وصول نہ ہو جاتے تھے۔

171 اس وقت کے قانون روما میں جب کہ ہمیں یہ مراسم آخر مرتبہ نظر آتے ہیں، اور ہندوؤں کے موجودہ قانون میں جو فرق ہے اس سے ہمیں بہت کچھ معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کے قانون میں مذہبی جز بہت غالب ہو گیا ہے، قانون اشخاص کی تمام تر، اور قانون اشیا کی بڑے درجہ تک بنیاد خاندانی قربانیوں پر قائم ہے۔ ان میں حد سے زیادہ وسعت ہوتی گئی، اور یہ رائے ایک حد تک معقول معلوم ہوتی ہے کہ بیوہ کا اپنے متوفی شوہر کے ساتھ سستی ہو جانا، جو ہندوؤں میں تاریخی زمانہ تک جاری تھا، اور جس کا پتہ دوسری ہندی یورپی قوموں میں بھی ملتا ہے، قدیم ”سکرا“ پر ایک قسم کا اضافہ تھا۔ اور یہ اس خیال کا اثر تھا کہ تمام صدقات میں بہترین صدقہ انسانی جان ہے۔

جو ہمیشہ قربانی کے ساتھ ملحق رہا ہے۔ برخلاف اس کے اہل روما میں قانونی اور مذہبی فرائض باہم مخلوط نہ رہے۔ ”سکرا“ کو مذہبی شکل میں لانا قانون ملک کے لحاظ سے لازم نہ رہا، بلکہ وہ مذہبی پیشواؤں کے دائرہ اختیار میں آگئی۔ جو خطوط سسرور نے اٹیکس (Atticus) کو لکھے ہیں اور جن میں جاسحا ان مراسم کا حوالہ ہے، ان کے دیکھنے کے بعد اس امر میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ توریت پر ایک ناقابل برداشت بار تھے؛ چونکہ ترقی کی وہ منزل جہاں سے قانون مذہب سے جدا ہو جاتا ہے گزر گئی ہے، اس لئے ہم آئندہ کے اصول قانون میں ان کا مطلق وجود نہ پانے کے لئے آمادہ ہیں۔

172

ہندوؤں کے قانون میں حقیقی وصیت کا کہیں پتہ نہیں۔ اس کی جگہ تبئیت ہے۔ اختیار وصیت اور قابلیت تبئیت میں جو تعلق ہے، اور ان دونوں کی عمل آوری میں جس وجہ سے مراسم خاندانی کے ادا کئے جانے کی ضرورت ہوتی ہے، وہ یہاں سے ظاہر ہو جاتی ہے وصیت اور تبئیت دونوں حالتوں میں خاندان کے تسلسل میں تفرقہ اور خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، لیکن بظاہر دونوں تجویزیں اسی غرض سے ہیں کہ جب کوئی ایسا قرابت دار موجود نہ ہو جو اس سلسلہ کو جاری رکھ سکے تو وہ سلسلہ کلیتہً منقطع نہ ہونے پائے۔ ان دونوں تجویزوں میں سے تبئیت، یعنی فرضی قرابت کے قیام نے قدیم اقوام کے بڑے حصہ میں رواج پایا۔ ہندوؤں نے قدیم دستور پر اتنا ضرور اضافہ کیا کہ بیوہ کو ایسی حالت میں تبئیت کا اختیار دے دیا جب کہ اس کے شوہر نے یہ عمل کسی وجہ سے ترک کر دیا ہو۔ بنگال کے مقامی دستور میں اختیار وصیت کے کچھ غیر نمایاں نشانات ضرور پائے جاتے ہیں۔ لیکن وصیت کے ایجاد کا اعزاز خاص طور سے اہل روما کا حصہ ہے، جس کو معاہدات کے بعد انسانی تمدن کے تبدیل کر دینے میں بڑا دخل رہا ہے۔ جو کام موجودہ زمانہ میں ان سے لئے جاتے ہیں انکو وصیت

کی قدیم شکل سے متعلق کرنے میں ہم کو احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ ابتدائاً وصیت جائداد متوفی کی تقسیم کا ذریعہ نہ تھی، بلکہ منحل اور طریقوں کے خاندان کی نمایندگی کو جدید سردار کی طرف منتقل کرنے کی ایک صورت تھی۔ وارث یقیناً جائداد کا مالک ہوتا تھا، مگر اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ خاندان کی حکومت کے انتقال کے ساتھ مشترکہ جائداد پر تصرف کا اختیار بھی اس کی طرف منتقل ہو جاتا تھا۔ وصیت کی تاریخ میں ابھی ہم اس منزل سے بہت دور ہیں جس میں وہ جائداد کو دورہ اور گردش میں رکھنے کی ترغیب اور حقوق مالکانہ میں نرمی پیدا کر کے قوموں کی حالت بدل دینے میں بڑا کارآمد ذریعہ ثابت ہوئی۔ روما کے آخری عہد کے مقنین بھی یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اختیار وصیت کے ساتھ اس قسم کے نتائج کو کوئی تعلق ہے۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ اہل روما وصیت ناموں کو جائداد اور خاندان کی تقسیم یا دوسرے مختلف اقسام کے اغراض پیدا کرنے کے ذرائع نہیں تصور کرتے تھے، بلکہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کے ذریعہ سے خاندان کے ارکان کے لئے بہتر انتظام ہوتا ہے جو بلا وصیتی توریت کے قواعد پر عمل کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہیں یہ شبہ کرنے کی یقیناً گنجائش ہے کہ اہل روما کے تصورات وصیت نامہ لکھتے وقت ان تصورات سے بالکل جدا تھے جن سے ہم اس زمانہ میں آشنا ہیں۔ تبیین اور وصیت کو خاندان کے اجرا کا ایک ذریعہ سمجھنے کا یہ نتیجہ تھا کہ اہل روما کے خیالات شاہی توریت کے متعلق غیر معمولی طور سے نرم تھے۔ یہ امر صاف طور سے نظر آتا ہے کہ قدیم شہنشاہوں کی یکے بعد دیگرے جانشینی معقول طور سے باہم باطن تصور ہوتی تھی، اور باوجود ان تمام واقعات کے جو پیش آئے، تھیوڈوسیوس (Theodosius) اور جسٹینین (Justinian) سے شہزادوں کا اپنے آپ کو قیصر اور گئس کے خطابوں سے مخاطب کرنا بیجا یا نامعقول نہیں

متصور ہوا۔ ابتدائی جماعتوں کے واقعات پر روشنی پڑنے کے بعد، سترھویں صدی کے مقننین کی اس رائے سے کہ توریث بلا وصیت کو وصیتی توریث پر تقدم حاصل ہے، جسے وہ مشتبہ قرار دیتے تھے، انکار کرنا محال ہو جاتا ہے۔ اس مسئلہ کے طے ہو جانے کے بعد راجح سوال پیش آتا ہے کہ ابتدائے وصیت کی ہدایتوں کے ذریعہ سے تسلیم اور کن حالات میں خاندان پر اختیارات کے منتقل ہونے، اور موت کے بعد تقسیم جائیداد کا عمل شروع ہوا۔ اس سوال کے حل کرنے میں جو دقت پیش آتی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ قدیم جماعتوں میں وصیت کے اختیارات بہت شاذ تھے۔ یہ امر بھی مشتبہ ہے کہ آیا وصیت کے صحیح اختیار سے کوئی ابتدائی تمدن بھی بجز رومیوں کے واقف تھا۔ اس کی ابتدائی شکلیں جا بجا نظر آتی ہیں، مگر ان کا بڑا حصہ اس شبہ سے خالی نہیں کہ وہ رومیوں سے اخذ کی گئی ہیں۔ ایشیا (یونان کا پائے تخت) کی مروجہ وصیت یقیناً اسی ملک کی تھی، مگر وہ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا ناقابل اور بے ربط تھی۔ شاہی روما کے وحشی فاتحوں کے ان قوانین میں جو ہم تک پہنچے ہیں جس وصیت کی اجازت ہے وہ یقیناً اہل روما کی ہے۔ جرمنی میں ان وحشیوں کے قوانین (Leges Barbarorum) کے متعلق بڑی چھان بین ہوئی ہے جس کا بڑا مقصد یہ ہے کہ ہر نظام قانونی کے وہ اجزاء جو بطور دستور اس قوم کے اصلی اوطان میں جاری تھے ان اجزاء سے علیحدہ کر دے جائیں جو قانون روما سے اتفاقی طور سے مستعار لے لئے گئے ہیں۔ اس عمل نے یہ امر بالکل صاف کر دیا کہ مجموعہ قوانین کے قدیمی اور اصلی اجزاء میں وصیت کا کہیں پتہ نہیں چلتا، جو کچھ قواعد وصیت کے متعلق ہیں وہ اہل روما کے اصول قانون سے اخذ کئے گئے ہیں۔ سیطر (جہاں تک میں نے سنا ہے) یہودیوں کے فقہاء کے قوانین میں جو کچھ

تھوڑا بہت وصیت کے متعلق ہے وہ اہل روما کے میل جول کی وجہ سے ہے۔ وصیت کی ایک شکل جس کا تعلق رومیوں یا یونانیوں سے نہیں ہے، اور جو ایک درجہ تک ملکی سمجھی جاسکتی ہے وہ ہے جو برہائے رسم و رواج ہنگال میں تسلیم کی جاتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ صرف انگریزی اور ہندوستانی مقننین کی ایجاد ہے، اس کی حیثیت بھی ایک غیر کامل اور ابتدائی وصیت سے زیادہ نہیں متصور ہوتی۔ جس قدر اور جس قسم کی شہادت اس بارہ میں دستیاب ہوتی ہے اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ابتدائے وصیت اسی وقت نافذ ہوتی تھی جب کہ ایسے لوگ موجود نہ ہوتے تھے جو کہ حقیقی یا فرضی شرکت خون کی بنا پر وراثت کے مستحق ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے جب ایشینیا کے باشندوں کو پہلی مرتبہ قوانین سولن (Solon) کی رو سے وصیت کرنے کا اختیار دیا گیا تو وہ اپنی زریعہ اولاد کے سلسلہ کے لوگوں کو محروم کر دینے سے ممنوع کر دے گئے تھے۔ اسی طرح ہنگال کی وصیت کا اثر وراثت پر اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ وہ خاندان کے خاص خاص قابل ترجیح دعاوی کے خلاف نہ ہو۔ یہودیوں کے اصلی قوانین میں وصیت کے حق کا کہیں پتہ نہیں چلتا، ان کے زمانہ مابعد کے اصول فقہ کی رو سے جو قانون موسوی کی فرد گذشتوں (Causus Omissi) کی اصلاح کے دعویدار ہیں، وصیت کا نفاذ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ وہ رشتہ دار جو قانون موسوی کے لحاظ سے وارث قرار پا سکتے ہیں غیر موجود یا مفقود النجر ہوں۔ جرمنی کے قدیم مجموعہ قوانین میں اصول وصیت جن شرائط کے ساتھ شروط ہیں اور جو ان مجموعوں کے اجزا قرار پا چکے ہیں وہ بھی قابل لحاظ ہیں اور اسی نتیجہ کی طرف منہر ہوتے ہیں۔ اکثر ان جرمنی قوانین کی، جس شکل میں کہ وہ ہم کو پہنچے ہیں، یہ خصوصیت معلوم ہوتی ہے کہ وہ علاوہ خاندانی مشرکہ جائداد (Allod) کے مختلف نوع اور اقسام کی ماتحت جائدادیں بھی تسلیم کرتے ہیں۔ غالباً ان میں

سے ہر ایک اہل روما کے ایک جداگانہ اصول کو قدیم ٹیوٹانی دستوروں کے قالب میں ڈھال لینے سے پیدا ہوئی ہے۔ جرمنی کی قدیم یا مشترکہ خاندانی جائیداد قرابت داروں کے لئے مخصوص ہے۔ وہ وصیت کے ذریعہ سے منتقل نہیں ہو سکتی ہے اور اس کا انتقال ماہین زندہ اشخاص کے بھی مشکل ہے۔ ہندوؤں کے قانون کی طرح قدیم جرمنی قانون بھی نرمیہ اولاد کو ان کے باپوں کے ساتھ شریک اور مالک جائیداد قرار دیتا ہے اور خاندانی اوقاف (موروٹی جائیداد) بغیر خاندان کے تمام ارکان کی رضامندی کے علیحدہ نہیں کیے جاسکتے۔ مگر دوسری قسم کی جائیداد جو موروٹی جائیداد کی نسبت زمانہ حال کی اور ادنیٰ قسم کی ہو (جائیداد کمسوبہ) وہ اس سے زیادہ تو آسانی کے ساتھ منتقل ہو سکتی ہے اور اس کے انتقال کے قواعد بہت زیادہ نرم ہیں۔ ایسی جائیداد کی وارث عورتیں اور ان کی اولاد بظاہر اس اصول پر ہو سکتی ہے کہ جائیداد مذکور سلسلہ ذکور کے مقدس دائرہ قرابت سے باہر واقع ہے۔ یہی اور اسی قسم کی جائیداد تھی جس پر ابتدائاً ان وصیتوں کا جو اہل روما سے اخذ کی گئی تھیں نفاذ ہوتا تھا۔

اہل روما کی وصیت کی قدیم تاریخ میں سلمہ واقعہ کی جو قیاسی توضیح کی جاتی ہے اس کی مزید تائید ان چند تفصیلات سے بھی ہوتی ہے۔ اس امر کے متعلق کافی شہادت کا موجود ہونا بیان کیا جاتا ہے کہ رومی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں وصیتوں کی تعمیل (Comitia Calata) باشندگان روما کے شرفاء کی مجلس میں اس وقت ہوتی تھی جب کہ مجلس مذکور خانگی معاملات پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوتی تھی۔ اسی طریقہ تعمیل کی بنا پر یہ مقولہ عہدہ داروں میں پشتہا پشت زبان زد رہا کہ تاریخ روما کے ایک عہد میں ہر وصیت کی حیثیت ایک باضابطہ مجریہ قانون کی ہوتی تھی مگر ایسی توضیح کی طرف توجہ کرنے کی احتیاج نہیں معلوم ہوتی جس میں نقص موجود ہو کہ اس سے ایک قدیم مجلس کی کارروائی میں ضرورت سے زیادہ

177

باضا بطگی کا اظہار ہوتا ہو مجلس مذکور میں وصیت کی تعمیل کا جو قصہ ہے اس کی صحیح تفسیر اہل روما کے قانون توریت بلا وصیت میں تلاش کرنی چاہئے۔ اہل روما کے قدیم ”اصول قانون“ کے وہ قواعد جن کا تعلق قرابتداروں کی باہمی وراثت سے تھا، جب تک کہ دیوانی عہدہ داروں کے مجریہ قوانین (Edictal law of the Praetor) سے غیر متاثر رہے، حسب ذیل تھے:۔ اول۔ اولاد صلبی جو علیحدہ نہ کر دی گئی ہو وارث ہوتی تھی۔ اولاد صلبی کے نہ ہونے کی صورت میں اس کی جگہ قریب کا ایک جہدی رشتہ دار لیتا تھا یعنی وہ قریب کا شخص یا جماعت جو متوفی کے ساتھ ایک بزرگ خاندان کی حکومت میں رہتی تھی۔ اس کے بعد تیسرا اور اخیر درجہ وہ تھا جس میں وراثت انخیار (Gentiles) یعنی متوفی کی قوم (Gens or House) کے جملہ اشخاص کو پہنچتی تھی۔ قوم، جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں، خاندان کی ایک فرضی توسیع تھی جس میں روما کے تمام شریف باشندے جو ایک ہی نام سے موسوم ہوتے تھے، اور جو اسی بنا پر ایک جہدی خیال کئے جاتے تھے، شریک تھے۔ یہ شرفا کی مجلس جو (Comitia Curiata) کے نام سے موسوم تھی واضح آئین و قوانین تھی، اور اس میں تمام خاندانوں کے نمائندے شریک ہوتے تھے، وہ اہل روما کی نمائندہ مجلس تھی، اور اس مفروضہ پر قائم تھی کہ حکومت کا انفرادی اور اصلی جز خاندان (Gens) ہے۔ اس سے جو نتیجہ لازمی طور سے نکل سکتا ہے وہ یہی ہے کہ اس مجلس کا وصیتوں کو تسلیم کرنا انخیار (Gentiles) کے حقوق سے تعلق رکھتا تھا، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ آخر میں وہ لوگ اپنے حقوق وراثت سے محروم نہ رہ سکیں۔ یہ تمام ظاہری بے ترتیبی اس وقت رفع ہو جاتی ہے جب کہ یہ فرض کر لیا جائے کہ وصیت کا کرنا اسی وقت جائز تھا جب کہ موصی کے رشتہ داران بعید (Gentiles) معلوم نہ ہو سکتے تھے، یا وہ لوگ اپنے حقوق سے دست بردار نہ ہو جاتے تھے، اور نیز یہ کہ روما کی عام مجلس شرفاء میں ہر وصیت اس غرض سے پیش ہوتی تھی کہ وہ لوگ جنہیں اس

178

تقسیم سے نقصان پہنچا ہو اگر چاہیں تو اس کو منسوخ کرادیں یا اس کے نفاذ کے متعلق اپنی رضا مندی کا اظہار کریں، جس کی بنا پر یہ قیاس کیا جاسکے کہ وہ اپنے حقوق عودی سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ بارہ الواح کی اشاعت کے چند روز قبل ہی اس تہذیب کے اختیار میں بہت کچھ کمی ہو گئی ہو یا وہ کبھی کبھی اور بطور شاذ کام میں لایا جاتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مجلس کے اختیارات کا مفہوم اور آغاز بیان کر دینا اس کی تدریجی ترقی اور انحطاط کے پتہ چلانے سے بہت زیادہ آسان ہے۔

وہ وصیت جس سے اس زمانہ کے تمام وصیت ناموں کا پیدا ہونا ظاہر ہوتا ہے وہ وصیت نہیں ہے جس کی تعمیل ”مجلس کلاٹا“ (Comitia Calata) میں ہوتی تھی، بلکہ ایک دوسری وصیت ہے جو اس کے مقابلہ کے لئے تجویز ہوئی تھی، اور جس کی قسمت میں لکھا تھا کہ وہ اسے منسوخ کر کے خود اس کے قائم مقام ہو جائے۔ اس ابتدائی رومی وصیت کو ایسی تاریخی عظمت حاصل ہے، اور اس سے قدیم خیال پر اس قدر روشنی پڑتی ہے کہ میرا اسے بہ مجبوری کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنا قابل معافی منظور ہوگا۔

جب قانون کی تاریخ میں اختیار وصیت پر ہماری نظر پہلی مرتبہ پڑتی ہے تو ہمیں اسی کے آثار نظر آتے ہیں کہ اہل روما کے دوسرے اہم آئین کی طرح یہ آئین بھی شرفا اور عوام کے مابین باعث نزاع رہا ہے۔ اس سیاسی مقولہ کا اثر کہ ”عام شخص کسی خاندان کا رکن نہیں ہو سکتا“ یہ تھا کہ روما کی مجلس شرفا (Comitia Curiata) میں عوام داخلہ سے قطعاً ممنوع تھے۔ بعض محققین نے اسی بنا پر یہ رائے قائم کی ہے کہ عوام میں سے کسی شخص کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ اپنی وصیت شرفاء کی مجلس میں پڑھ یا پڑھوائے، اور اس لحاظ سے وہ وصیت کے اختیار سے کلیتہً محروم ہو گیا تھا۔ دوسرے محققین اس توضیح پر مطمئن ہو گئے

ہیں کہ مجوزہ وصیت کو ایک ایسی بیگانہ مجلس میں پیش کرنا جس میں موسیٰ کا کوئی نمائندہ نہ ہو سختی سے خالی نہ تھا۔ ان دونوں میں سے خواہ کوئی رائے صحیح ہو، بہر حال وصیت کی ایک ایسی صورت رائج ہو گئی جس میں ایسی تجویز کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں جو کسی ناپسندیدہ فرض سے جان بچانے کے لئے نکالی گئی ہو۔ وصیت زیر بحث ایک انتقال مابین اشخاص زندہ تھا یعنی موسیٰ کے گھر اور جائیداد کا، کامل اور ناقابل تسخیر طور سے اس شخص کی طرف منتقل کر دینا جس کو وہ چاہتا تھا کہ اس کا وارث ہو۔ قانون روما کے صریح قواعد کے لحاظ سے ایسے انتقال کی اجازت ضرور ہوگی، لیکن جب مقصد یہ ہوتا ہوگا کہ اس کا نفاذ بعد وفات کے ہو اس وقت یہ بحث پیش آتی ہوگی کہ آیا بغیر مجلس شرفا کی باضابطہ منظوری کے ایسا انتقال وصیتی مقاصد کے لئے جائز تصور ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس بارہ میں باشندگان روما کے دو فریقوں میں اختلاف تھا، تو اس کو دوسرے اسباب رشک و حسد کے ساتھ ساتھ ”دس ارکان کی عظیم عدالت“ نے جو بطور سمجھوتے کے قائم ہوئی تھی، رفع کر دیا۔ بارہ الوح کی یہ عبارت اس وقت تک موجود ہے کہ ”خاندان کے باپ کا جس طرح اپنی جائیداد کے متعلق منصوبہ ہوگا اور اس کا جو انتظام چاہے گا، وہی قانون ہوگا“ اس قانون کا مقصد ہجر اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ عوام کی وصیت قانونی جواز کا پیرایہ اختیار کر لے۔

اہل علم بخوبی واقف ہیں کہ مجلس شرفا، اس کے بعد بھی کہ وہ حکومت روما کی مجلس واضعان آئین و قوانین نہ باقی تھی، صدیوں تک باضابطہ طور سے اپنے اجلاس خانگی کاموں کی آسانی کے لئے کرتی رہی ہے، اس لئے یہ سمجھنے کی گنجائش ہے کہ حکومت عشرہ کے قوانین (Decemviral Law) کے اجرا کے بعد بھی مجلس شرفا کا انعقاد وصیتوں کی تصدیق کے لئے ہوتا رہا ہوگا۔ اس کے فرائض کے

انہار کے لئے غالباً یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ رجسٹریشن کی ایک عدالت تھی، جو وصیتیں پیش ہوتی تھیں وہ کہیں درج نہیں کی جاتی تھیں صرف ارکان مجلس کے سامنے پڑھ دی جاتی تھیں جن کی نسبت سمجھا جاتا تھا کہ وہ ان کے مضامین سے واقف ہو کر ان کو یاد رکھیں گے۔ یہ امر بھی قرین قیاس ہے کہ اس قسم کی وصیتیں مطلق معرض تحریر میں نہیں آتی تھیں، لیکن اگر وہ ابتداً لکھی ہوئی ہوتی تھیں تو مجلس کا فرض صرف اس قدر ہوتا تھا کہ وہ ان کو باوازا بلند پڑھوا کر سن لے، اس کے بعد یہ دستاویز یا تو خود موسیٰ کے قبضہ میں رہتی تھی یا کسی مذہبی جماعت کی حفاظت میں رکھوا دی جاتی تھی۔ جو وصیت نامے مجلس شرفا میں تکمیل پاتے تھے ان کے مضامین افشا ہو جاتے تھے اور یہ منجملہ امور کے ایک سبب اس کے عوام میں ناپسند کئے جانے کا ہو گیا۔ شاہی سلطنت کے قیام کے ابتدائی زمانہ تک یہ مجلس اپنے اجلاس کرتی رہی مگر وہ محض ایک شکل ہی شکل رہ گئی تھی۔ اور اس کے وقت ابلا سوں میں بہت کم یا یوں کہو کہ مطلق وصیت ناموں کا پیش ہونا موقوف ہو گیا تھا۔ یہ قدیم عوام کی وصیت تھی، جسے اُس وصیت کا بدل کہنا چاہئے جس کا تذکرہ ہم ابھی کر چکے ہیں، اور جس کے بعد اثرات نے موجودہ دنیا کی تہذیب میں اس قدر تبدیلی کر دی ہے۔ اُس نے روما میں وہ ہر دلعزیزی حاصل کر لی جو ان وصیتوں سے مفقود ہو چکی تھی جو مجلس شرفا میں پیش ہوتی تھیں۔ اس کے تمام خصوصیات کا راز اس میں پوشیدہ ہے کہ وہ قدیم روما کے دستاویزات انتقال یا ”مین سی پیم“ (Mancipium) سے پیدا ہوئی، جسے بلا تامل ان دو بڑے آئین کا بانی مہانی کہنا بیجا نہ ہوگا جن کے بغیر موجودہ تمدن کا قائم رہنا سخت مشکل ہے یعنی معاہدہ اور وصیت۔ رسم ”مین سی پیم“ (Mancipium) جو بعد کی لاطینی تحریر میں (Mancipation) ہو گئی اپنے خصوصیات کی بنا پر ہم کو تمدن کی ابتدائی حالت کی طرف لے جاتی ہے، کیونکہ وہ اگر تحریر کی ایجاد کے قبل نہیں تو

کم از کم اس کے رائج اور عام استعمال میں آنے سے بہت پہلے معرض
ظہور آچکی تھی، اس لئے اشارات، علامتی افعال، اور رسمی فقرات، تحریر
کے قائم مقام قرار پائے۔ ان طویل اور پیچیدہ مراسیم کا مقصد یہ ہے
کہ معاملہ کی اہمیت کی طرف فریقین کی توجہ مبذول ہو، اور وہ معاملہ گواہوں
کے حافظہ پر منقش ہو جائے۔ چونکہ زبانی معاملہ بمقابلہ تحریری کے ناقص
ہوتا ہے اسی وجہ سے اس تعداد اور مقدار میں گواہوں اور مددگاروں
کی ضرورت محسوس ہوئی جو تعداد ہمیں زمانہ مابعد میں معقول اور مناسب
حد سے بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اہل روماء کے Mancipation
میں سب سے پہلے فریقین یعنی بائع اور مشتری یا اگر آج کل کی قانونی
اصطلاحات سے کام لیا جائے تو انتقال کنندہ اور منتقل الیہ کا موجود رہنا
ضرور تھا۔ پانچ گواہوں کے علاوہ ایک عجیب شخص یعنی ترازو کش کی بھی
ضرورت واقع ہوتی تھی، جو اپنے ساتھ ایک ترازو لے کر اس غرض سے
آتا تھا کہ روماء کے غیر ملوک مہی سکوں کو تولے۔ جس وصیت سے ہم
بحث کر رہے ہیں اور جو ”وصیت مہسکہ و ترازو“ کی اصطلاح سے
ایک زمانہ تک مشہور رہی وہ ایک معمولی قسم کی Mancipation تھی جس
کی شکل اور الفاظ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔ وصی انتقال کنندہ ہوتا تھا
بائع گواہ اور ترازو کش موجود رہتے تھے، اور منتقل الیہ کا قائم مقام ایک
شخص ہوتا تھا جو اصطلاحاً ”مشتری خاندان“ (Familiae emptor) کے
نام سے موسوم ہوتا تھا۔ اس کے بعد ”مین سی پیشن“ (Mancipation)
کی معمولی رسم، مقررہ اشاروں اور خاص فقرات کے ساتھ جو زبان سے
ادا کئے جاتے تھے، شروع ہو جاتی تھی۔ ”مشتری خاندان“ فرضی طور سے
قیمت ادا کرنے کی شکل بناتا اور ایک سکے سے ترازو کو بجاتا تھا اور
آخر کار موسی اس تمام کارروائی کی تصدیق مقررہ الفاظ میں جو Nuncupatio
یا ”اعلان معاملہ“ کے نام سے موسوم تھے کرتا تھا۔ مجھے قانون پیشہ
لوگوں کو یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ ”اعلان معاملہ“ ایک

ایسا فقرہ ہے جس کی معاملات وصیت میں ایک طویل تاریخ ہے۔ البتہ جو شخص ”مشری خاندان“ کے نام سے موسوم ہوتا تھا اس کی حیثیت کی جانب بطور خاص توجہ کرنا ضرور ہے۔ اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ابتدا وارث ہی ”مشری خاندان“ ہوتا تھا، اور موسیٰ اسی کی طرف اپنا تمام خاندان، یعنی جملہ وہ حقوق جو وہ خاندان پر یا خاندان کے ذریعہ سے رکھتا تھا، اور اپنی جائداد، اپنے غلام، اور اپنے تمام آبائی حقوق اور اس کے ساتھ اس کے تمام فراموش اور ذمہ داریاں منتقل کر دیتا تھا۔

ان تمام واقعات کو پیش نظر رکھ کر ہم ان بعض قابل لحاظ خصوصیات کو معلوم کر سکتے ہیں، جو اس قسم کی وصیت کی ابتدائی شکلوں کو جسے ”وصیت ذریعہ بیع و شری“ کہنا بیجا نہ ہوگا، زمانہ حال کی وصیت سے جدا کرتے ہیں۔ چونکہ اس وصیت سے موسیٰ کی جائداد قطعی طور سے منتقل ہو جاتی تھی، اس لئے وہ قابل تنسیخ نہ تھی، وہ اختیار دوبارہ کام میں نہیں لایا جاسکتا تھا جو ایک مرتبہ کام میں آکر ختم ہو چکا ہوتا تھا۔ علاوہ اس کے وہ کوئی راز نہ ہوتا تھا۔ ”مشری خاندان“ چونکہ خود وارث ہوتا تھا، اس لئے وہ اپنے حقوق سے بخوبی واقف ہوتا تھا، اور جانتا تھا کہ وراثت کا قطعی طور سے وہی مستحق ہے۔ اس علم کو اس زبردستی اور زیادتی نے جس سے قدیم قوموں کا بہتر سے بہتر تمدن بھی خالی نہ تھا بید خوفناک بنادیا تھا۔ ان وصیتوں کو انتحالات کے ساتھ جو تعلق پیدا ہو گیا تھا اس کا غالباً سب سے زیادہ تعجب انگیز نتیجہ یہ تھا کہ وراثت فوراً وارث کی طرف منتقل ہو جاتی تھی۔ بہت سے مدبران ملک کو یہ امر اس قدر ناقابل یقین معلوم ہوا کہ انھیں مجبوراً کہنا پڑا کہ موسیٰ کی جائداد کا انتقال موسیٰ کی موت کے ساتھ مشروط ہوتا ہے، یا اس کا آغاز ایک غیر متعینہ وقت یعنی معطلی کی وفات سے ہوتا ہے۔ گراہل روما کے ”امول قانون“ کے آخر زمانہ تک بعض

ایسے معاملات تھے جن میں شرط کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا، اور نہ وہ وقت سے محدود یا متاثر ہوتے تھے۔ اصطلاحی زبان میں یوں کہا جاتا ہے کہ وہ شرط اور وقت (Conditio or dies) کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ”مین سی پشن“ (Mancipation) زیر بحث بھی منجملہ انہیں معاملات کے تھی، اور اس لئے، اگرچہ ہم کو عجیب معلوم ہو، مگر مجبوراً ہم کو یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ روما کی ابتدائی وضعیتیں فوراً نافذ اور موثر ہو جاتی تھیں، گو کہ موصی وصیت کے بعد زندہ بھی رہے۔ یہ امر قرین قیاس ہے کہ ابتداً باشندگان روما اپنے وصیت نامے صرف مشروط بہ موت مرتب کرتے ہوں گے، اور جو انتظام قیام خاندان کے لئے ایک نوجوان شخص کی طرف سے عمل میں آتا ہوگا وہ بجائے وصیت کے تنہا کی شکل اختیار کرتا ہوگا۔ اس پر بھی ہم کو یہی باور کرنا چاہئے کہ اگر موصی بیماری سے صحت یاب ہو جاتا ہوگا تو وہ محض اپنے وارث کی اجازت اور مرضی سے خاندان پر حکومت کرتا ہوگا۔

قبل اس کے کہ میں یہ بتاؤں کہ یہ نقائص کس طرح دور کئے گئے اور وصیتوں میں وہ خصوصیات کس طرح پیدا ہو گئے جو عام طور سے اس زمانہ میں ان سے متعلق سمجھے جاتے ہیں مجھے دو تین امور بیان کرنے ضرور ہیں۔ ابتدا میں وصیتوں کا ضبط تحریر میں آنا ضرور نہ تھا بظاہر وہ ہمیشہ زبانی ہوا کرتی تھیں۔ آخر زمانہ میں بھی دستاویزات استقرار بہ بالوصیت کو وصیت کے ساتھ جو تعلق تھا وہ اتفاقی تھا، ان کا لازمی جز نہ تھا۔ ان دستاویزات کو وصیت کے ساتھ وہی تعلق تھا جو دستاویزات حق تمتع (Deedleading the uses) کو انگلستان کے قدیم قانون کے انتقال کے وقت کے نذرانوں (Fines) اور تنہا انتقال (Recoveries) کے ساتھ تھا، یا جو تعلق دستاویز عطیہ حقیقت متقل قابل ارث (Feoffment) کو خود ایسی حقیقت کے ساتھ ہوتا تھا۔ بارہ الواح سے قبل کسی قسم کی تحریر کا آمد نہ ہو سکتی تھی، کیونکہ موصی بہ بالوصیت کا مجاز ہی نہ تھا۔

وصیت سے جس شخص کو فائدہ پہنچ سکتا تھا وہ صرف وارث اور شریک وارث تھا۔ الواح کے فقرات کی انتہائی عمومیت سے یہ اصول پیدا ہوا کہ وارث کو وراثت پر ان ہدایات کے ساتھ قبضہ کرنا چاہئے جو موصی دے، دوسرے الفاظ میں اسے وراثت وصیتی ہباؤں کے ساتھ لینا چاہئے۔ اس بنا پر تحریری وصیتی دستاویزات کو ایک جدید وقت حاصل ہو گئی، اور اس کا امکان باقی نہ رہا کہ وارث بددیانتی سے موہوب لہ کے حقوق سے انکار کر سکے، مگر موصی کو اس کا اختیار آخر تک باقی رہتا تھا کہ وہ گواہوں کی شہادت پر پورا بھروسہ کرے اور زبانی ان وصیتی ہباؤں کا اعلان کرے جن کا ادا کرنا مشتری خاندان کے فہم قرار پایا ہو۔

”مشتری خاندان“ کی اصطلاح قابل توجہ ہے۔ لفظ مشتری (Emptor) سے ظاہر ہوتا ہے کہ وصیت لفظاً ایک معاملہ بیع سمجھا جاتا تھا۔ لفظ خاندان (Familia) کا مقابلہ جب بارہ الواح کی عبارت سے کیا جاتا ہے تو اس سے بعض مفید نتائج نکلتے ہیں۔ ”فیملیا“ (Familia) کا لفظ مستند لاطینی میں ہمیشہ غلام کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس جگہ اور نیز قدیم اہل روم کی قانونی زبان میں اس میں وہ تمام لوگ شامل تھے جو موصی کے اختیار پداری میں رہتے تھے، اور اس سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کی تمام مادی جائیداد خاندان کے ساتھ بطور اس کے ضمیمہ کے منتقل ہو جاتی تھی۔ جب بارہ الواح کے قانون پر توجہ کی جاتی ہے تو اس میں (Tutela vei suae) ”ولایت جائیداد“ کے الفاظ پائے جاتے ہیں، جو اس عبارت کے بالکل خلاف ہے جس سے ہم ابھی بحث کر چکے ہیں۔ اس سے بجز اس کے کوئی دوسرا نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اس قریب زمانہ میں بھی جب کہ دین جوں کی عدالت کا قیام ہو چکا تھا ایسے الفاظ جن سے ”خاندان“ اور ”جائیداد“ کا مفہوم پیدا ہوتا تھا مروجہ زبان میں رائج تھے۔ اگر ایک

شخص کا خاندان اس کی جائیداد کہا گیا ہوتا تو ہم اس کی تصریح یوں کرتے کہ اس کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اختیار والدین کی حد تک ہے، لیکن چونکہ دونوں الفاظ کا تبادلہ باہم دگر ہوتا ہے اس لئے ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ یہ انداز بیان ہمیں اس قدیم زمانہ کی طرف لے جاتا ہے جس میں جائیداد کا مالک خاندان ہوتا تھا، اور خاندان پر باشندگان شہر کی حکومت ہوتی تھی۔ اس طور سے جماعت کے ارکان نہ اپنی جائیداد کے مالک ہو تے تھے، اور نہ اپنے خاندان کے، بلکہ اپنی جائیداد کے بذریعہ اپنے خاندان کے مالک ہو تے تھے۔

ایک زمانہ میں جس کا صحیح طور سے تعین کرنا کچھ آسان نہیں ہے، اہل روما کے ملکی عہدہ دار اُن وصیتوں پر عمل کرنے کے عادی ہو گئے جن کی تکمیل میں قانون کے الفاظ سے زیادہ تران کے مقاصد کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ اتفاقی فروگزاشتیں قابل معافی قرار پاتی اور نادانستہ طور سے سلسلہ عمل درآمد کی شکل اختیار کرتی گئیں، یہاں تک کہ وصیت کی ایک بالکل جدید شکل پیدا ہو کر منظورہ ”اصول قانون“ میں داخل ہو گئی۔ اس جدید یا سرکاری وصیت کی تمام تر قوت کا انحصار نصفت روما (Jus Honorarium) پر تھا۔ کبھی ان سالانہ منتخب شدہ حاکموں (Praetor)

میں سے کسی نے اپنے تقرری اعلان میں ایک فقرہ اس مضمون کا شریک کر دیا ہوگا کہ اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ تمام ایسی وصیتوں کو جائز قرار دے جو ان مراسم کے ساتھ تکمیل پائی ہوں، چونکہ یہ اصلاح مفید پائی گئی اس لئے اس کا اعادہ یکے بعد دیگرے اس کے جانشین کرتے رہے ہوں گے یہاں تک کہ وہ اس ”اصول قانون“ کا ایک سلسلہ جز ہو گئی جو اس تواتر کی وجہ سے ”دوامی یا مسلسل حکم“ کے نام سے موسوم کی جانے لگی۔ اگر پریٹروں کی ایک جائز وصیت (Praetorian Will) پر غور کیا جائے تو صاف طور سے معلوم ہوگا کہ اس کی تشکیل بھی وصیت (Mancipatory Testament) کی ضرورتوں پر ہوئی ہے۔ بظاہر ہر جدید

عہدہ دار (Praetor) نے بطور خودیہ قرار دے لیا ہوگا کہ وہ قدیم مراسم کو اس حد تک قائم رکھے گا جو ان کی صحت کی ضمانت اور ان کو جعل اور فریب سے محفوظ رکھنے کے لئے کافی متصور ہوں۔ یہی وصیتوں کی تکمیل کے لئے علاوہ موصی کے سات آدمیوں کی حاضری ضروری سمجھی جاتی تھی، اسی طرح پریٹروں کی مجوزہ وصیت کے لئے سات آدمی ضروری قرار پائے، ان میں سے دو ”ترازوکش“ اور ”مشری خاندان“ کے مماثل سمجھے جاتے تھے، اگر اب اپنی علامتی حیثیت سے علیحدہ ہو کر صرف شہادت کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ کوئی علامتی رسم ادا نہ ہوتی تھی، صرف وصیت پڑھ دی جاتی تھی۔ اور اس صورت میں (اگرچہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا) موصی کے انتقال کے متعلق شہادت محفوظ رکھنے کے لئے غایب وصیت کا تحریری ہونا لازمی تھا۔ بہر حال جب کوئی تحریر بحیثیت کسی شخص کی آخری وصیت کے پڑھی یا پیش کی جاتی تھی تو یقین ہے کہ پریٹروں کی عدالت اسے مخصوص مداخلت کی بنا پر کبھی قبول نہ کرتی تھی جب تک کہ سات گواہوں نے علیحدہ علیحدہ اپنی مہر اسکی پشت پر ثبت نہ کر دی ہوں۔ ”اصول قانون“ کی تاریخ میں تصدیق کے لئے مہروں کے ثبت کئے جانے کا یہ پہلا منظر ہے۔ مہروں کا استعمال صرف بندش کے لئے اس سے بہت پہلے کا ہے۔ اور بظاہر اس سے یہودی واقف تھے۔ مگر اہل روم کی مہر جو وصیت ناموں یا دوسری اہم دستاویزات پر ثبت ہوتی تھیں وہ نہ صرف مقرر کے عطیہ یا رضامندی کی علامت تھیں، بلکہ ان کا مقصد بندش بھی تھا، اور ان کو تحریر پڑھنے کے لئے توڑنا پڑتا تھا۔

187

اس لئے ”قانون مصدرہ“ (Edictal Law) موصی کے ان انتقال کو جائز قرار دیتا تھا جن میں بجائے یہی وصیت کے مراسم ادا کئے جانے کے سات گواہوں کی مہریں تصدیقاً ثبت ہو جاتی تھیں۔ مگر یہ عام اصول کے طور سے کہا جاسکتا ہے کہ اہل روم کی

جائداد کی خصوصیات بجز خاص خاص طریقوں کے جو قانون ملکی کے ابتدائی وقت سے چلی آتی تھیں، ناقابل انتقال متصور ہوتی تھیں۔ اور اس لئے حاکم اس کا مجاز نہ تھا کہ ارث کو بدھر چاہے منتقل کر دے۔ وہ کسی وارث یا شریک وارث کے لئے وہ تعلق نہیں پیدا کر سکتا تھا جو خود موصی اور اس کے حقوق اور فرائض میں قائم تھا۔ جو کچھ وہ کر سکتا تھا وہ صرف اس قدر تھا کہ جو شخص وارث کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اسے علما متروکہ سے متمتع ہونے کی اجازت دے، اور موصی کے دیون میں جو رقم ادا کی جائے اسے قانونی برات کا مرتبہ عطا کرے۔ جب حاکم مذکور ان اغراض کے لئے اپنے اختیارات کام میں لاتا تھا تو اصطلاحی طور سے کہا جاتا تھا کہ اُس نے نصفتی قبضہ جائداد (Bonorum possessio) عطا کیا۔ جو وارث اس مخصوص طور سے قابض بنا دیا جاتا تھا وہ قانون ملکی کے لحاظ سے ہر مالکانہ حق کا مجاز تھا۔ تمام فوائد سے اسے استفادہ کی اجازت تھی، اور وہ انہیں منتقل کرنے کا بھی مجاز تھا، لیکن اسے ہر ناجائز فعل کی چارہ جوئی کے لئے، زمانہ حال کی اصطلاح کے مطابق، قانون ملکی کی طرف نہیں، بلکہ عدالت کے شعبہ نصفت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اسے وراثت میں نصفتی ملکیت حاصل تھی تو شاید زیادہ غلط نہ ہو۔ لیکن اس تشابہ سے غلط فہمی نہ واقع ہونے کے لئے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ایک سال کے قبضہ جائداد کے بعد اس پر قانون روما کے ایک دوسرے اصول کا عمل شروع ہو جاتا تھا جو ”حق بوجہ قدامت“ (Usucapion) کے نام سے موسوم ہوتا تھا جس کی بنا پر قابض تمام متروکہ (Quiritarian) کا مالک ہو جاتا تھا۔

ہم کو قدیم ملکی قانون کی عمل آوری کا علم اس قدر کم ہے کہ ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ جو مختلف چارہ کار عدالت پریٹری (Praetorian Tribunal) سے ادا کئے جاتے تھے ان میں سے کون زیادہ اور

کون کم مفید تھا۔ مگر یہ امر یقینی ہے کہ بیعی وصیت، جس کے ذریعہ سے جملہ حقوق بغیر کسی کمی کے فوراً منتقل ہو جاتے تھے، جدید وصیت سے منقود یا مطلق زائل نہ ہو سکی۔ اور ایسے زمانہ میں جب کہ قدیم طریقوں کے ساتھ زیادہ تر تعصب نہ برتا جاتا تھا، اور جب کہ غالباً لوگ ان کے مفہوم سے پوری طرح واقف ہی نہ رہے تھے، قانون دال صاحب کی تمام کوشش قدیم تر دستاویز (طریقہ) کی اصلاح کی طرف مصروف رہی۔ کیس کے عہد میں جو کہ خاندان انٹینی کے قیصرہ کا معاشرہ تھا بیعی وصیت کے اہم نقائص رفع کر دے گئے تھے۔ ابتدا میں، جیسا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے، مراسم کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ خود وارث کو ”مشری خاندان“ ہونا چاہئے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وارث کو نہ صرف فوراً حق پہنچ جاتا تھا بلکہ وہ باضابطہ طور سے اپنے حق سے واقف ہو جاتا تھا۔ لیکن کیس کے زمانہ میں یہ اجازت ہو گئی تھی کہ کوئی غیر متعلق شخص ”مشری خاندان“ کا قائم مقام ہو سکتا تھا۔ اس طور سے یہ ضروری نہ رہا کہ وارث اپنی جانشینی کے واقعہ سے مطلع ہو، اور اس کے بعد سے وصیت ناموں میں راز کی صفت پیدا ہو گئی۔ اشتراء خاندان کی رسوم میں بجائے حقیقی وارث کے غیر شخص کی قائم مقامی سے اور بھی بہت سے بعیدہ نتائج پیدا ہوئے۔ اس کے جائز قرار پا جانے کے بعد ہی اہل روم کی وصیت کے دو اجزایا دو مراتب قرار پا گئے۔ ایک انتقال، جو صرف ایک ظاہری شکل تھی، دوسرے اعلان (Nuncupatio)۔ کارروائی کی اس موخر الذکر نوبت پر موصی کو یا تو زبانی اپنے مددگاروں سے ان امور کو بیان کرنا ہوتا تھا جو وہ چاہتا تھا کہ اس کی وفات کے بعد عمل میں لائے جائیں یا وہ ایک تحریری دستاویز پیش کرتا تھا جس میں اس کی خواہشات مندرج ہوتی تھیں۔ جب تک فرضی انتقال کی طرف سے خیال بالکل ہٹ کر اعلان پر نہیں جما اور وہ معاملہ کا اصل جز نہیں سمجھا گیا، اس وقت تک یہ ممکن نہ ہوا کہ وصیت نامے قابل تفسیح قرار پائیں۔

اس طور سے میں وصیت کے شجرے کو ایک حد تک قانونی تاریخ میں لے آیا ہوں۔ اس کا اصل اصول وہ قدیم وصیت ہے جو ترازو اور سکوں کے ساتھ کی جاتی تھی، اور جو انتقال یا ”بین سی پیشن“ پر قائم تھی۔ اس قدیم وصیت میں بہت سے نقائص تھے جو عدالت شرفا کے قوانین نے مختلف طریقوں سے رفع کر دیے۔ اس عرض مدت میں مقننین کی دقیق نظری نے معمولی قانونی یا بھی وصیت میں وہی اصلاحیں اور ترقیاں کیں جو عہدہ دار اسی زمانہ میں نصفت میں کرتے رہے تھے۔ ان موثر الذکر ترقیوں کا انحصار محض قانونی طبالیوں پر تھا، یہی وجہ ہے کہ کیس اور الپین کے زمانہ میں وصیتی قانون ہیں ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے بعد جو تبدیلیاں ہوئیں ان سے ہمیں واقفیت نہیں، مگر آخر کار جسٹینین کے اصول قانون کو از سر نو مرتب کرنے کے قبل ہم یہ پاتے ہیں کہ سلطنت روما کے مشرقی حکومت کے باشندے وصیت کی ایسی شکل اختیار کئے ہوئے ہیں جس کا نسبی شجرہ ایک طرف عدالتی وصیت اور دوسری طرف بھی وصیت سے جاملتا ہے۔ عدالتی وصیت کی طرح اس میں بیع کی ضرورت نہ تھی، مگر جب تک اس پر سات گواہوں کی ہر نہ ہوتی تھی وہ ناقابل نفاذ قرار پاتی تھی۔ یہی وصیت کی طرح اس سے کل متروکہ منتقل ہو جاتا تھا، نہ صرف قبضہ استفادہ۔ اس وصیت کے مختلف اہم خصوصیات ایسے تھے جو صریح قوانین موضوعہ سے جدا کئے گئے تھے، اور انہیں تینوں ماخذ یعنی اعلان مجریہ حکام، ملکی قوانین، اور شاہی آئین کی وجہ سے جسٹینین نے قوانین وصیت کو اپنے زمانہ میں ”قانون مثلث الماخذ“ (Jus Tripartitum) کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ جدید وصیت جبراً کی ہم نے تفصیل کی عام طور سے رومی وصیت کہلاتی ہے۔ مگر اس کا رولج صرف روما کی مشرقی سلطنت میں تھا۔ ”سوگنی“ (Savigny) کی تحقیقات سے ظاہر ہے کہ

مغربی یورپ میں قدیم بھی وصیت معہ تمام آلات انتقال مثل
سکہ اور ترازو کے قرون وسطیٰ تک رائج اور شائع رہی۔

فصل ہفتم

وصیتوں اور توریت (چاشینی) کے متعلق

قدیم اور جدید خیالات

اگرچہ موجودہ یورپ کے قوانین وصیت کا بڑا جز وصیتی انتقال کے اُن قدیم ترین قواعد سے ملا ہوا ہے جو ایک زمانہ میں انسانوں میں رائج تھے، تاہم وصیت اور چاشینی کے متعلق قدیم اور جدید خیالات میں بڑا فرق ہے، اور میں اس فصل میں ان میں سے بعض اختلافات کو بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

ایسے زمانہ میں جو الواح عشرہ کے زمانہ سے صدیوں قبل تھا، ہم مختلف ایسے قواعد پاتے ہیں جو اولاد کو محروم الارث کر دینے کے امداد کے لئے اہل روم کے ملکی قانون میں اضافہ کیے گئے تھے۔ حکام کے اختیارات کا رجحان بھی اسی مقصد کے حصول کی طرف پایا جاتا ہے، اور ہمارے سامنے ایک جدید چارہ کار بھی پیش کیا جاتا ہے، جو اپنی نوعیت میں نرالا اور جس کا ماخذ غیر یقینی ہے، اور جو ”عرضی دعوائے متعلقہ وصیت نا واجب“ کے

نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور جس کا مقصد اس اولاد کی وراثت کو دوبارہ قائم کر دینا ہے جس سے وہ اپنے باپ کی غیر منصفانہ وصیت کی بنا پر خارج کر دی گئی تھی۔ قانون کی اس حالت کو الواح عشرہ کی عبارت سے مقابلہ کرنے کے بعد، جس میں وصیت کے متعلق وسیع اختیارات پائے جاتے ہیں، بعض مصنفین کو قانون وصیت کی تاریخ میں بہت سے بے سرو یا افسانے داخل کر دینے کی ترغیب ہوئی۔ ان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کو محروم الارث کر دینے کی کارروائیاں دفعتاً بکثرت بزرگان خاندان کی طرف سے عمل میں آنے لگیں، اور اس جدید عمل سے عامہ خلایق کے اخلاق پر برا اثر پڑنے لگا، اور حکام نے والدین کی اس بداخلاقی کو روکنے میں جس جرأت کا اظہار کیا وہ پسندیدہ نظروں سے دیکھا جانے لگا۔ یہ قصہ اگرچہ خاص واقعات متعلقہ کے لحاظ سے بے بنیاد نہیں ہے، لیکن اکثر اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے قانونی تاریخ کے اصول کی سخت غلط فہمی کا اظہار ہوتا ہے۔ جو قانون الواح عشرہ میں درج ہے اس کی توضیح اُس زمانہ کے خیالات کے لحاظ سے ہونی چاہئے جس میں وہ نافذ ہوا۔ قانون مذکور اُس رجحان کی اجازت نہیں دیتا جس سے اختلاف کرنے کی ضرورت زمانہ مابعد نے محسوس کی، بلکہ اس مفروضہ پر چلا ہے کہ ایسا کوئی رجحان موجود ہی نہ تھا، یا شاید یوں کہنا بہتر ہوگا کہ وہ ایسے رجحان کے وجود کو ممکن ہی نہ سمجھتا تھا۔ یہ امر بھی قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ اہل روما محروم الارث کر دینے کا اختیار فوراً آزادی کے ساتھ کام میں لانے لگے۔ یہ فرض کر لینا تمام دلائل اور صحیح تاریخ فہمی کے بالکل خلاف ہوگا کہ خاندان کی غلامی کا وہ جو جو ہمارے علم میں ایسے مقامات میں جہاں وہ سب سے زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے نہایت صبر کے ساتھ اٹھایا جاتا ہے، اُس معاملہ میں گردن سے

اتار کر بھینک دیا جائے گا جس میں ہمارے زمانہ میں بھی اس کا قائم رہنا بجز نظر استحسان کے اور کسی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ بارہ الواح کے قانون میں وصیت کی اجازت اُسی صورت میں دی گئی تھی جس میں وصیت کا کیا جانا ممکن سمجھا جاتا تھا، یعنی اولاد اور قریب کے رشتہ داروں کے موجود نہ ہونے کی صورت میں۔ اس میں اولاد کے سلسلہ مستقیم کے لوگوں کو محروم الارث کر دینے کی کوئی مانعت نہ تھی، کیونکہ اسی صورت کے لئے کسی امتناعی قاعدہ کے بنانے کی ضرورت ہی نہ تھی جس کی طرف اس زمانہ کے کسی مفقن کا ذہن منتقل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا کہ جب رفتہ رفتہ اہل خاندان کی محبت ابتدائی ذاتی فرائض میں داخل نہ رہی تو کبھی کبھی اولاد کو محروم الارث کر دینے کی کوشش کی جانے لگی۔ لیکن حکام کی مداخلت اس بری عادت کی عمومیت کی بنا پر شروع نہیں ہوئی، بلکہ یقینی طور سے اس کا پہلا محرک یہ ہوا کہ اس قسم کا غیر فطری خیال شاذ اور نادر، اور اس زمانہ کے مروجہ اخلاق کے خلاف تھا۔

روما کے قانون وصیت کے اس جز سے جن امور کا اظہار ہوتا ہے وہ بالکل دوسری قسم کے ہیں۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اہل روما کبھی یہ نہیں سمجھتے تھے کہ وصیت خاندان کو محروم الارث کر دینے یا متروک کو غیر مساوی طور سے تقسیم کرنے کا، ایک ذریعہ ہے۔ جوں جوں اصول قانون میں وسعت ہوتی گئی ان قواعد کی تعداد اور سختی میں اضافہ ہوتا گیا جو اس غرض سے وضع کئے جاتے تھے کہ وصیت ان اغراض کے لئے کام میں نہ لائی جاسکے۔ یہ قواعد مجموعی طور سے اہل روما کے مستقل خیالات کے مطابق تھے، کسی مخصوص شخص کے اتفاقیہ احساسات کے تغیر و تبدل کا کوئی اعتبار نہ تھا۔ اس سے ظاہر ہو گا کہ اختیار وصیت کی زیادہ تر قدر اور وقعت اس بنا پر تھی کہ اس سے خاندان کے لئے انتظام کر جانے اور متروک کو منصفانہ اور مساویانہ طور سے تقسیم کرنے میں مدد ملتی تھی، جس کی امید وراثت بلا وصیت کی صورت میں نہیں کی جاسکتی تھی۔ اگر وہ

اندازہ جو اس بارہ میں عام خیالات کی نسبت قائم کیا گیا ہے صحیح ہے تو اس سے ایک حد تک اس امر کی تشریح ہو جاتی ہے کہ اہل روم میں بلا وصیت سر جانا کیوں ہمیشہ سخت ناپسندیدہ نگاہ سے دیکھا جاتا رہا۔ وصیت کے حق سے محروم ہو جانے سے بڑھ کر کوئی دوسری مصیبت نہیں سمجھی جاتی تھی اور دشمن کے حق میں اس سے سخت تر کوئی بد دعا نہیں متصور ہوتی تھی کہ وہ بغیر وصیت کے مر جائے۔ ہمارے زمانہ کے احساسات کی جو شکلیں ہیں ان میں سے کوئی شکل اس کے مماثل موجود نہیں ہے یا یوں کہو کہ اگر موجود ہے تو اس کی شناخت آسان نہیں رہی ہے ہر زمانہ میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی جائداد کے منتقل الہ کو پہلے سے تعیین کرنے بجائے اس کے کہ وہ اپنا یہ فرض قانون پر چھوڑ جائے۔ لیکن اہل روم کو جو شغف وصیت کے ساتھ ہے وہ اپنی شدت کی بنا پر تو ہم سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ اس خاندانی فخر سے بھی کوئی شغل نہیں جو محض طریقہ جاگیر داری کا نتیجہ تھا اور جس کی بنا پر ایک خاص قسم کی جائداد تنہا ایک نمایندہ کے ہاتھ میں آ جاتی تھی۔ اس سے جو غالب نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ وراثت بلا وصیت کے قواعد میں کوئی ایسا امر تھا جس کی بنا پر اس شے کے ساتھ یعنی تقسیم قانونی تقسیم پر ترجیح دی جاتی تھی۔ لیکن اس میں جو مشکل پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ جب اہل روم کی بلا وصیتی وراثت کے اس قانون پر نظر ڈالی جاتی ہے جو جیسٹین کے اس مجوزہ طریقہ توریت سے جسے زمانہ حال کے یقنین نے عام طور سے اختیار کر لیا ہے، صدیوں قبل نافذ رہ چکا ہے، تو اس میں کوئی امر بطور خاص ایسا نظر نہیں آتا جو نامناسب یا غیر منصفانہ کہا جاسکے۔ برخلاف اس کے جو طریقہ تقسیم اس میں بتایا گیا ہے وہ اس قدر منصفانہ اور معقول ہے اور اس طریقہ سے جس پر موجودہ تمدن عام طور سے مطمئن ہے اس قدر مختلف ہے کہ یہ سمجھ میں آنا مشکل ہے کہ اس کے ناپسند کئے جانے کے کیا اباب ہوئے ہوں گے، خصوصاً ایسے اصول قانون کی تحت

میں جس نے ان اشخاص کے حقوق وصیت نہایت مختصر اور محدود کر دیے تھے جن کے ذمہ اولاد کی پرورش تھی۔ اس صورت میں جو توقع کی جاسکتی تھی وہ یہ تھی، جیسا کہ اس وقت فرانس میں ہو رہا ہے، کہ خاندان کے بزرگ عام طور سے اپنے آپ کو وصیت کی رحمت سے محفوظ رکھیں گے، اور اپنے متروکہ کو قانون کے سپرد کر دیں گے کہ وہ جس طرح چاہے اس کے ساتھ عمل کرے۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ اگر اس بلا وصیتی وراثت کے پیمانہ پر جو جینیٹین کے زمانے سے پہلے نافذ تھا بغور و تامل نظر ڈالی جائے تو شاید یہ معاملہ ہو جائے۔ اُس وقت کے قانون نافذہ کا تار و پود دو مختلف اجزاء سے مرکب تھا، کچھ قواعد روماء کے ملکی قانون (Jus Civile) سے لے لئے گئے تھے، اور کچھ اعلانات مجریہ حکام سے ماخوذ تھے۔ قانون ملکی، جیسا کہ میں دوسری ضمن میں بیان کر چکا ہوں، یکے بعد دیگرے صرف تین طبقوں کے لوگوں کو وارث قرار دیتا ہے۔ یعنی غیر علیحدہ کردہ اولاد، قریب ترکے کے یک جدی رشتہ دار، اور اغیار کو۔ حکام نے ان تین طبقوں کے درمیان میں اور مختلف قسم کے رشتہ داروں کو داخل کر دیا تھا۔ جن کو ملکی قانون مطلق تسلیم نہیں کرتا تھا، بالآخر اعلانات اور قوانین ملکی سے مل ملا کر درشاہ کی ایک ایسی فہرست مرتب ہو گئی جو اس فہرست سے جو زمانہ حال کے مجموعہ ہائے قوانین میں پائی جاتی ہے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ یہاں جو امر یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں ایک وقت ضرور ایسا ہو گا جس میں صرف ملکی قوانین کی رو سے بلا وصیتی توریث کا تصفیہ ہوتا ہو گا، اس وقت حکام کے مجریہ اعلانات (Edict) کا یا تو وجود ہی نہ ہو گا یا ان کی پوری طور سے تعمیل نہ ہوتی ہوگی۔ ہمیں اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی، کہ حکام کے اعلانات کو ابتدا میں سخت مزاحمتوں کا مقابلہ کرنا پڑا ہو گا، اور قیاس غالب یہی ہے کہ عام خیالات اور قانونی رائے کے مستحق ہو جانے کے بعد بھی جو تبدیلیاں وقتاً فوقتاً اعلانات مذکور کے ذریعہ سے ہوتی رہتی تھیں وہ کسی عامل مول

کی تحت میں نہ تھیں، بلکہ مختلف مجسٹریٹوں کے رجحان کے ساتھ بدلتی رہتی تھیں۔ بلا وصیتی تو ریش میں اہل روما جن قواعد کے اس زمانہ میں پابند تھے اُن سے پوری طور سے اس امر کی توضیح ہو جاتی ہے کہ اہل روما متواتر صدیوں تک کیوں بلا وصیت مر جانے کو اس قدر ناپسندیدہ اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ اُس زمانہ میں وراثت کا سلسلہ یہ تھا کہ ایک ایسے باشندہ شہر کے فوت ہو جا۔ نے پر، جس کی کوئی وصیت یا باضابطہ وصیت نہ ہوتی تھی، اس کی غیر آزاد شدہ اولاد اس کی وارث ہوتی تھی۔ آزاد شدہ لڑکوں کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ اگر انتقال کے وقت اس کی صلبی اولاد میں سے کوئی زندہ نہ ہوتا تھا، تو ایک جدی رشتہ داروں میں جو شخص سب سے زیادہ قریب ہوتا تھا وہ وارث ہوتا تھا۔ لیکن وراثت کا کوئی حصہ کسی ایسے رشتہ دار کو نہیں پہنچتا تھا، خواہ وہ کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو، جس کا تعلق متوفی سے ذریعہ اثاث کے قائم ہوتا تھا۔ خاندان کی دوسری تمام شاخیں خارج کردی جاتی تھیں، اور مرد کو اغیار (Gentiles) یا تمام روما کے اُن باشندوں کو پہنچتا تھا جو اسی نام سے مخاطب ہوتے تھے جس سے متوفی مخاطب کیا جاتا تھا۔ اس طور سے زمانہ زیر بحث کا ایک روما کا باشندہ اگر ایسی وصیت کی تکمیل کیے بغیر مر جاتا تھا جو قابل نفاذ ہو، تو اس کی آزاد شدہ اولاد بالکل محروم الارث ہو جاتی تھی، اور لاولد فوت ہونے کی صورت میں، اس کا قوی اندیشہ رہتا تھا کہ اس کی جائداد بالکل اس کے خاندان سے نکل کر ایسے مختلف لوگوں میں پہنچ جائے گی جن سے اس کا تعلق صرف اس رسمی مفروضہ پر ہے کہ ایک قبیلہ کے تمام ارکان ایک ہی مورث اعلیٰ کی اولاد سے ہوتے ہیں۔ یہ اندیشہ بجا ہے خود عام رائے کی توضیح کرنے کے لئے تقریباً کافی ہیں، مگر فی الحقیقت ہم اسے پوری طرح اسی وقت سمجھ سکیں گے جب کہ یہ امر پیش نظر رکھیں کہ جو حالت ہم بیان کر رہے ہیں وہ غالباً اس وقت تھی جب کہ اہل روما کی سوسائٹی متفرق خاندانوں کی

قدیم ترکیب کو چھوڑ کر تبدیلی کی ابتدائی منزلیں طے کر رہی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اولاد کی آزادی کا باضابطہ طور سے تسلیم کر لیا جانا حکومت پدری پر پہلی ضرب تھی، لیکن قانون ابھی تک اختیار پدری کو خاندانی تعلقات کی بنیاد قرار دے کر آزاد اولاد کو حقوق رشتہ داری سے محروم اور خاندان سے بیگانہ ہی قرار دیتا تھا۔ مگر ہم ایک لحظہ کے لئے بھی یہ فرض نہیں کر سکتے کہ جو حدود قانون خاندانی تعلقات پر قائم کرتا تھا ان کا کوئی برا اثر والدین کی فطری محبت پر پڑا ہوگا۔ خاندانی الفت یقیناً اسی بید استقلال اور مضبوطی کے ساتھ قائم رہی ہوگی جیسی کہ بزرگ نژاد کی حکومت کی حالت میں تھی، اور آزادی سے اس کا کوئی جزا ضل نہ ہوا ہوگا، بلکہ قیاس بجائے زوال کے اس کے استحکام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ اختیار پدری سے خارج کر دیا جانا بجائے فقدان محبت کے وجود محبت اور الطاف کا ایک نشان تھا، جو سب سے زیادہ پیارے اور قابل عزت بچے کو عطا کیا جاتا تھا۔ اگر ایسی عزیز اور با وقعت تر اولاد بغیر وصیت کے اپنی ارث سے قطعاً محروم ہو جاتی تھی، تو اس حالت کے پیدا ہونے سے جس قدر احتراز کیا جاتا ہوگا وہ محتاج توضیح نہیں ہے۔ ہم ان اسباب سے یہ نتیجہ نکال سکتے تھے کہ وصیت کی جانب جو اس قدر شور و شغب تھا اس کی وجہ وہ اخلاقی ظلم تھا جو بلا وصیتی توریث کے قواعد سے عائد ہوتا تھا۔ یہ قواعد اس موقع پر انہیں اصول کے خلاف پائے جاتے ہیں جو قدیم سوسائٹی کو باہم ملانے اور قائم رکھنے والے تھے۔ جو کچھ ہم کہہ آئے ہیں وہ مختصراً اس طرح بیان کی جاسکتا ہے کہ قدیم اہل روم کا قوی میلان خاندانی تعلقات کی طرف تھا، مگر سوال یہ ہے کہ خود خاندان کیا تھا۔ قانون اس کی ایک طرح تعریف کرتا تھا اور فطری محبت دوسری طرح۔ ان دونوں کے تصادم میں، وہ خیالات جس کی ہم آئندہ توضیح کر بیٹھے پیدا ہوئے، اور انہوں نے اس آئین کی طرف رجعت دلائی، جس کے

ذریعہ سے محبت کے جذبات کو یہ اختیار حاصل ہو گیا کہ وہ اپنے منظور نظر لوگوں کی قسمت کا فیصلہ کر سکیں۔

بنائے علیہ میں اہل روما کے بلا وصیت مرجانے کے خوف کو اس قدیم اور ابتدائی نظمکش کا ایک نشان سمجھتا ہوں۔ جو قدیم قانون اور خاندان کے متعلق ان قدیم خیالات میں، جو آہستہ آہستہ بدل رہے تھے، واقع ہو رہی تھی۔ اہل روما کے مجریہ قوانین کے بعض فقرات، اور مخصوص اس قانون نے جو عورتوں کی قابلیت وراثت کو محدود کرتا تھا، اس خیال کو تازہ رکھا ہوگا۔ اور عام طور سے یہی یقین کیا جاتا ہے کہ جو طریقہ امانتی ہبہ بالوصیت (Bequest in trust) جاری کیا گیا وہ انھیں ناقابلیتوں کے دور کرنے کے لئے تھا جو ان قوانین سے عائد ہوتی تھیں۔ لیکن اس خیال کا تشدد بتا رہا ہے کہ قانون اور رائے میں اس سے زیادہ ترک کوئی گہری دشمنی پہلے سے چلی آتی ہے، اصول قانون میں جو ترقی حکام کے اعلانات سے ہوتی رہی اس کا اس اختلاف کو نہ رفع کرنا کچھ تعجب انگیز نہیں متصور ہو سکتا۔ ہر شخص جو رائے کی حقیقت سے واقف ہے جانتا ہے کہ خیالات لازمی طور سے ان حالات کے زائل ہو جانے پر جو اس کی پیدائش کے باعث ہوئے تھے فنا نہیں ہو جاتے۔ وہ ان حالات کے رفع ہو جانے کے بعد بھی ایک مدت تک قائم رہتے ہیں، بلکہ ممکن ہے کہ ان میں ایسا تشدد اور سختی پیدا ہو جائے جو فی الحقیقت ان حالتوں کی موجودگی میں نہ تھی۔

یہ خیال کہ وصیت سے یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ جائیداد خاندان سے نکال دی جائے، یا ایسے غیر سادی حصوں میں تقسیم کر دی جائے جو موسی کے خیال یا اس کی صحیح عقل میں آئے، قرون واسطی کے آخر زمانہ سے زیادہ تر قدیم زمانہ کا نہیں ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ طریقہ جاگیر داری نے اپنا تسلط پوری طرح سے قائم کر لیا تھا۔ جب موجودہ ”اصول قانون“ اپنی ناتمام حالت میں تھا اس وقت بھی یہ باسانی

ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص وصیت کے ذریعہ سے اپنی جائیداد کا کل آزادی کے ساتھ جس طرح چاہے تقسیم کر دے۔ اس زمانہ میں جہاں کہیں جائیداد کا انتقال وصیت کے ذریعہ سے ہوتا تھا، اور یورپ کے بڑے حصے میں منقولہ اور ذاتی جائیداد وصیت ہی کے ذریعہ سے منتقل ہوتی تھی، وہاں اس وصیتی اختیار کے ذریعہ سے موصی کو شاذ ہی صورت میں اس کی اجازت ہوتی تھی کہ وہ بیوہ کے معینہ حصہ اور اولاد کے ایک متناسب سہام کے ملنے میں خلل انداز ہو سکے۔ اولاد کے سہام جیسا کہ ان کی مقدار سے ظاہر ہوتا ہے قانون رومہ کے اتباع سے مقبرہ کے گمے گئے۔ بیوہ کے لئے جو انتظام ہوا وہ کلیائی کوششوں کا نتیجہ تھا لیکن ہمیشہ بیوہ عورتوں کی طرف داری کرتا اور ان کے حالات سے دلچسپی لیتا تھا، اور وہی دو یا تین صدیوں تک نکاح کے وقت شوہروں سے اس امر کا صریح اقرار لیکر کہ وہ اپنی بیویوں کی سرپرست کے لئے مناسب انتظام کریں گے مغربی یورپ کے رسوماتی قانون میں ہر (Dower) کے اصول کا اضافہ کرانے میں کامیاب ہوا جو غالباً اس کی سب سے مشکل اور بڑی کامیابی تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو ہر آراضی کے ذریعہ سے دیا جاتا تھا، وہ اس کے مماثل اور قدیم تر طریقہ سے جس میں جائیداد منقولہ کا ایک جز بیوہ اور اولاد کے لئے محفوظ کر دیا جاتا تھا، زیادہ تر مستحکم ثابت ہوا۔ چند مقامی مراسم نے فرانس میں اس حق کو زمانہ انقلاب (Revolution) تک قائم رکھا، اسی قسم کے مراسم کے نشانات انگلستان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ بہر حال یہ اصول عام طور سے رائج ہو گیا کہ جائیداد منقولہ وصیت کے ذریعہ سے بہ آزادی تمام منتقل ہو سکتی ہے، اور اگرچہ بیوہ کے دعاوی کی وقت کی جاتی رہی مگر اولاد کے حقوق اصول قانون سے بالکل محو ہو گئے ہیں اس کہنے میں کوئی تردد نہیں ہو سکتا کہ اس تبدیلی میں ”اصول اولاد اکبر“ (Primogeniture) کو بڑا دخل تھا۔ چونکہ جاگیرات کا قانون آراضی (Feudal law of land) علی طور سے بجز ایک فرزند کے دوسرے فرزندوں

کو محدود کر دیتا تھا اس لئے ایسی جائیداد کی مساوی تقسیم بھی جو بہ آسانی تقسیم ہو سکتی تھی ضروری اور فرض نہ سمجھی جانے لگی۔ وصیت نامے غیر مساوی تقسیم کے سب سے بڑے ذرائع تھے، اور اسی حالت کی بنا پر وہ فرق پیدا ہوا جو کہ قدیم اور جدید وصیت کے تصور میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگرچہ ہمہ کا وہ اختیار جو وصیت سے حاصل ہوتا تھا طریقہ جاگیر داری کا ایک اتفاقی نتیجہ تھا، مگر وہ فرق بڑا فرق ہے جو ایک آزاد وصیتی انتقال، اور جاگیر است کے قانون اراضی کے طریقہ مثال میں پایا جاتا ہے، جس کی رو سے جائیداد لازمی طور سے ایک مقررہ سلسلہ میں منتقل ہوتی ہے۔ اس صداقت کو فرانس کے واضعان مجموعہ قوانین نے بظاہر بالکل نظر انداز کر دیا۔ اُس تمدنی نظموں جسے درہم برہم کر دینے کا انھوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا، انھوں نے دیکھا کہ اونا رابر کا حق عام طور سے خاندانی تملیک ناموں پر قائم ہے، ان کو یہ کسی معلوم ہوا کہ وصیت نامے اکثر بڑے بیٹے کو وہی ترجیح دینے کے لئے مستعمل ہوتے ہیں جو اس کے لئے صحیح تو طریقہ، تو ریٹ محدود (Strictest of entail) میں مخصوص ہے، اس لئے انھوں نے اپنے احکام کو یقینی اور قطعی کرنے کے لئے نہ صرف اس کو ناممکن کر دیا کہ معاہدات نکاح میں بڑے بیٹے کو ترجیح دینے کا انتظام ہو سکے، بلکہ اس خوف سے کہ والدین کی موت پر ان کا یہ اصول، کہ متروکہ اولاد میں مساوی طور سے تقسیم ہونا نہ ٹوٹنے پائے، انھوں نے وصیتی تو ریٹ کو تقریباً قانون سے خارج کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انھوں نے دائمی وراثت خاص کا ایک مختصر نظام قائم کر دیا ہے جو ہمہ بالوصیت کی کامل آزادی کو بہ نسبت یورپ کے زمانہ جاگیر داری کے طریقہ سے بہت زیادہ متا جلتا ہے۔ انگلستان کا قانون اراضی، جو طریقہ جاگیر داری کا دست و بازو تھا، یقینی طور سے قرآن و سنی کے قانون اراضی سے بہ نسبت یورپ کے دوسرے ممالک کے قانون کے زیادہ تر مشابہ ہے۔ اور ہم لوگوں میں وصیت نامے اکثر بڑے بیٹے اور اس کی اولاد کو مدد دینے یا اس ترجیح کا اتباع

کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں جو جائیداد غیر منقولہ کی تملیک ازدواج (Marriage settlement of real property) کی عام خصوصیت ہے۔ مگر باوجود اس کے اس ملک کی رائے اور خیالات پر آزاد وصیتی توریث کا بہت بڑا اثر پڑا۔ میرے نزدیک جائیداد کو خاندانوں میں محفوظ رکھنے کے متعلق جو خیالات اہل فرانس میں زیادہ تر شائع ہیں وہ بہ نسبت انگریزوں کے مروجہ خیالات کے ان خیالات سے زیادہ تر مشابہ ہیں جو دو یا تین صدی پیشتر تمام یورپ میں رائج تھے۔

اولاد اکبر کا تذکرہ ہمیں ایک ایسے مسئلہ کی طرف لے جاتا ہے جو تاریخی ”اصول قانون“ میں سب سے زیادہ مشکل ہے۔ غالباً یہ امر یاد ہوگا کہ میں نے اکثر ”شترکاوارث“ (Cohairs) کا ذکر کیا ہے جن کو اہل روما کے قانون وراثت نے تنہا وارث (Single heir) کے مائل قرار دیا ہے۔ اگرچہ میں نے ان اصطلاحات کی وضاحت نہیں کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اہل روما کے اصول قانون کا کوئی ایسا عہد نہیں پاتے جس میں وارث یا فطری جانشین کے قائم مقام وراثت کی ایک جماعت نہ ہوتی ہو۔ یہ جماعت تنہا وارث کی طرح جانشین قرار پاتی تھی اور بعد ان میں متروکہ جداگانہ قانونی کارروائی کے ذریعہ سے تقسیم ہو جاتا تھا۔ جب توریث بلا وصیت ہوتی تھی، اور اس جماعت میں موتی کی اولاد کے سوا کوئی اور شامل نہ ہوتا تھا، تو ہر شخص متروکہ میں مساوی حصہ پاتا تھا اور اگرچہ ایک زمانہ میں ذکور کو اثاثہ پر ایک حد تک تفوق تھا، مگر اولاد اکبر کے حقوق کا کہیں نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ قدیم اور متروکہ تمام اصول قانون میں تقسیم کا یہی طریقہ تھا۔ بظاہر یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ جب تمدن شرع ہو جاتا ہے اور چند پشتیں گزر جانے سے خاندانوں کا شیرازہ بکھر جاتا ہے تو یہ خیال خود بخود آتا ہے کہ جائیداد مساوی طور سے یکے بعد دیگرے آنے والی پشت کے ارکان میں مساوی طور سے تقسیم ہونی چاہئے اور اولاد اکبر یا اس کے سلسلہ کے لئے مخصوص حقوق محفوظ نہ رکھے جائیں۔

اس واقعہ کو قدیم خیالات کے ساتھ جو قریبی تعلق ہے اس کے معنی خیز اشارات ان نظام ہائے قانونی میں بھی ملتے ہیں جو اہل روم کے نظام سے بھی زیادہ تر قدیم ہیں۔ ہندوؤں میں بیٹے کو پیدائش کے ساتھ اپنے باپ کی جائیداد میں حق حاصل ہو جاتا ہے، جو بغیر اس کی مشترک ملکیت کے تسلیم کئے جانے کے فروخت نہیں ہو سکتی۔ لڑکا حد بلوغ کو پہنچ کر بعض اوقات اپنے والدین کی خلاف مرضی بھی جائیداد کو تقسیم کر سکتا ہے، اور اگر والدین راضی ہوں تو ایک بیٹا اپنے بھائیوں کے خلاف مرضی بھی تقسیم کر لینے کا مجاز ہے۔ اس قسم کی تقسیم میں باپ کو بیٹوں کے مقابلہ میں بجز اس کے کوئی ترجیح نہیں ہوتی کہ اسے بجائے ایک کے دو حصے ملتے ہیں۔ جو منی اقوام کا قدیم قانون بھی بالکل اسی کے مماثل تھا۔ خاندانی جائیداد (Allod) باپ اور بیٹوں کی مشترک ملک تھی، اور بظاہر عام طور سے والدین کے انتقال کے بعد بھی تقسیم نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح ہندوؤں کی جائیداد خواہ امولاً قابل تقسیم ہو، مگر فی الحقیقت یہ عمل شاذ ہے اور پشت پشت متواتر بغیر تقسیم کے گزر جاتی ہیں۔ اس طور سے ہندوستان میں خاندان کا دائمی میلان اسی طرف ہوتا ہے کہ وہ ان حالات میں جن میں آئینہ بصراحت بیان کرنے کی کوشش کروں گا پھیل کر گاؤں کی برادری بن جائے۔ ان تمام باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ موت کے واقع ہونے کی حالت میں متروکہ بالکل مساوی طور سے اولاد کو تقسیم ہو جاتا تھا، اور ایسی حالت میں کہ خاندان کا اتباع معرض زوال میں ہوتا ہے لوگوں میں عام طور سے یہی طریقہ رواج پال جاتا ہے۔ اور یہیں سے اولاد اکبر کی تاریخی دشواری شروع ہوتی ہے۔ جس قدر زیادہ صاف طور سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جاگیرداری کے ادارات کی ترکیب کے وقت دنیا میں اہل روم کے قانون صوبہ جات اور وحشی اقوام کے قدیم رواجوں کے سوا کچھ کوئی اور ماخذ موجود نہ تھا جس سے ان کے ابتدائی اصول لئے جاسکیں، اسی قدر بظاہر یہ معلوم کر کے کہ نہ اہل روم اور نہ وحشی

اقوام وراثت جائیداد میں اولاد اکبر یا اس کے سلسلہ کو ترجیح دینے کے عادی تھیں، ہماری پریشانی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

وحشی اقوام جب روما کی سلطنت میں آکر آباد ہوئیں اس وقت ان میں اولاد اکبر کو ترجیح دینے کا طریقہ رائج نہ تھا۔ اس کی ابتدا حسمہ اور سرداروں کے عطائے حق استفادہ (Beneficiary gifts) سے ہوئی۔

یہ حقوق استفادہ، جو شاذ مواقع پر ابتدا میں آکر آباد ہونے والے بادشاہ بغض لوگوں کو عطا کرتے تھے، اور جن میں شاریمین نے بڑی وسعت پیدا کر دی تھی، روما کے صوبہ جات کی اراضی کے متعلق تھے، جس کے معاوضہ میں ان لوگوں کو فوجی خدمات ادا کرنی ہوتی تھیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاندانی صاحب جائیداد لوگ (Allodial proprietors)

دور و دراز ہمت میں اپنے بادشاہ کے ساتھ نہیں جاتے تھے، اور فرانسیسی 20: سرداروں اور شاریمین کی تمام بڑی فوجی ہمت ان فوجوں سے انجام پائیں جو ایسے سپاہیوں سے مرکب تھیں جو ذاتی طور سے خاندان شاہی کے وابستہ، یا قابض اراضی ہونے کی وجہ سے ادا کے خدمت پر مجبور تھے۔

یہ حقوق استفادہ ابتداءً کسی معنی میں بھی موروثی نہ تھے۔ ان کا قیام معطلی کی مرضی پر، یا زیادہ سے زیادہ معطلی کی حیات تک کے لئے ہوتا تھا، مگر باوجود اس کے ابتداءً مستحقین استفادہ نے کوئی کوشش اس غرض کے لئے اٹھائی کہ ان کے حق استفادہ میں توسیع ہو اور ان کی وفات کے بعد ان کی اراضی ان کے خاندانوں میں باقی رہے۔

شاریمین کے جانشینوں کی کمزوری سے یہ کوشش عام طور سے کامیاب ہوتی گئیں، اور ان حقوق استفادہ نے رفتہ رفتہ موروثی حقیقتوں کی شکل اختیار کر لی۔ اگرچہ یہ حقیقتیں موروثی ہوئیں مگر اس کے ساتھ یہ لازم نہ تھا کہ ان کا مالک اولاد اکبر ہی ہو۔ جن قواعد وراثت کے وہ پابند تھے ان کا

تعیین ان شرائط سے ہوتا تھا جو معطلی اور معطلی کی میں قرار پا جاتی تھیں، یا ایک دوسرے پر اس کی کمزوری کے لحاظ سے عائد کر سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے

کہ ابتدائی قبضے مختلف نوعیت کے تھے، لیکن نہ اس قدر مختلف جیسا کہ بعض اوقات بیان کیا جاتا ہے۔ جو کچھ اس وقت تک بیان ہو چکا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وراثت کے ان طریقوں نے جن سے اہل روما اور وحشی اقوام واقف تھیں، جل کر ایک شکل پیدا کر لی تھی؛ تاہم ان کے باہم مختلف ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ بعض صورتوں میں اولاد اکبر اور اس کا سلسلہ یقینی طور سے بمقابلہ دوسروں کے حقیقت کا مالک ہوتا تھا، لیکن ایسی توریث کا عالمگیر ہونا تو درکنار عام ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ یورپ کے تمدن میں جو تبدیلی حال میں ہوئی اور جس میں جائیداد کی جاگیر کی صورت بدل کر (روی) ”ڈیٹا“ یا (جرمنی) ”الوڈل“ کی شکل ہوئی تقریباً یہی واقعات پیش آئے۔ ”الوڈ“ یعنی خاندان کی جائیدادیں کلیتہً حقیقتوں (Fiefs) میں منقسم ہوئیں۔ خاندانی جائیدادوں کے بڑے بڑے قابضوں نے اپنی اراضی کے بعض اجزا اپنے لواحقین میں بشرط خدمت منتقل کر کے جاگیر کی سرداروں کی حیثیت پیدا کر لی۔ اور چھوٹے چھوٹے قابضان جائیداد نے اس خوف ناک زمانہ کے نظام سے بچنے کے لئے اپنی جائیدادیں کسی قوی سردار کے حوالے کر کے بطور ان قلمے عطیہ کے ان کی لڑائیوں میں خدمات انجام دینے کی شرط پر واپس لیں۔ اس عرض مدت میں مغربی یورپ کی آبادی کا بڑا حصہ جو غلامی یا نیم غلامی کی حالت میں تھا یعنی رومی اور جرمنی ذاتی غلام، جو روما میں ”کلونی“ اور جرمنی میں ”لڈی“ کے ناموں سے موسوم کئے جاتے تھے، جاگیر کی نظام میں مسلسل جذب ہوتے چلے جاتے تھے۔ ان کا ایک تلیل حصہ اپنے سرداروں کے ساتھ ادنی خدمات کا تعلق پیدا کر لیتا تھا، مگر ان کا بڑا حصہ ان شرائط کے ساتھ جو ان صدیل میں ذلیل تھے جاتی تھیں اراضی لے کر گزار اوقات کرتا تھا۔ اس جاگیر داری کے عالم گیر نظام کے زمانہ میں جو تہمتیں پیدا ہوتی تھیں وہ ان شرائط کی طرح جو اسامی اپنے جدید سرداروں کے ساتھ کرتے تھے، یا جن کے قبول کئے جانے پر وہ مجبور کئے جاتے تھے، ایک دوسرے سے مختلف ہوتی تھیں۔

ان جائیدادوں میں سے بعض جائیدادوں کی وراثت میں حقوق استفادہ (Benefices) کی طرح اولاد اکبر کے قاعدہ کا اتباع کیا جاتا تھا۔ مگر جب تمام مغرب میں جاگیر داری نظام کا شیوع ہو گیا اس وقت یہ ظاہر ہونے لگا کہ اولاد اکبر کے اصول کو دوسرے تمام اصول پر تفوق حاصل ہے۔ اور وہ نہایت تیزی کے ساتھ تمام یورپ میں لٹایج ہو گیا اس کی اشاعت کے خاص ذرائع وہ خاندانی تملیک نامے تھے جو فرانس میں (Pactes de famille) اور جرمنی میں (Haus Gesetze) کے ناموں سے موسوم کیئے جاتے تھے، اور جن میں ہمیشہ یہ شرط ہوتی تھی کہ جو زمینیں فوجی خدمات کے معاوضہ میں دی جاتی ہیں وہ اولاد اکبر کی طرف منتقل ہونی چاہئیں۔ اس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ اس عالمگیر عملدرآمد کے سامنے قانون کو سر جھکا دینا پڑا، اور تمام رسمی قانون کے نظام میں، جو رفتہ رفتہ قائم ہوتا گیا، ان اراضی کی توریث میں جو معافی اور فوجی تھیں اولاد اکبر اور اس کے خاندان کو ترجیح دی جانے لگی۔ جو قطعاً اراضی ادنیٰ خدمات کے معاوضہ میں حاصل کیئے جاتے تھے (اور) ابتدا میں تمام اراضی ایسی ہی تھیں جن کی بنا پر اسامیوں کو نقد رقم دینا یا خدمت کرنا لازم آتا تھا، ان میں جو طریقہ توریث برائے رسم و رواج جاری تھا وہ مختلف ممالک اور مختلف صوبوں میں ایک دوسرے سے بالکل جدا تھا۔ عام قاعدہ یہ تھا کہ ایسی اراضی قابض کے فوت ہو جانے پر اس کی تمام اولاد میں تقسیم ہو جاتی تھی، مگر باوجود اس کے بعض حالات میں اولاد اکبر اور بعض حالات میں اولاد اصغر کو ترجیح دی جاتی تھی۔ مگر اولاد اکبر کا اصول عام طور سے ان جائیدادوں کی وراثت میں برتا جاتا تھا، جو بعض لحاظ سے سب سے زیادہ اہم تھیں، اور جو انگلستان کی حقیقت ”سوکج“ (Socage) کی طرح سب سے بعد قائم ہوئی تھی، اور جو نہ کلیئہ معافی اور نہ کلیئہ خدمتی تھیں۔

اولاد اکبر کے اصول کی اشاعت کی وجہ جاگیری مصالح قرار دیئے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آخری قابض کے فوت ہو جانے کے بعد

حقیقت کا بجائے مختلف لوگوں میں تقسیم ہو جانے کے، ایک مخصوص شخص کی طرف منتقل ہونا جاگیردار کی فوجی خدمات کے لئے زیادہ تر مفید اور محفوظ طریقہ تھا۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ متذکرہ بالا وجہ سے ایک حد تک اولاد اکبر کے اصول کے پسند کئے جانے کی توضیح ہوتی ہے، مگر میں یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اولاد اکبر کا اصول یورپ میں بہت جاگیرداروں کے فائدہ کے زیادہ تر اسامیوں کی پسند کی وجہ سے شایع ہوا۔ جو وجہ یہاں بیان کئے گئے ہیں ان سے اصول مذکور کی ابتدا کا مطلق پتہ نہیں چلتا۔ محض آسانی کے خیال سے قانون میں کوئی چیز داخل نہیں ہوتی، ہمیشہ اس کے متعلق کچھ خیالات پہلے سے موجود ہوتے ہیں جن کو آسانی کا احساس اپنے ساتھ لے کر کام کرتا ہے، اور بجز اس کے کچھ نہیں کرتا کہ اس کی جدید صورتیں قائم کر دے، اس وقت ان ہی خیالات کا دریافت کرنا زیر بحث ہے۔

ہمیں ان کا پتہ اسی ذریعہ سے ملتا ہے جو اس قسم کے پتوں کا منبع ہے۔ اگرچہ ہندوستان میں والدین کی جائیداد ان کے فوت ہو جانے پر قابل تقسیم ہے، اور ان کی زندگی میں بھی مساوی طور سے ان کی اولاد ذکر میں تقسیم ہو سکتی ہے، اور اگرچہ یہ مساوی تقسیم کا اصول ہندوؤں کے قانون کے ہر شعبہ میں جاری ہے، تاہم جب کوئی سرکاری عہدہ یا ملکی اختیار آخری قابض متوفی چھوڑ جاتا ہے، تو اس میں تقریباً ہمیشہ اولاد اکبر کی وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا ہے۔ اس لئے ریاستوں کے مالک بڑے بیٹے ہی ہوتے ہیں، اور جہاں اہل دیہہ کی اس جماعت کا انتظام، جو ہندوؤں کے تمدن کی اساسی فرد ہے، کسی ایک شخص کے سپرد ہوتا ہے، تو عام طور سے باپ کے فوت ہو جانے کے بعد بڑا لڑکا ہی اس کا متکفل ہوتا ہے۔ ہندوستان میں تمام عہدوں کا رجحان اسی طرف ہوتا ہے کہ وہ موروثی ہو جائیں، اور اگر ان کی نوعیت اس کی اجازت دیتی ہو تو وہ خاندان کی قدیم ترین شاخ کے سب سے بڑے

رکن کے سلسلہ میں رہیں۔ ہندوستان کے اس سلسلہ وراثت کو یورپ کے بعض اُن غیر ہندو تمدنی انتظامات کے ساتھ مقابلہ کرنے سے جو ہمارے زمانہ تک قائم ہیں، یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ، جب پدر سری خاندان کے سرداروں کے اختیارات نہ صرف خانگی بلکہ سیاسی بھی ہوتے تھے، تو وہ ان سرداروں کے فوت ہو جانے پر ان کی تمام اولاد میں تقسیم نہیں ہوتے تھے، بلکہ اولاد اکبر کے پیدائشی حقوق متصور ہوتے تھے۔ مثال کے طور سے بائیلیئمڈ کی برادریوں کی سرداری کا معاملہ پیش کیا جاسکتا ہے جس میں اولاد اکبر کا اصول برتا جاتا تھا۔ بظاہر حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ با ترتیب تمدنی جماعتوں کے قدیم نوشتہ جات سے جس خاندانی اتباع کا پتہ چلتا ہے، اس سے قدیم تر زمانہ میں بھی خاندانی اتباع کی ایک شکل موجود تھی۔ روما کے قدیم قانون میں ایک جدی لوگوں کا اتحاد، اور اسی طرح کی دوسری مختلف علامتیں ایک ایسے زمانہ کا پتہ دے رہی ہیں جب کہ ایک خاندان کے شجرہ کی پیچ در پیچ شاخیں ایک جیتے جاگتے مجموعہ کی شکل میں قائم رکھی جاتی تھیں۔ اور یہ محض ایک بے سرو پا قیاس نہیں ہے کہ جس زمانہ میں رشتہ داروں کا یہ مجموعہ بجائے خود ایک آزاد جماعت کا حکم رکھتا تھا، اس وقت قدیم شاخ کا سب سے بڑا رکن اس بر حکمرانی کو تا ہو گا۔ یہ سچ ہے کہ ایسی کوئی جماعت ہمارے حقیقی علم میں موجود نہیں ہے۔ ابتدائی سے ابتدائی جماعتوں میں بھی خاندانی انتظامات، جہاں تک ہمیں علم ہے، حکومت در حکومت (Imperia in imperio) کی شکل میں آتے مگر ان میں سے بعض اور خصوصاً ”سلٹی“ برادریوں کی حالت تاریخی زمانہ تک خود مختاری کے قریب قریب تھی، جس سے ہم اس نتیجے کے نکالنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ وہ ایک زمانہ میں جداگانہ حکومتیں (Imperia) تھیں۔ اور سرداری کی وراثت اولاد اکبر کو پہنچتی تھی۔ زمانہ حال کے لفظ قانون کے ساتھ جو تصورات ہیں ان سے ہمیں اپنے ذہن کو خالی رکھنا ضرور ہے۔ ہم ان خاندانی

تعلقات سے بحث کر رہے ہیں جو ہندوؤں کے تمدنی، اور قدیم اہل روما کے قانونی، معلومہ تعلقات سے زیادہ تر مربوط اور سخت تھے۔ اگر اہل روما کے خاندان کا باپ خاندانی جائیداد کا صریح ہتھم تھا، اور اگر ہندو باپ اپنے بیٹوں کے ساتھ جائیداد کا مشترک مالک ہے، تو قدیم زمانہ کے پدرسری خاندانوں کے سرداروں (Patriarchal Chieftain) کا مشترکہ سرمایہ کا سرف ہتھم ہونا پوری طرح سے ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ اولاد اکبر کی وراثت کی جو مثالیں جاگیر عطا میں ملتی ہیں وہ اس خاندانی حکومت کے طریقہ سے اخذ کی گئی ہوں جن سے فاتح قویں واقف تھیں، اگرچہ ان کا رواج عام نہ تھا۔ بعض وحشی اقوام میں ان کا اس وقت بھی رائج ہونا ممکن ہے، یا یوں کہو اور یہی زیادہ تر قرین قیاس ہے کہ موسائی کو قدیم طریقے چھوڑے ہوئے اس قدر کم زمانہ گزرا تھا کہ جدید قسم کی جائیداد کی وراثت کے قواعد متعین کرتے وقت خود بخود بعض انہخاص کے دل میں قدیم طریقوں کا خیال آ جاتا ہوگا۔ مگر ابھی تک یہ سوال حل طلب ہے کہ اولاد اکبر کی وراثت کا اصول دوسرے اصول پر رفتہ رفتہ کس طرح غالب آ گیا، اس کا جواب جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ ہے کہ یورپ کی موسائی کارلوں کی حکومت کے زوال کے بعد قطعی طور سے مبتذل حالت میں آ گئی تھی۔ ابتدائی وحشی سلطنتوں کے زمانہ میں جس ادنیٰ درجہ تک وہ پہنچ چکی تھی اس سے بھی اس کی حالت دو ایک درجہ اور نیچے ہو گئی۔ اس زمانہ کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ شاہی اور اس کے ساتھ ملکی اختیارات میں کمزوری پیدا ہو گئی، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ بالکل مفقود ہو گئے، جس سے تمام تمدنی انتظام کا شیرازہ ٹوٹ گیا تھا۔ لوگوں کو عام طور سے مجبور ہو کر اس تمدنی انتظام کی طرف واپس ہونا پڑا جو تمدنی جماعتوں کے آغاز سے قبل تھا۔ نویں اور دسویں صدی میں جاگیردار (Lord) اپنے متبعین (Vassals) کے ساتھ ایک پدرسری خاندان (Patriarchal house hold) کے مماثل تھا، جس کا انتخاب نہ بطریق عہد قدیم بلحاظ مناسبت اور محزونیت

بلکہ جاگیرداری کے اصول پر ہوتا تھا۔ ایسی جماعت کے لئے اولاد اکبر کی وراثت موجب قوت و استقلال تھی۔ جب تک وہ اراضی جس پر تمام انتظام کا انحصار تھا یکجا رکھی جاسکتی تھی اس جماعت میں حفاظت کی اور حملہ کی قوت باقی رہتی تھی، ایسی اراضی کو تقسیم کر دینا اس مختصر جماعت کو متفرق کر دینا اور اس عالمگیر نظم و زیادتی کے زمانہ میں دیدہ و دانستہ دوسروں کو بداعثیت کا موقع دینا تھا۔ یہیں اس امر کے متعلق کامل یقین رکھنا چاہئے کہ اولاد اکبر کی اس ترجیح میں دوسری اولاد کو محروم کرنے کا کوئی خیال شامل نہ تھا۔ جاگیرات کی تقسیم سے ہر شخص کا نقصان اور اس کے استحکام میں ہر شخص کا فائدہ تھا۔ اختیار کے ایک ہی شخص کے ہاتھ میں رہنے سے خاندان کی قوت بڑھتی تھی جو شخص وراثت قرار پاتا تھا اس کی نسبت یہ بھی گمان نہیں ہے کہ اس کو قبضہ، استفادہ، یا مراعات میں اپنے بھائیوں یا رشتہ داروں پر کوئی تفوق حاصل ہوتا تھا۔ جاگیر کے جانشین وراثت کو جو حقوق حاصل ہوتے تھے ان کا بڑے لڑکے کی اس حیثیت کے ساتھ جو انگلستان کی خاص تملیک سے پیدا ہوتی ہے مقابلہ کرنا ایک بے جوڑ بات ہوگی۔

میں اس سے قبل کہہ چکا ہوں کہ میری رائے میں ابتدائی جاگیری اتحاد (Feudal Confederacies) خاندان کی ایک قدیم ترکیب سے پیدا ہوا اور اس سے قوی مشابہت رکھتا ہے۔ مگر قدیم دنیا اور ان جماعتوں میں جنہیں جاگیری نظام کے سانچے میں ڈھلنے کا موقع نہیں ملا، جو اولاد اکبر کی وراثت کا اصول رائج تھا اس نے کبھی وہ شکل اختیار نہ کی جو بعدہ جاگیری یورپ میں اس کی ہو گئی تھی۔ جب رشتہ داروں کا گروہ کئی پشت ہو جانے کی وجہ سے ایک موروثی سردار کے زیر حکم نہ رہ سکتا تھا تو مشترکہ جائداد کا انہیں سب لوگوں میں مساوی طور سے تقسیم کر دیا جانا ظاہر ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جاگیری دنیا میں اسی کے مطابق عمل کیوں نہ ہوا؟ اگر جاگیرداری کی ابتدائی بد نظمی کے زمانہ میں بڑا لڑکا اراضی پر تمام خاندان

کی طرف سے قابض ہوتا تھا تو جاگیر یورپ (Feudal Europe) میں امن و امان اور باضابطہ جماعتوں کے دوبارہ قائم ہو جانے کے بعد خاندان میں اس مساوی تقسیم کرا لینے کی رسم اور قابلیت نے کیوں نہ عود کیا جو اہل روما اور جرمنی دونوں میں ایکساں طور سے شائع تھی؟ جن مصنفین نے جاگیر داری کے ماخذ کا پتہ لگانے میں زحمات اٹھائی ہیں ان کے ہاتھ وہ کنجی نہ لگی جس سے اس مشکل کا قفل کھل سکتا۔ انہوں نے جاگیر نظام کے مادہ پر نظر ڈالی مگر وہ چیز جو اُسے باہم ملائے والی تھی ان کو نظر نہ آئی۔ اس نظام کی ترکیب کے تمام خیالات اور تمدنی اشکال یقیناً وحشیانہ اور قدیم تھے، لیکن جب عدالتوں اور مقننین سے ان کی تعبیر اور تعریف کرائی جانے لگی، تو جن اصول تعبیر سے انہوں نے کام لینا شروع کیا وہ اہل روما کے جدید ترین ”اصول قانون“ کے قواعد ہونے کی وجہ سے بیحد مہذب اور پختہ تھے۔ ایک پدر سری جماعت میں اولاد اکبر کو یہ حق تھا کہ وہ وراثت یک جہی رشتہ داروں پر حکومت اور ان کی جائیداد پر پوری طرح تصرف کرے، لیکن اس سے وہ صحیح معنی میں جائیداد کا مالک نہیں ہو جاتا تھا۔ ان حقوق کے مقابلہ میں اس کے فرائض یہی تھے جو ملک کے تصور میں شامل نہ تھے، نہ ان کی تعریف کی گئی تھی اور نہ کی جاسکتی تھی۔ اہل روما کے جدید ترین اصول قانون نے خود ہمارے قوانین کی طرح، جائیداد پر غیر محدود اختیارات کو ملکیت کے مساوی تصور کیا، اور اس قسم کی ذمہ داریوں کا جن کا تصور باضابطہ قانون سے پیشتر زمانہ کا تھا نہ کوئی الحاظ کیا اور نہ ایسا ممکن تھا۔ اس مہذب اور وحشیانہ تصور کے اختلاط کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اُس نے اولاد اکبر کو میراث کا قانونی مالک بنا دیا۔ مذہبی اور غیر مذہبی مقننین ابتدا سے اس کی یہی حیثیت بتاتے رہے ہیں۔ پہلے تو چھوٹا بھائی اپنے رشتہ داروں کے رنج و راحت میں مساوی طور سے شریک ہوتا تھا مگر رفتہ رفتہ غیر محسوس طریقہ پر اس قدر بے وقعت ہو گیا کہ اس سے

پادری، یا خوش نصیب سپاہی، یا کسی امیر کے گھر کا دست نگر بننا پڑا۔ یہ قانونی انقلاب بعینہ دیا ہی ہے جیسا چھوٹے چہانہ پر زمانہ مال میں اسکاٹ لینڈ کے ہائی لینڈ کے بڑے حصہ میں واقع ہوا ہے۔ جب اسکاٹ لینڈ کے اصول قانون سے اس امر کی تشریح چاہی گئی کہ سرداروں کو اس جائداد پر جو قبیلہ کی بسربرد کا ذریعہ تھا کیا قانونی اختیارات حاصل تھے، تو اسکاٹ لینڈ کے اصول قانون کو اس حد سے گزرے ہوئے ایک مدت ہو چکی تھی جب کہ وہ کامل اختیارات میں ان غیر متعین شروٹ کا لحاظ کر سکے جو اہل قبیلہ ان پر عائد کئے جانے کے خواستگار تھے، اور بناءً علیہ اس سے چارہ نہ تھا کہ وہ متعدد اشخاص کے متروک کو ایک شخص کی جائداد کی صورت میں بدل دے۔

اُس طریقہ وراثت کو جس میں ایک بیٹا یا اولاد خاندان یا جماعت پر حکومت کا وارث ہوتا ہے میں نے بغرض اختصار ”وراثت اولاد اکبر“ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ لیکن یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اس قسم کی وراثت کی جو چند قدیم ترین مثالیں اس وقت موجود ہیں اُن میں اولاد اکبر اُسی معنی میں جس سے ہم واقف ہیں، ہمیشہ خاندان کا نمائندہ نہیں قرار پاتی ہے۔ اولاد اکبر کی وراثت کی شکل جو مغربی یورپ میں رائج ہوئی وہی ہندوؤں میں بھی قائم ہے، اور یہ سمجھنے کے لئے کافی وجوہ موجود ہیں کہ وہی معمولی شکل ہے۔ اس کے لحاظ سے نہ صرف اولاد اکبر، بلکہ سلسلہ اکبر کو ترجیح دی جاتی تھی۔ اگر بڑا بیٹا موجود نہیں ہوتا، تو اس کے بڑے بیٹے کو نہ صرف اس کے بھائیوں بلکہ اس کے چچاؤں پر بھی ترجیح دی جاتی ہے۔ اگر وہ بھی موجود نہیں ہوتا تو یہی قاعدہ دوسری پشت میں جاری کیا جاتا ہے۔ لیکن جب وراثت نہ صرف خاندانی بلکہ سیاسی اور ملکی اختیارات کے متعلق ہوتی ہے، اس وقت ایک مشکل پیش آتی ہے جو اسی قدر بڑھی ہوئی ہوتی ہے، جس قدر جماعت میں اتحاد کی قوت گھٹتی ہوئی ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ آخر سردار کے سامنے جو حکمران تھا

اس کا بڑا بیٹا فوت ہو جائے اور اس کا پوتا جو سب سے پہلے وارث قرار پانے کا مستحق ہے کم عمری اور نا تجربہ کاری کی وجہ سے جماعت کی حقیقی رہبری اور انتظام معاملات کے ناقابل ہو ایسی حالت میں جو کچھ منظم جماعت میں ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نابالغ وارث اس عرصہ مدت کے لئے کہ وہ محنت کے قابل ہو جائے کسی کے زیر ولایت رکھا جاتا ہے۔ عام طور سے ولایت کسی قریب کے ذکور رشتہ دار کی ہوتی ہے، مگر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ قدم جاتوں نے بعض اوقات اگرچہ وہ بہت شاذ ہیں ایسے مواقع پر طبقہ اناٹ کے استعمال اختیارات کو بھی جائز رکھا ہے جسے یقیناً ماؤں کے قابل لہذا حقوق کی وقت پر محمول کرنا چاہئے ہندوستان میں ایک ہندو رئیس کی بیوہ اپنے نابالغ بچے کے نام سے حکومت کرتی ہے۔ یہیں معلوم ہے کہ سلطنت فرانس کی وراثت خواہ اس کی بنا کچھ ہو یقینی طور سے سب سے قدیم ہے۔ اس میں دوسرے دعویداران ولایت پر ہلکے ماں کو ترجیح دی جاتی ہے، اگرچہ وہاں طبقہ اناٹ سختی کے ساتھ تخت نشینی سے ممنوع ہے۔ نابالغ وارث کو ریاست پہنچنے کی صورت میں جو وقت پیش آتی ہے اس کے دور کرنے کا ایک دوسرا طریقہ بھی ہے، جو بلا ارادہ زیادہ تر غیر منظم جماعتوں کے ذہن میں آتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نابالغ وارث کو بالکل اچھوڑ کر سرداری پہلی پشت کے باقی ماندہ بڑے لڑکے کو دی جائے۔ کلنی قبیلوں کی انجمنوں (Clan-associations) نے اس زمانہ کی اکثر یادگاریں قائم رکھی ہیں جب کہ خانگی اور ملکی حیثیتیں ایک دوسرے سے سرسری طور سے میسر نہیں ہوتی تھیں؛ ان میں یہ قاعدہ وراثت بھی ہے جسے انھوں نے تاریخی زمانہ تک پہنچا دیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں یہ ایک مسلہ قاعدہ تھا کہ بڑے بیٹے کے نہ موجود ہونے کی صورت میں اس کے بعد کے بیٹے کو تمام پوتوں پر ترجیح دی جاتی تھی گو تواریث حکومت کے وقت اس کی عمر کچھ ہی کیوں نہ ہو بعض مصنفین نے

اس اصول کی توضیح کے لئے یہ فرض کر لیا ہے کہ اس کے رواج میں آخری سردار اصل شخص یا اصل سلسلہ قرار دیا جاتا تھا اور وراثت قرابت داروں میں سے اس شخص کو پہنچتی تھی جو اس سے قریب تر ہوتا تھا، اس بنا پر چچا کو بمقابلہ پوتے کے ترجیح دی جاتی تھی کیوں کہ وہ مشترکہ اصل قریب تر ہے۔ اگر یہ بیان صرف نظام توریث کی حالت کا اظہار سمجھا جائے تو اس کی نسبت کوئی اعتراض عائد نہیں ہوتا، مگر یہ خیال کرنا سخت غلط ہوگا کہ جن لوگوں نے ابتدا میں یہ قاعدہ اختیار کیا وہ اس دلیل سے کام لے رہے تھے جس کا آغاز بظاہر اس وقت سے ہوا جب کہ جاگیر وراثت کے مسائل متنبین کی بحث میں آنے لگے۔ چچا کو پوتوں پر ترجیح دینے کی حقیقی بنیاد غیر شارحانہ جماعت اور غیر ثنائیہ لوگوں میں اس سیدھے سادے حساب سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ ایک بچہ کے زیر حکومت رہنے سے ایک عاقل اور بالغ سردار کے ماتحت رہنا بہت بہتر ہے، اور چھوٹے بیٹے کا عاقل اور بالغ ہو جانا بڑے لڑکے کی اولاد سے پہلے زیادہ تر قرین قیاس ہے۔ اولاد اکبر کی منداولہ وراثت کے قدیم اور ابتدائی شکل ہونے کی کسی قدر شہادت ہمیں اس روایت سے بھی ملتی ہے کہ جب نابالغ وارث کو چھوڑ کر اس کے چچا کا انتخاب کیا جاتا تھا تو تمام قبیلے کی رائے لینی پڑتی تھی۔ اسکاٹ لینڈ کے میکڈانلڈس کی سوانح سے اس رسم کے وقوع کا کامل اطمینان بخش ثبوت ملتا ہے، اور آئر لینڈ کے کلٹی قدیم آثار کی جو تعمیر محققین نے حال میں کی ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ اس قسم کے عمل کی متعدد مثالیں دستیاب ہوتی ہیں۔ ہندوستان کی دیہاتی جماعتوں میں بجائے بڑے بیٹے کے قریب کے رشتہ داروں میں سے کسی ”قابل تر“ شخص کا منتخب کر لیا جانا غیر معروف امر نہیں ہے۔ قانون اسلام کی رو سے جس

علہ اہل اسلام کا پختہ اعتقاد ہے کہ ان کا قانون (شرع) اللہ کی جانب سے ہے، دنیا کا اگر کوئی رواج شرع کے کسی جزئیہ سے مطابق نکلا تو اسلام نے اس کو باقی رہنے دیا، ورنہ اصلاح کر دی۔ اسلامی۔ ناظر مذہبی

غالباً عرب کا قدیم رواج قائم رکھا ہے، جائداد متروکہ تمام بیٹوں میں مساوی طور سے تقسیم ہو جاتی ہے، بیٹیوں کو نصف حصہ ملتا ہے۔ لیکن اگر تقسیم متروکہ سے پہلے اولاد میں سے کوئی شخص بال بچے چھوڑ کر مر جاتا ہے تو یہ پوتے اپنے چچاؤں اور پھپھیوں کی وجہ سے محبوب الارث ہو جاتے ہیں۔ جب تو ریث ملکی اختیارات کی ہوتی ہے تو اولاد اکبر کا وہی اصول برتا جاتا ہے جو بنظاہر کلٹی جماعتوں میں رائج تھا۔ مغرب کے دو بڑے مسلمان خاندانوں میں جس قاعدہ کا رواج یقیناً کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ چچا بمقابلہ بھتیجیوں کے مالک تخت و تاج ہوتے ہیں، اگرچہ بھتیجے بڑے بمقامی کے بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔ اگرچہ اس قاعدہ پر زمانہ حال تک مصر اور ترکی میں عمل ہوتا رہا ہے مگر مجھے معلوم ہوا ہے کہ سلطنت ترکی کی وراثت کے متعلق اس قاعدہ کا استعمال ہمیشہ مستباح کی نظر سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ سلاطین ترک کے طرز عمل نے عام طور سے ایسا موقع ہی نہیں آنے دیا کہ اس قاعدہ کو کام میں لانے کی ضرورت پڑے، ممکن ہے کہ ان کا اپنے چھوٹے بھائیوں کو عام طور سے قتل کروادینا خوف ناک دعویداران تخت و تاج کو معدوم کر دینے کے علاوہ اپنی اولاد کے فائدہ کے خیال سے بھی ہو۔ یہ امر ظاہر ہے

لے ملکی اختیارات (سلطنت) میں از روئے شرع تو ریث کوئی مشے نہیں، اسلام کی جماعت حل و عقد کو حق ہے کہ اپنے میں سے کسی موزوں تر ذات کو فرماں روائی کے لئے انتخاب کرے۔

عجادی۔ ناظر مذہبی

لے سلاطین ترک کا طرز عمل، عمومیت کے ساتھ، وہ نہ تھا جس کا ادعا اس کتاب میں ہے، اگرچہ ایسی نظریں موجود ہیں مگر تاریخ شاہد ہے کہ یہ کوئی قاعدہ عمومی نہ تھا۔

عجادی۔ ناظر مذہبی

۱۔ ایسی جماعتوں میں جن میں ایک سے زیادہ بیویاں کی جا سکتی ہیں اولاد اکبر کے اصول میں ہمیشہ رد و بدل کی گنجائش رہے گی۔ مختلف امور کو وراثت میں دخل ہو سکتا ہے مثلاً ماں کا مرتبہ یا باپ کا کسی بیوی کے ساتھ زیادہ تر محبت کرنا۔ اسی وجہ سے ہندوستان کے بعض مسلمان حکماں، بغیر اس ادعا کے کہ انھیں کوئی غیر معمولی وصیتی اختیار حاصل ہے، اس کے دعویدار ہیں کہ ان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی وراثت کے لئے کسی ایک بیٹے کو نامزد کریں۔ کتب مقدسہ کی مذہبی تاریخ میں حضرت اسحق اور ان کے بیٹوں کی جس دعا کا ذکر ہوا ہے وہ بعض اوقات وصیت کے نام سے موسوم کی جاتی ہے، مگر اسے اولاد اکبر کی نامزدگی سے موسوم کرنا زیادہ تر مناسب ہوگا۔

فصل ہشتم

جائداد کی ابتدائی تاریخ

روما کے قانونی مجموعوں میں ملک کے مختلف اشکال اور اقسام کی تعریف کرنے کے بعد حصول جائداد کے فطری طریقوں سے بحث شروع کی جاتی ہے۔ جو لوگ اصول قانون کی تاریخ سے واقف نہیں ہیں انہیں غالباً حصول جائداد کے ان فطری طریقوں میں کوئی زیادہ دماغی یا علمی دلچسپی نظر نہ آئے گی۔ جو وحشی جانور شکاری پکڑتے یا مارتے ہیں، جو زمین دریا کے غیر محسوس عمل جزر سے ہمارے کمیت میں بڑھ جاتی ہے، جو درخت ہماری زمین پر اگتا ہے ان سب چیزوں کی نسبت رومی مقنینین کہتے ہیں کہ وہ ہمارے قبضہ میں فطری طور سے آئیں۔ قدیم قانونی مصنفوں نے یقیناً یہ کہا تھا کہ اس طریقہ سے اشیاء کا حصول گرد و پیش کی اچھوٹی چھوٹی جماعتوں کے مرد و اور سلمہ رواج کے مطابق جائز اور روا تھا۔ زمانہ مابعد کے مقنینین نے ان کو قدیم قوانین ملک میں مندرج دیکھ کر اور آسان پا کر فطرت کے احکام میں شامل کر لیا۔ جو وقت اس اصول کو دی گئی تھی وہ زمانہ حال میں روز بروز بڑھتی گئی یہاں تک کہ ابتدائی وقت سے اس کو

کوئی مناسبت باقی نہیں رہی۔ اس اصول نے ان طریقوں کو اپنا ذریعہ حیات قرار دے لیا اور اس طور سے ان کو اس قابل کر دیا کہ وہ عمل پر اپنا قومی اثر ڈال سکیں۔ ان فطری حصول جائداد کے طریقوں میں سے صرف ایک یعنی ”دغل“ (Occupancy) پر ہمیں توجہ کرنے کی ضرورت واقع ہوگی۔ دغل دیدہ و دانستہ اس شے پر قبضہ کرنا ہے جو اس وقت کسی خاص شخص کی ملک نہ ہو (اصطلاحی تعریف میں اس قدر اور اضافہ ہے) اس غرض سے کہ اس کی ملکیت ہمیں حاصل ہو جائے۔ جن اشیاء کو روما کے متقنین غیر ملوکہ (Res Nullius) کہتے ہیں، یعنی وہ جن کا نہ کوئی شخص اس وقت مالک ہے اور نہ کبھی تھا، ان کا تعین اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ان کی تفصیل کر دی جائے۔ ان اشیاء میں جن کا کبھی کوئی مالک نہیں رہا ہے وحشی جانور، پھسلیاں، وحشی پرند، جواہرات جو پہلی مرتبہ نکالے جائیں، اور وہ زمینیں جو جدید طور سے دریافت ہوں یا جو کبھی کاشت نہ ہوئی ہوں داخل ہیں۔ ان اشیاء میں جن کا اس وقت کوئی مالک نہیں ہے جائداد منقولہ جس سے دست برداری کر لی گئی ہو، اور وہ زمینیں جو چھوڑ دی گئی ہوں، (اور سب سے اہم اور خلاف اصول) دشمن کی جائداد شامل ہے۔ ان سب اشیاء میں ملکیت کے تمام حقوق اس قابض کو حاصل ہو جاتے ہیں جو ان پر سب سے پہلے اس ارادہ سے قابض ہو جائے کہ وہ ان کو اپنا کر کے رکھے گا، اس ارادہ کا اظہار بعض صورتوں میں مخصوص افعال سے کرنا پڑتا ہے۔ میرے نزدیک اس عام شہرت کا نتیجہ میں آجانا کچھ مشکل نہیں ہے جس کی بنا پر ایک عہد کے رومی متقنین نے دغل کو اس قانون کا ایک جز قرار دیا تھا جو تمام اقوام میں مشترک ہے، اور نہ اس سادگی ہی کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش آتی ہے جس کی وجہ سے دوسرے گروہ نے اس کو قانون قدرت قرار دیا۔ لیکن زمانہ حال کی قانونی تاریخ میں اس کی جو حیثیت ہو گئی ہے اس کے قبول کرنے کے لئے ہم سابق کے خیالات کی بنا پر زیادہ تر آمادہ

نہیں ہیں۔ موجودہ زمانہ کے قانون بین الاقوام میں جو احکام مال غنیمت اور جدید دریافت شدہ ممالک میں حقوق شاہی کے متعلق ہیں ان کا ماخذ بھی رومی دخل کا اصول اور وہ قواعد ہیں جو اس کی توسیع میں قانونی مصنفین نے وضع کئے ہیں۔ انہیں سے جائداد کے آغاز کا ایک اصول پیدا ہوتا ہے جو بہت عام ہے اور جس کے ساتھ محقق اور غور کرنے والے مصنفین کی کثیر جماعت نے کسی نہ کسی صورت میں اپنے اتفاق کا اظہار کیا ہے۔

میں یہ اور بتا آیا ہوں کہ اہل روم کا اصول دخل ہی قانون بین الاقوام کی اس فصل کی بنیاد ہے جو مال غنیمت کے متعلق ہے۔ مال غنیمت کے قواعد اس مفروضہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ آغاز جنگ کے ساتھ ہی جماعتیں فطری حالت کی طرف عود کرتی ہیں اور جو فطری حالت اس مصنوعی طریقہ سے پیدا کر لی جاتی ہے اس میں جہاں تک فریقین جنگ کا تعلق ہے ذاتی جائداد کی ملکیت موقوف اور ملتوی ہو جاتی ہے۔ قانون فطرت پر زمانہ مابعد کے مصنفین ہمیشہ اس پر زور دیتے رہے ہیں کہ اس نظام کی رو سے جس کی توضیح وہ کر رہے ہیں شخصی جائداد بعض لحاظ سے جائز اور روا قرار پاتی ہے۔ ان کے نزدیک یہ مفروضہ کہ دشمن کی جائداد غیر ملوکہ ہے بالکل غلط اور سخت بدناما ہے اور وہ اسے اصول قانون کے ایک مفروضہ کے سوائے اور کسی نام سے موسوم کرنا پسند نہیں کرتے۔ لیکن جب اس کا پتہ چل گیا کہ قانون فطرت کا ماخذ بھی قانون ممالک ہی ہے تو ظاہر ہے کہ دشمن کی جائداد کس طرح غیر ملوکہ سمجھی جاسکتی اور اس قابل قرار پاسکتی ہے کہ جو شخص اس پر پہلے دخل حاصل کرے وہ اس کا مالک ہو جائے۔ یہ ایسا خیال ہے جس کا قدیم طریقہ کے جنگ آوروں کے دماغ میں بلا پس و پیش آ جانا کچھ مشکل نہ تھا، خصوصاً ایسی حالت میں کہ فتح کے ساتھ ہی فاتح فوجوں میں کوئی انتظام قائم نہ رہتا تھا اور یا ہی بلا روک ٹوک لوٹ مار کے

لئے چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ غالباً ابتدا میں صرف جائیداد منقولہ کی نسبت اس کی اجازت ہوگی کہ وہ دخل کی ملک ہو جائے۔ ہمیں آزاد شہادت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم اٹلی میں مفتوحہ ملک کی اراضی کے حصول کے متعلق اس سے بالکل مختلف قاعدہ جاری تھا، اور اس لئے ہمیں اس شبہ کی گنجائش نظر آتی ہے کہ اراضی کے متعلق دخل کا اصول (جو ہمیشہ ایک وقت طلب معاملہ ہے) اسی وقت سے شروع ہوا جبکہ ملکی قانون مجموعہ فطرت کی صورت اختیار کر رہا تھا، اور وہ ان عام استخراجات کا نتیجہ تھا جو عہد زریں کے مقنن پیدا کر رہے تھے۔ اس بارہ میں جو اصول قائم کئے گئے تھے وہ جینیٹن کے مجموعہ قوانین (Pandects of Justinian) میں محفوظ ہیں۔ اس میں صاف طور سے بیان کیا گیا ہے کہ دشمن کی ہر قسم کی جائیداد دوسرے جنگ آور فریق کے حق میں غیر ملوکہ ہے، اور دخل جس کے ذریعہ سے دخل اس کا مالک ہو جاتا ہے قانون فطرت کا ایک قاعدہ ہے۔

بن الاقوامی اصول قانون میں جو قواعد ان حالات سے اخذ کئے گئے ہیں بعض اوقات ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بے ضرورت جنگ آوروں کے وحشیانہ عمل اور ان کی حرص و ہوا کے محرک ہیں، مگر میرے خیال میں یہ الزام وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو لڑائیوں کی تاریخ سے ناواقف اور اس امر سے بیخبر ہیں کہ ایسی حالتوں میں کسی قسم کے حکم کی تعمیل کرنا کس قدر مشکل کام ہے۔ جب اہل روم کا اصول دخل زمانہ حال کے مال غنیمت کے قانون میں دخل ہو گیا تو اس کے ساتھ اور بہت سے ماتحت قواعد بھی آگئے جو اس کی عمل آوری کو محدود اور متعین کرتے تھے۔ اگر ان لڑائیوں کا جو گروٹیس (Grotius) کی تصنیف کے مستند تسلیم کر لئے جانے کے بعد پیش آئیں قدیم لڑائیوں سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ رومی اصول کے داخل ہو جانے کے بعد سے لڑائی نے زیادہ تر قابل برداشت

شکل اختیار کر لی ہے۔ اگر دخل کے رومی اصول پر یہ الزام عائد کیا جاسکتا ہے کہ اُس نے زمانہ حال کے قانون اقوام کے کسی جز پر بُرا اثر ڈالا، تو قانون مذکور کا ایک اور جز بھی ایسا ہے جس کی نسبت زیادہ تر معقول طریقہ سے یہ الزام عائد ہو سکتا ہے کہ جدید دریافت شدہ ممالک کے متعلق مصنفین کا اس اصول سے کام لینا جو اہل روم دریافت جواہرات سے متعلق کرتے تھے، بالکل بیجا تھا، اور اس سے وہ کام نہیں نکل سکتا تھا جس کی اس سے توقع کی جاتی تھی۔ ہندوؤں اور لہریں صدی کے مشاہیر بحری سیاحوں کی جدید دریافتوں سے اس اصول کو غیر معمولی امتیاز حاصل ہو گیا مگر جو نزاعیں اس اصول سے پیدا ہوئیں وہ ان سے بہت بڑھی ہوئی تھیں جنہیں وہ فیصل کر سکا۔ تھوڑے ہی زمانہ کے بعد سب سے زیادہ اشتباہ انھیں دو امور کے متعلق پیدا ہو گیا جن کے متعلق یقین کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ یعنی جس ملک کو دریافت کرنے والا دریافت کرے اس میں اس کے بادشاہ کے حقوق کس حد تک ہیں، اور اس شاہی قبضہ کی تکمیل کے لئے کس قسم کے افعال کی ضرورت ہے۔ اس اصول سے جو بصورت یاوری بخت بیحد مفید ثابت ہو سکتا تھا یورپ کی بعض منچلی قوموں مثلاً ڈچ، انگریز اور پرتگالیوں نے فطری طور سے سخت اختلاف کیا۔ خود ہمارے اہل وطن نے اگرچہ قانون اقوام کے اس قاعدہ سے کسی وقت بھی بصراحت انکار نہیں کیا، مگر عملی طور سے کبھی اس پر راضی نہ ہوئے کہ امریکہ کے اس حصہ پر جو خلیج میکسیکو کے جنوب میں واقع ہے اسپین کے دعوے ملکیت کو تسلیم کریں، یا بادشاہ فرانس کو وادی اوہیواور مسیسیپی پر تنہا قابض اور مستغرق رہنے دیں۔ ملکہ ایلزبتھ کی تخت نشینی سے لے کر چارلس دوم کی تخت نشینی تک کوئی وقت ایسا نہ تھا جس میں یہ کہا جاسکے کہ امریکہ کے سمندروں میں کمال طور سے امن رہا، اور نیو انگلینڈ کے باشندے تو اور ایک صدی تک فرانس کے

بادشاہ کے مقبوضات پر برابر دست درازی کرتے رہے۔ اس قانونی اصول کے عمل سے جو بے ترتبیاں پیدا ہوئیں انھیں دیکھ کر منہمک کو یہ مجبوری پوپ الکزنڈر ششم کے اس حکمنامہ کی تعریف اور توصیف کرنی پڑی جو اس نے اس بارہ میں جاری کیا تھا، اور جس کی رو سے دنیا کے غیر دریافت شدہ ممالک آئرویس سے ایکسویلیگ جانب مغرب ایک خط کینچ کر اہالی اسپین اور پرتگال میں تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ اگرچہ منہمک کی یہ تعریف بظاہر مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے، مگر یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا پوپ الکزنڈر کی یہ تقسیم اصولاً زیادہ تر لغو تھی یا قانون عام کا وہ قاعدہ جس کی رو سے ایک بڑا عظم کا نصف حصہ اس بادشاہ کے قبضہ میں آجاتا تھا جس کے ملازمین نے ان شرائط کی تکمیل کر دی ہو جو اہل روما کے اصول قانون میں ایک ایسی قیمتی شے کے حصول ملکیت کے لئے کافی تھیں جو منٹھی میں آسکتی ہو۔

جو لوگ اس کتاب کے موضوع کی تحقیقات سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لئے دخل کا مسئلہ بطور خاص توجہ کے قابل ہے، کیونکہ اس سے قیاسی (Speculative) اصول قانون میں کام لے کر شخصی جائداد کے آغاز کی ایک فرضی توضیح پیدا کی جاتی ہے۔ ایک زمانہ میں عام طور سے یہ باور کیا جاتا تھا کہ دخل کے لئے جو کارروائی ضروری ہے وہ بعیہ اس کارروائی کے مماثل ہے جس کے ذریعہ سے اراضی اور اس کی پیداوار کو جو ایک زمانہ میں ملک مشترکہ تھی، کسی خاص شخص کی ملک میں آ جانے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اس سلسلہ خیال کا سمجھ لینا جو اس امر کے فرض کر لینے کا باعث ہوا زیادہ مشکل نہیں ہے، بشرطیکہ ہم قانون فطرت کے قدیم اور جدید تصور کے باہمی باریک فرق کو نظر انداز نہ ہونے دیں۔ اہل روما کے مقتنین نے یہ قرار دیا تھا کہ حصول جائداد کے فطری طریقوں میں سے ایک طریقہ ”دخل“ ہے، اور وہ یقین کرتے تھے کہ اگر انسان فطری حالت میں رہے تو دخل ہی سے اسے کام لینا پڑے گا۔ قوم

میں اس حالت کے کسی وقت بھی موجود ہونے کے متعلق انہیں کہاں تک یقین تھا ایک ایسا امر ہے جس کی نسبت "جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں" ان کے مستعمل الفاظ سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ مگر یہ امر یقینی ہے کہ ان کا یہ قیاس کہ نظام جائداد اس قدر قدیم نہ تھا جتنا کہ انسان کا وجود ہر زمانہ میں ایک درجہ تک معقول سمجھا جاتا رہا ہے۔ زمانہ حال کے اصول قانون نے ان کے تمام نظریات کو بلا استثنا اختیار کر کے فطرت کی فرضی حالت پر اس قدر زور دیا کہ وہ تمام نظریات سے بہت آگے بڑھ گئی۔ اس وقت سے یہ حالت تسلیم کر لی گئی کہ زمین اور اس کی پیداوار ایک زمانہ میں غیر ملوکہ تھی، اور جو غیر معمولی تصور اصول قانون نے فطرت کے متعلق قائم کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے بلا تامل یہ فرض کر لینا پڑا کہ جماعتوں کی ترتیب اور تہذیب سے پہلے انسان فی الحقیقت غیر ملوکہ اشیاء کے دخل کا عامل اور عادی تھا، اور پھر بذریعہ استنباط یہ ماننا پڑا کہ دخل ہی وہ عمل تھا جس کے ذریعہ سے قدیم دنیا کی غیر ملوکہ اشیاء تاریخی دنیا میں آکر ذاتی جائدادیں بن گئیں۔ ان تمام مقنینین کے نام گنوانا جنہوں نے اس رائے سے کسی نہ کسی صورت میں اتفاق کیا ہے ایک بیکار عمل ہوگا۔ اس قسم کی کوشش زیادہ تر اس وجہ سے بھی فضول ہوگی کہ بلیک اسٹون نے جسے اپنے زمانہ کے متوسط آراء کا آئینہ کہنا چاہئے، اپنی کتاب کے دوسرے باب کی فصل اول میں ان آراء کو مختصر طور سے بیان کر دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "زمین اور وہ تمام اشیاء جو اس میں پائی جاتی تھیں خالق عالم کی عطا سے نوع انسان کی عام ملک تھیں۔ اشتراک ملک (Communion of goods) کا اصول، قدیم سے قدیم زمانہ میں بھی، صرف اشیاء کی حقیقت سے متعلق رہا نہ کہ ان کے استعمال سے۔ کیونکہ قانون فطرت و عقل کی رو سے اُسی شخص کو جس نے پہلی مرتبہ ایک شے کا استعمال شروع کیا اس شے پر ایک قسم کی عارضی ملکیت حاصل ہو جاتی تھی اور اس کے استعمال تک قائم رہتی تھی، یا اگر زیادہ تر صحت کے ساتھ

کہا جائے تو اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ حق قبضہ صرف اسی وقت تک قائم رہتا تھا جب تک قبضہ کا عمل قائم رہتا تھا۔ اس طور سے زمین مشترک تھی اور اس کا کوئی حصہ کسی خاص شخص کی مستقل ملک نہ تھا، مگر جو شخص کسی خاص مقام پر آرام یا سایہ وغیرہ کے لئے قابض ہو جاتا تھا وہ اس زمانہ کے لئے اس کا ایک قسم کا مالک ہو جاتا تھا اور اس کا وہاں سے یہ جبر بے دخل کر دیا جانا انصاف اور قانون فطرت کے خلاف سمجھا جاتا تھا، اس کے استعمال یا دخل سے دست بردار ہو جانے کے ساتھ ہی دوسرا شخص اس کا مجاز تھا کہ وہ اس پر قبضہ کرے، جو مطلق خلاف انصاف نہیں تصور ہوتا تھا، اس کے بعد بلیک اسٹون یہ بحث کرتا ہے کہ ”جب انسانوں کی تعداد بڑھ گئی تو اس امر کی ضرورت واقع ہونے لگی کہ زیادہ تر مستقل ملکیت کا تصور قائم کیا جائے اور لوگوں کو نہ صرف استعمال شے بلکہ شے مستعملہ کی ذات کا مالک قرار دیا جائے۔“

عبارت مندرجہ بالا میں بعض الفاظ کے ابہام سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ بلیک اسٹون خود اس اصول کو پوری طرح نہیں سمجھا جو اس نے کتابوں میں دیکھا تھا، یعنی یہ کہ ابتداً سطح زمین کی ملکیت از روئے قانون فطرت، دخل کے ذریعہ سے حاصل کی گئی۔ جو حد وہ اس نے دیدہ و دلتہ یا غلطی سے عائد کئے اُن سے اس مسئلہ کی وہی شکل ہو گئی جو عام طور سے رائج ہے۔ اکثر مصنفین نے جو الفاظ کے صحیح استعمال میں بلیک اسٹون سے زیادہ تر مشہور ہیں، اس اصول کو اس طرح بیان کیا ہے کہ آغاز کار میں سب سے پہلے دخل نے بمقابلہ تمام عالم کے بلا شرکت غیر سے مگر عارضی طور سے ایک حق پیدا کیا، بعد ازیں یہی حق بلا شرکت غیر سے رہنے سے مستقل ہو گیا۔ اس مسئلہ کو اس طرح بیان کرنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس اصول سے، کہ فطرت کی حالت میں غیر مملوکہ اشیاء دخل سے مملوکہ ہو جاتی ہیں، وہ استنباط غیر مطابق نہ ہونے پائے جو وہ کتب مقدمہ کی تاریخ سے اخذ کرتے تھے، یعنی یہ کہ قدیم پیرسری خاندانوں

کے سرداروں (Patriarchs) نے ابتداءً ان اراضی پر مستقل طور سے قبضہ نہیں کر لیا جن پر ان کے جانوروں کے ریوڑ اور گھٹے چرتے تھے۔

بلیک اسٹون کے نظریہ پر جو نکتہ چینی براہ راست کی جاسکتی ہے وہ یہی ہے کہ دریافت کیا جائے کہ قدیم تمدن کے وہ حالات جن کی تصویر انھوں نے کھینچی ہے کیا ایسے نہیں ہیں کہ کم و بیش دوسرے حالات اسی آسانی کے ساتھ ان کی جگہ قائم کئے جاسکیں۔ امتحان کے اس طریقہ کو اختیار کر کے ہم یہ سوال کر سکتے ہیں کہ آیا وہ شخص جو زمین کے ایک قطعہ پر آرام یا سایہ کے لئے ذلیل (Occupied) ہو گیا۔ (بظاہر بلیک اسٹون نے اس لفظ کو انگریزی زبان کے معمولی معنوں میں استعمال کیا ہے۔) وہ اس کا مجاز ہو گا کہ وہ اس پر بغیر کسی کی دست اندازی کے قائم رہے۔ اس کا امکان یقینی طور سے موجود ہے کہ اس کا قبضہ اسی وقت تک باقی رہے گا جب تک اس میں اس قبضہ کے قائم رکھنے کی طاقت ہے اور اس کو ہمیشہ اس امر کا کھٹکا لگا رہے گا کہ جو جدید شخص آئے گا اور اس مقام کو پسند کرے گا اور اپنے آپ کو قابض سے قوی تر سمجھتا ہو گا وہ اسے اس مقام سے بے دخل کر دے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان حالات کے متعلق ایسے تمام قیاسات بالکل بے نتیجہ ہیں، کیونکہ خود حالات مذکور بے بنیاد ہیں۔ بنی نوع انسان نے ابتدائی حالت میں جو کچھ کیا اس کی دریافت ممکن ہے کہ ناکامیاب نہ ثابت ہو، مگر ان کے کرنے کے وجہ تحریک کا معلوم کر لینا نامکن ہے۔ آفریش عالم کی ابتدا میں انسانی حالت کا جو خاکہ کھینچا جاتا ہے اس میں سب سے پہلے یہ فرض کرنا پڑتا ہے کہ انسان ماحول کے اس بڑے حصہ سے جس سے وہ اس وقت گھرا ہوا ہے عاری تھا، اور اس کے ساتھ ہی یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس فرضی حالت میں اس کے وہی خیالات اور رجحان تھے جو اس وقت اپنا عمل کر رہے ہیں، اگرچہ ممکن ہے کہ ان خیالات کے پیدا ہونے کے وہی حالات ہوں جن سے ہم نے ان کو عاری

فرض کر لیا ہے۔

سوگنی کا ایک مقولہ ہے جس کی نسبت بعض اوقات یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ آغاز جائداد کی اس رائے کا مؤید ہے جو ایک حد تک اُن آرا کے مماثل ہے جن کو محققاً بلیک اسٹون نے بیان کیا ہے۔ جرمنی کے اس بڑے محقق کی یہ رائے ہے کہ تمام جائداد کی بنیاد قبضہ مخالفانہ پر قائم ہے جسے قدامت (Prescription) اور زیادہ استوار کر دیتی ہے۔ سوگنی کا یہ مقولہ عرف اہل روم کے قانون سے متعلق ہے اور اسے پوری طرح سمجھنے کے واسطے اس کی ضرورت ہے کہ جو الفاظ اُس نے استعمال کئے ہیں ان کی توضیح اور تشریح میں مشقت شاقہ اٹھانی جائے مگر اس کا مقصد کافی صحت کے ساتھ ظاہر ہو جائے گا اگر یہ خیال کیا جائے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے وہ عرف اسی قدر ہے کہ اہل روم میں جائداد کے متعلق جو تصور تھا اس کی کتنی ہی تحقیقات کیوں نہ کی جائے اور اس تحقیقات میں ہم قانون کے نکلنے ہی ابتدائی زمانہ تک کیوں نہ پہنچ جائیں مگر ہم ملک کے اس تصور سے کسی طرح آگے نہیں بڑھ سکتے کہ اس کا قانون ان تین اجزاء سے مرکب ہے، یعنی قبضہ اور قبضہ کا مخالف ہونا، یعنی اس کا اجازتی یا ماتحت نہ ہونا بلکہ تمام دنیا کے مقابلہ میں بلا شہرت غیر سے ہونا، اور قدامت یعنی ایک مدت جس میں قبضہ مخالفانہ بلا انقطاع جاری رہا۔ یہ مقولہ بگمان غالب اس سے زیادہ تر عمومیت کے ساتھ بیان کیا جاسکتا ہے جو اس کا مضمون اس کو دینا چاہتا ہے۔ کسی نظام قانون میں ایسی تحقیقات سے جو اس نقطہ سے آگے بڑھا دی جائے جہاں یہ مجموعی خیالات حق ملکیت کا تصور قائم کرتے ہیں، کسی صحیح اور قابل اطمینان نتیجہ نکلنے کی امید نہیں کی جاسکتی۔ آغاز جائداد کے عام نظریہ کی تائید کرنے کی بجائے سوگنی کا مقولہ اس کی کمزوریوں کی طرف توجہ مبذول کرانے میں بطور خاص مفید اور کارآمد ہے۔ بلیک اسٹون اور ان لوگوں کے نظریہ میں

جن کا وہ اتباع کرتا ہے بلا شرکت غیر سے استفادہ کا طریقہ ایسا تھا جس نے ہماری قوم کے مورفوں کے دل پر حیرت انگیز اثر ڈالا۔ مگر وہ حیرت یہاں باقی نہیں رہتی۔ اس میں کوئی امر حیرت انگیز نہیں ہے کہ جائداد کا آغاز قبضہ مخالفانہ سے ہوتا ہے اور نہ اس سے کوئی تعجب پیدا ہوتا ہے کہ پہلا مالک ایسا قوی اور مسلح شخص تھا جو اپنی جائداد کی حفاظت کر سکتا تھا۔ لیکن اس کے کیا اسباب ہوئے کہ امتداد زمانہ سے اس کے قبضہ میں وقعت پیدا ہو گئی، یہی اس عزت کا ماخذ ہے جو انسان ان چیزوں کی کرتا ہے جو فی الحقیقت ایک مدت دراز سے موجود چلی آتی ہیں۔ یہ سوالات یقیناً بے حد غور کے محتاج ہیں، مگر ہماری اس وقت کی بحث سے بالکل خارج ہیں۔

قبل اس کے کہ میں اس جانب ایسا کروں جس سے ہمیں حق مانگنا کی ابتدائی تاریخ کے متعلق مختصر اور بدرجہ غایت غیر یقینی اطلاع مل سکتی ہے، میں اس رائے کے اظہار کی جرأت کرتا ہوں کہ ابتدائی تہذیب کے زمانہ میں دخل کا جو اثر عام طور سے خیال کیا جاتا ہے وہ حقیقت حال اور صداقت کے بالکل خلاف ہے۔ دخل، عملی اور ظاہری قبضہ کے لئے ایک سوچا اور سمجھا ہوا مفروضہ ہے، اور یہ خیال کہ اس قسم کے عمل سے غیر ملوکہ اشیاء کا حق پیدا ہو جاتا ہے ابتدائی جماعتوں کی خصوصیات سے بالکل بعید ہے، قیاس غالب یہی ہے کہ وہ اصول قانون کے جذب ہو جانے، اور قوانین کے قابل طمینان حالت میں آ جانے کے بعد، پیدا ہوا ہے۔ جب حقوق مالکانہ نے عرصہ دراز تک کسی عملی نقص کے نہ واقع ہونے کی وجہ سے ایک طرح کی رواداری (Sanction) حاصل کر لی، اور جب کہ اکثر اشیاء سے استفادہ لوگوں کی ذاتی ملکیت میں آ گئیں، اس وقت صرف قبضہ کی بنا پر یہ جائز سمجھا جانے لگا کہ پہلا قابض ان اشیاء پر مالکانہ حقوق رکھتا ہے جن کی نسبت اس سے قبل کے مالکانہ حقوق پیش نہیں کئے جا سکتے۔ یہ

مسئلہ جس اصول سے پیدا ہوا وہ مالکانہ حقوق کے شاذ اور غیر یقینی ہونے کے ساتھ جو ابتدائی تمدن کی خصوصیت میں داخل ہے، مطابق نہیں ہوتا۔ اس کی صحیح بنیاد نظام جائداد کی طرف فطری رجحان نہیں، بلکہ یہ مفروضہ ہے کہ ”ہر شے کا ایک مالک ہونا چاہیے“ جو اس نظام کے ایک مدت تک جاری رہنے کا نتیجہ ہے۔ جب کسی ایسی شے پر قبضہ کیا جاتا ہے جو پہلے سے کسی دوسرے شخص کے قبضہ میں نہیں ہے یا نہ تھی، تو قابض کو اس کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اس کا مالک ہو جائے، اس خیال سے کہ تمام قیمتی اشیاء فطری طور سے بلا شرکتِ غیر سے قابلِ استفادہ ہیں، اور موجودہ صورت میں بجز ذخیل کے اور کوئی ایسا شخص نہیں ہے جسے حق مالکانہ دیا جاسکے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ذخیل مالک ہو جاتا ہے کیونکہ تمام اشیاء کی نسبت یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ وہ کسی شخص کی ملک ہیں اور کوئی ایسا شخص نہیں بتایا جاسکتا جو اس خاص شے میں ذخیل سے بہتر حق ملکیت رکھتا ہو۔

اگر انسان کی اس فطری حالت پر جسے ہم بیان کر رہے ہیں اور جس پر ہم نے اس قدر بحث کی ہے، کوئی اور اعتراض وارد نہ ہو سکتا ہو، تاہم اس میں ایک ایرام موجود ہے جو اس قابلِ اعتبار شہادت سے ہے جو ہمارے قبضہ میں ہے بالکل مخالف ہے۔ یہ امر صاف طور سے نظر آتا ہے کہ جو افعال اور وجوہ تحریک یہ اصول فرض کرتے ہیں وہ منفرد اشخاص کے افعال اور وجوہ تحریک ہیں۔ ہر فرد بشر خود اپنے لئے ایک تمدنی پیمان قرار دے لیتا ہے، یہ پیمان جگہ بدلنے والے ریگ کے تودوں کی طرح ہے، جس میں منفرد انسان ذروں کے مائل ہیں، جو ہا بس کے اصول کے مطابق قوت کے صحت بخش اثر سے سخت ہو کر تمدنی چٹانیں بن جاتے ہیں۔ یہی منفرد اشخاص اس تصویر میں جو بلیک اسٹون نے کھینچی ہے، ”ایک مخصوص قطعہ اراضی پر آرام اور سایہ کے لئے قابض“ بتائے گئے ہیں۔ یہ نقص ان تمام اصول میں

پایا جاتا ہے جو اہل روما کے فطری قانون سے ماخوذ ہیں، جو منفرد اشخاص کے معاملہ میں ان کے ملکی قانون سے بالکل مختلف تھا؛ اور جس نے منفرد اشخاص کو قدیم جماعت کی تابعداری سے آزاد کر کے تہذیب کی بڑی خدمت ادا کی ہے۔ لیکن مجھے پھر یہ بتادینا چاہئے کہ قدیم قانون میں منفرد اشخاص کی کوئی حیثیت نہ تھی، اور نہ وہ ان سے بحث کرتا تھا۔ اس کا موضوع منفرد انسان نہیں، بلکہ خاندان یا انسانوں کی مجموعی جماعتیں تھیں۔ جب ملکی قانون رشتہ داروں کی مختصر جماعتوں پر موثر ہونے لگا جن پر موثر ہونے کا ابتداء میں اسے کوئی ذریعہ نہ تھا، اس وقت بھی منفرد اشخاص کے متعلق اس کی جو رائے قائم ہوئی وہ اس رائے سے جو اصول قانون نے اپنی پختگی کے زمانہ میں قائم کی تعجب انگیز طریقہ سے متضاد تھی۔ شہر کے ہر باشندے کی زندگی اس کی پیدائش اور موت سے محدود نہیں سمجھی جاتی تھی، بلکہ وہ اس کے آباد اجداد کی مستقل زندگی تھی جس کا سلسلہ اس کی اولاد تک جاری رہتا تھا۔ اہل روما نے قانون اشخاص اور قانون اشیاء میں جو امتیاز قائم کیا تھا وہ باوجود موجب آسانی ہونے کے بالکل مصنوعی تھا، اور وہی اس وقت ہماری تحقیقات زیر بحث کے سیدھے راستہ پر چلنے میں مانع ہو رہا ہے۔ قانون اشخاص (Jus Personarum) پر غور اور بحث کرنے میں جو سبق ہمیں ملتے ہیں وہ قانون اشیاء یا جاداد (Jus Rerum) پر پہنچ کر ہمیں ایک سخت بھلا دینے پڑتے ہیں، اور جاداد معاہدہ اور افعال ناجائز کے متعلق یہ سمجھنا پڑتا ہے کہ ان کی ابتدائی نوعیت کے متعلق ان واقعات سے جو انسان کے ابتدائی حالات کے متعلق دریافت ہوئے تھے کسی قسم کی مدد نہیں مل سکتی۔ اس طریقہ عمل کے تقاضے اس وقت صاف طور سے نمایاں ہو سکتے ہیں جب کہ کسی خالص قدیم اور متروک قانون کا نظام ہمارے سامنے لایا جائے، اور اس پر اہل روما کی تقسیم کی آزمائش کی جائے۔ اس وقت صاف طور سے ظاہر ہو جائے گا کہ قانون کی ابتدائی حالت میں قوانین اشخاص اور اشیاء کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کے

کچھ معنی نہیں ہیں، اور ان دونوں شعبوں کے قواعد اس قدر بے شک و پختہ ہیں کہ ان کا جد اگر نا محال ہے، اور جو فرق زمانہ مابعد کے مقنین نے قائم کیا ہے وہ زمانہ مابعد کے اصول قانون کے لئے موزوں اور مناسب ہے اس کتاب کے ابتدائی حصوں میں جو کچھ بیان ہو چکا ہے اس سے معلوم ہو گا کہ صرف مفرد اشخاص کے حقوق مالکانہ پر نظر ڈالنے سے ہم جائداد کی ابتدائی تاریخ کا کوئی علم نظام حاصل نہیں ہو سکتا۔ قیاس غالب یہی ہے کہ ملک مشترک نہ کہ ملک تنہا قدیم قانون کا موضوع ہے، اور جن جائدادوں سے ہمیں کوئی اطلاع حاصل ہو سکتی ہے وہ اسی نوعیت کی جائدادیں ہیں جن میں خاندانوں اور رشتہ داروں کی جماعتوں کے حقوق شامل ہیں۔ رومی اصول قانون سے ہمیں اس موقع پر کوئی علم حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ خود اس رومی اصول قانون نے جس کی شکل فطری قانون کے اصول سے بدل گئی تھی، زمانہ حال کے لوگوں میں یہ خیال پیدا کر دیا ہے کہ مالک حقوق میں شخصی ملکیت معمولی حالت ہے، اور ایک گروہ کی مشترکہ ملکیت عام قاعدہ کا صرف ایک استثناء ہے۔ دنیا میں ایک ایسی جماعت موجود ہے جس کی طرف ہر ایسے شخص کو جو قدیم تمدن کے کسی گم شدہ اصول کا پتہ لگانا چاہتا ہے با حسیاط تمام توجہ مبذول کرنی پڑتی ہے۔ اس قسم کے اصول، ہندی یورپین خاندان کی اس شاخ میں جو قرون سے ہندوستان میں آباد ہے، خواہ کیسے ہی کیوں نہ بدل گئے ہوں، مگر اس قالب کو نہیں چھوڑ سکے ہیں جس میں وہ ابتداً ڈھلے تھے۔ اتفاق سے ہندوؤں میں ہیں ملکیت کی ایسی شکل ملتی ہے جس کی طرف، ان خیالات کے تطابق کی وجہ سے جو ہم قانون اشخاص پر رد کر جائداد کی ابتدائی حالت کی نسبت قائم کرتے ہیں، ہماری تمام تر توجہ مبذول ہونی چاہئے۔ ہندوستان کی دہاتی جماعت ایک باضابطہ پدر سری خاندان، اور مشترکہ مالکوں کی ایک مجلس ہے۔ اس جماعت کے لوگوں کے باہمی ذاتی تعلقات ان کے

مالکانہ حقوق کے ساتھ اس طرح مخلوط ہیں کہ ان کا تمیز کرنا دشوار ہے۔ ہندوستان کے انگریزی عہدہ داروں کے انتظام میں ناکامی کی بڑی وجہ یہی ہوئی کہ انھوں نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا چاہا۔ ہندوستان کی رہائی جماعت ایک بہت قدیم جماعت ہے۔ ہندوستان کی عام یا مقامی تاریخ میں جس طرف تحقیقات کا دائرہ وسیع کیا گیا ہے یہی پایا گیا کہ اس کے عہد ترقی کے بہت پہلے سے اس جماعت کا وجود تھا۔ بہت سے ہوشیار اور غور کرنے والے مصنفین، جن میں سے اکثروں کو اس جماعت کی نوعیت اور ابتدا کے متعلق کسی خاص نظریہ کی تائید مقصود نہ تھی، اس امر پر متفق ہیں کہ یہ ایک ایسی قوم کا بہ مشکل گم ہو جانے والا طریقہ ہے جو اپنا کوئی رسم و رواج بخوشی تبدیل کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ فتوحات اور انقلابات کی موجیں آئیں اور اس پر سے گزر سکیں مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ ہندوستان کی حکومت کے مفید ترین نظام وہی ثابت ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے انتظام کی بنیاد ہی کو تسلیم کیا تھا۔

(۲۳۲)

اہل روم کا تکمیل یافتہ قانون، اور زمانہ حال کا اصول قانون اسی کے اتباع میں مشترکہ ملک کو مالکانہ حقوق کا ایک مستثنیٰ اور ایک عارضی حالت تصور کرتا ہے۔ اس خیال کا اس مقدمہ سے اظہار ہوتا ہے جو مغربی یورپ میں عام طور سے شایع ہے کہ ”کوئی شخص اپنی مرضی کے خلاف ملک مشترکہ میں نہیں رکھا جاسکتا“ لیکن ہندوستان کا خیال بالکل اس کے خلاف ہے، اور جداگانہ ملک کا رجحان اس طرف ہے کہ وہ مشترکہ ملک کی صورت اختیار کرے۔ اس غل کے متعلق ہم قبل ازیں لکھ آئے ہیں۔ بیٹا پیدا ہوتے ہی اپنے باپ کی جائداد میں حق حاصل کر لیتا ہے، اور باقی ہو کر خاص خاص صورتوں کے پیش آنے پر از روئے الفاظ قانون، خاندانی جائداد کی تقسیم کا دعویٰ کر سکتا

ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ باپ کے مر جانے کے بعد بھی بہت ہی شاذ صورتوں میں جائیداد تقسیم ہوتی ہے، بلکہ پشت با پشت غیر منقسمہ رہتی ہے، اگرچہ ہر پشت کا ترک جائیداد کے غیر منقسمہ حصہ کا قانونی حقدار ہوتا ہے۔ اس مشترکہ جائیداد کا انتظام بعض صورتوں میں منتخبہ منتظم کے سپرد ہوتا ہے، لیکن عام طور سے، اور ملک کے بعض حصوں میں ہمیشہ، اس کا انتظام وہ قریب ترین رشتہ دار کرتا ہے جو خاندان کی سب سے مقدم شاخ کا نمائندہ ہوتا ہے۔ مشترکہ مالکوں کی ایسی جماعت، یعنی چند رشتہ داروں کا مشترکہ جائیداد پر قابض ہونا، ہندوستان کی دیہاتی جماعت کی سادہ سی سادہ شکل ہے۔ مگر یہ جماعت رشتہ داروں کی بھائی بندی اور شرکا کی اکھن سے بہت بڑھی ہوئی ہے۔ یہ ایک مرتب جماعت ہے اور مشترکہ رقوم کے انتظام کا بندوبست کرنے کے علاوہ کارکنوں کا ایک کال عملہ مہیا کر کے اندرونی حکومت مثلاً کوتوالی، عدالت، اور ٹیکسوں اور عامہ فرائض کی تقسیم کا بندوبست بھی کرتی ہے۔

میں نے دیہاتی جماعت کے قائم ہونے کا جو طریقہ بیان کیا ہے وہ بطور نمونہ کے متصور ہو سکتا ہے، اس سے یہ نہ فرض کر لیتا جائے کہ ہندوستان میں ہر دیہاتی جماعت اسی سادہ طریقہ سے قائم ہو گئی تھی۔ اگرچہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ دفاتر محفوظ قطعی طور سے یہ بتاتے ہیں کہ شمالی ہندوستان میں جماعت کے بانی صرف ایک جدی رشتہ دار تھے، مگر اسی ذریعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دوسری اقوام کے لوگوں کا وقتاً فوقتاً پیوند لگتا رہتا تھا، اور خاص خاص حالات میں صرف ایک حصہ کا خرید اس بھائی بندی میں شریک کر لیا جاتا تھا۔ اس جزیرہ نما کے جنوب میں اکثر ایسی جماعتیں بھی پائی جاتی ہیں جو ایک خاندان سے نہیں بلکہ دو یا اس سے زیادہ خاندانوں سے پیدا ہوئی ہیں، اور بعض

ایسی ہیں جن کی ترکیب بالکل مصنوعی ہے۔ اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ مختلف فرقوں کا بغض اوقات ایک جماعت میں شریک ہو جانا ایک جد کی اولاد ہونے کے مفروضہ کو باطل کئے دیتا ہے، مگر ان سب برادریوں میں یا تو یہ روایت چلی آتی ہے، یا یہ فرض کر لیا گیا ہے، کہ وہ ابتدا میں ایک ہی والدین کی نسل سے تھے۔ مونٹ اسٹورٹ الفنسٹن جنہوں نے زیادہ تر خصوصیت کے ساتھ جنوب کی دیہاتی جماعتوں کے متعلق لکھا ہے بیان کرتے ہیں (تاریخ ہندو متھ ۱۷۹۰ء) کہ ”عام خیال یہ ہے کہ گاؤں کے تمام زمیندار اس ایک شخص یا ایک سے زیادہ اشخاص کی اولاد ہیں جنہوں نے اس کو آباد کیا تھا۔ اس سے متنبہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ابتدائی خاندان کے لوگوں سے بذریعہ خرید یا دوسرے طریقہ سے اپنے حقوق حاصل کئے ہیں۔ اس مفروضہ کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ چھوٹے گاؤں میں زمینداروں کا ایک ہی خاندان ہوتا ہے، اور بڑے گاؤں میں بھی ان کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی۔ لیکن ہر خاندان کے ارکان بڑھ کر اس قدر ہو گئے ہیں کہ تمام زراعتی کام بغیر رعایا یا مزدوروں کی مدد کے خود زمینداروں کا کر لینا کوئی غیر معمولی بات نہیں سمجھی جاتی۔ ان سب کے حقوق زمینداری مشترک ہیں اور اگرچہ ان کی تقسیم ایک حد تک جدا جدا ہے مگر قطعی علیحدگی نہیں ہے۔ مثلاً یہ ممکن ہے کہ ایک زمیندار اپنے حقوق کو فروخت یا رہن کر دے، مگر اس کے لئے لازم ہے کہ وہ پہلے گاؤں والوں کی رضامندی حاصل کرے۔ جو مشتری ہوتا ہے وہ بائع کی جگہ قائم ہو جاتا ہے اور اس کی تمام ذمہ داریاں اٹھاتا ہے۔ اگر کوئی خاندان نیست و نابود ہو جاتا ہے تو اس کا حصہ مشترکہ جائداد میں آ کر شریک ہو جاتا ہے۔“

الفنسٹن نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان کے سمجھنے میں میں امید کرتا ہوں کہ پڑھنے والے کو ان بیانات سے مدد ملے گی جو

اس جلد کی فصل پنجم میں درج کئے گئے ہیں۔ قدیم دنیا کا کوئی طریقہ ہمارے زمانہ تک غالباً قائم نہ رہ سکتا، اگر کسی حیات بخش قانونی مفروضہ سے اس میں ایسا توجہ نہ پیدا ہو گیا ہوتا جس سے اس کی ابتدائی نوعیت محض نا آشنا تھی۔ پیش دیہاتی جماعت کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ یک جدی رشتہ داروں ہی کا مجمع ہو، وہ یک جدی رشتہ داروں یا ایسے مشترک مالکوں کا مجمع ہو سکتا ہے جو رشتہ داروں کی انجمن کے نمونہ پر قائم کیا گیا ہو۔ یہ بظاہر رومی خاندان (Family) سے نہیں بلکہ رومی (۲۲۵) قبیلہ (Gens or House) سے مشابہ ہے۔ قبیلہ بھی خاندان کے نمونہ پر ایک ایسا مجمع تھا جس میں مختلف مفروضات کے ذریعہ سے خاندان کی توسیع کر دی گئی تھی؛ اگرچہ ان مفروضات کی صحیح نوعیت کا پتہ چلنا بوجہ قدامت کے دشوار ہے۔ تاریخی زمانہ میں اس کی صمیم خصوصیات وہی دو تھیں جو الفنسٹن دیہاتی جماعت کے متعلق بیان کرتا ہے یعنی ان کا آبشہ ایک جدی ہونا فرض کر لیا جاتا تھا جو بعض اوقات بالکل واقعات کے خلاف ہوتا تھا، اور بالفاظ مورخ موصوف ”اگر کوئی خاندان منقود ہو جاتا تھا تو اس کا حصہ مشترک جائداد میں شامل ہو جاتا تھا“ روما کے قدیم قانون میں ایسی میراث جس کا کوئی دعویدار نہ ہوتا تھا بھی اجیاء (Gentiles) ضبط ہو جاتی تھی۔ جن لوگوں نے ان جماعتوں کی تاریخ پر غور کیا ہے ان کا یہ گمان ہے کہ ایسی جماعتیں جو ”اغیار“ کے نمونہ پر قائم تھیں بیرونی اشخاص کو شامل کر لینے کی وجہ سے عموماً مخلوط ہو گئی ہیں مگر اس وقت صحیح طور سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس جذب کا عمل کس طرح ہوا۔ فی زمانہ بقول الفنسٹن کے شرکت کا یہی طریقہ ہے کہ شریکان حصص برادری کی رضامندی سے شریک کر لئے جاتے ہیں۔ شہنی رکن کو جو کچھ ملتا ہے اس کی نوعیت بشمول جائداد منسرد کردہ وہی ہے جو نظری توریث کی ہوتی ہے؛ اور اس پر وہی تمام ذرہ داریاں عائد ہوتی ہیں جو بالغ پر بمقابلہ کل جماعت کے عائد ہوتی ہیں۔ وہ خاندان کا رطل (Emptor familiae)

ہے اور وراثت اسی کا قانونی لباس پہن لیتا ہے جس کا وہ قائم مقام ہوتا ہے۔ اس کی شرکت کے لئے تمام برادری کی رضامندی، اس رضامندی کو یاد دلاتی ہے جو (Comitia Curiata) ”کمیتیا کوریٹا“ یعنی خود مقلب کردہ رشتہ داروں کی وسیع برادری میں جو قدیم روما کی جمہوری حکومت تھی تینیت یا وصیت کے جواز کے واسطے اس قدر ضروری سمجھی جاتی تھی۔

(۲۳۶)

ہندوستان کی دیہاتی جماعت کی ہر شکل اور صورت میں انتہائی قدامت کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ ہمارے پاس اس گمان کرنے کے لئے مستقل وجہ موجود ہیں کہ قانون کا ابتدائی زمانہ ملک مشترکہ، ذاتی اور مالکاز حقوق اور شخصی اور عامہ فرائض کے اختلاط کی بنا پر ممیز تھا؛ برادری کے ان حقوق مالکاز کا معائنہ کر کے ہم سب سے اہم نتائج متبطل کر سکتے ہیں، اگرچہ ایسی مرکب جماعتوں کا وجود دنیا کے کسی دوسرے حصہ میں نہ پایا جاتا ہو۔ اتفاق سے زمانہ حال میں اسی نوعیت کے واقعات کی طرف یورپ کے اُن حصوں میں بھی توجہ کی جا رہی ہے جن میں جاگیر کی طریقہ نے جلداد کی نوعیت میں بہت کم تبدیلی پیدا کی ہے، اور جو بہت سے اہم امور میں مغربی ممالک کی طرح مشرقی ممالک سے بھی مشابہ ہیں۔ ایم۔ ڈی ہاکتھامسن ایم۔ سکو بورسے اور دوسروں کی تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ روسی دیہات اتفاقی مجعے نہیں ہیں، اور نہ وہ ایسی انجمنیں ہیں جو معاہدہ پر قائم ہوئی ہوں، بلکہ وہ ہندوستانی جماعتوں کی طرح فطری طور سے ترتیب یافتہ جماعتیں ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اصولاً یہ دیہات کسی نہ کسی امیر کی میراث اور ملک ہوتے ہیں، اور کاشتکار تاریخی زمانہ میں زمین اور زیادہ تر مالک کے ذاتی غلام بنائے گئے ہیں، مگر اس اعلیٰ مالکاز حق کی وجہ سے دیہات کی قدیم ترکیب میں کبھی کوئی فرق نہیں آنے پایا۔ قیاس غالب یہی ہے کہ جس زار زور سے

(۲۳۷)

قانون جاری کر کے اس کاشتکارانہ غلامی کو ایجاد کیا اس کا منشاء یہی تھا کہ کاشتکار اس باہمی امداد کو نہ چھوڑ بیٹھیں جس کے بغیر قدیم معاشرت کا ایک عرصہ تک چلنا مشکل تھا۔ دیہات کے رہنے والوں کے یک جہی فرض کئے جانے اور ذاتی اور مالکانہ حقوق کے اختلاط اور اندرونی نظم و نسق کی مختلف خود اقتدار کردہ صورتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ روسی دیہات کے لوگ ہندوستانی دیہاتی جماعت کا نمونہ ہیں۔ صرف ایک اہم فرق ہے جو بڑی دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے ہندوستانی دیہات کے مالکوں کے حقوق باوجود جائداد کے مشترک ہونے کے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں، اور یہ علیحدگی کامل علیحدگی ہوتی اور غیر محدود زمانہ تک جاری رہتی ہے۔ روسی دیہات میں بھی مولانا حقوق کی علیحدگی کامل ہوتی ہے مگر وہ عارضی ہوتی ہے۔ ایک مقررہ مدت کے بعد، جو سب صورتوں میں یکساں نہیں ہوتی، تمام علیحدہ ملکیتیں زائل ہو جاتی ہیں، اور دیہات کی تمام ارضی یکجا کر کے ان خانہ دانوں میں جن سے وہ جماعت مرکب ہوتی ہے لمحاظ ان کی تعداد کے دوبارہ تقسیم کر دی جاتی ہے۔ اس دوبارہ تقسیم کے بعد پھر خانہ دانوں اور اشخاص کے حقوق کی مختلف شاخیں ہو جاتی ہیں؛ اور ان کا سلسلہ دوسری تقسیم کے زمانہ تک جاری رہتا ہے۔ جو ممالک ترکی اور شاہان آسٹریا کی سلطنتوں کے درمیان واقع ہیں اور ایک زمانہ تک دونوں سلطنتوں میں بابہ النزاع رہے ہیں، ان میں ملک کی اس سے بھی زیادہ عجیب صورتیں رائج ہیں۔ سرویا، کوروشیا اور آسٹریا کی سکلوینیا میں یہی دیہات ایسے لوگوں کی برادریاں ہیں، جو مشترکہ مالک اور باہم رشتہ دار ہیں، مگر ان کے اندرونی انتظامات متذکرہ صدر دونوں مثالوں سے مختلف ہیں۔ اس صورت میں جائداد مشترکہ نہ عملی طور سے تقسیم ہوتی ہے اور نہ اصولی طور سے قابل تقسیم ہے۔ تمام ارضی پر دیہات کی مشترکہ محنت سے کاشت ہوتی ہے

اور جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ بعض اوقات لمحات ان کی مفروضہ ضروریات اور بعض اوقات ان قواعد کے لحاظ سے جن کی رو سے خاص خاص اشخاص کو پیداوار کا ایک مقررہ حصہ دیا جاتا ہے ، سالانہ تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ مشرقی یورپ کے مضمنین اس عمل کو قدیم سکلوونیا قوانین کے اس اصول سے مستخرج سمجھتے ہیں کہ خاندانی جائداد کی دوائی تقسیم نہیں ہو سکتی۔

جو امور اس وقت زیر تحقیقات ہیں ان میں زیادہ تر دلچسپی اس وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے کہ ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جو گروہ ابتدا میں جائداد کے مشترک قابض تھے ان میں جداگانہ حقوق ملکیت کس طرح پیدا ہو گئے۔ اس خیال کی تائید میں مضبوط دلائل موجود ہیں کہ ایک زمانہ میں جائداد کسی ایک شخص یا ایک خاندان کی ملک نہ تھی ، بلکہ ان وسیع تر جماعتوں کی ملک سمجھی جاتی تھی جو بدستری خاندان کے نمونہ پر قائم تھیں۔ اگرچہ صحیح طور سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ ملک کے قدیم تصور سے جدید تصور کس طرح پیدا ہوا ، تاہم جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ انھیں جماعتوں کی موجودگی سے ہوا ہے ، اگر وہانی جماعت کی میز اور مختلف شکلیں دریافت نہ ہوں اور ان کے متعلق تحقیقات نہ کی جاتی تو یہ مسئلہ اور زیادہ تاریکی میں رہتا۔ اس لئے ہندی یورپین اقوام کے بدستری خاندانوں کے ان اندرونی انتظامات پر جو اس وقت نظر آتے ہیں ، یا کچھ عرصہ قبل تک نظر آتے تھے ، توجہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بالکینڈ کے غیر مہذب قبیلوں کے سرداروں کو ، ہر اس خاندان کے سرپرست کو جو ان کے حدود ارضی میں رہتا تھا ، ٹھوڑے ٹھوڑے عرصہ کے بعد ، بلکہ بعض اوقات روزانہ ، غذا تقسیم کرنی پڑتی تھی۔ ممالک آسٹریا اور ترکی کے سکونی دیہات میں بھی قبیلہ کے سردار مقررہ اوقات پر اسی طرح غلہ تقسیم کرتے ہیں ، مگر یہ تمام سال کی پیداوار

کی ایک تقسیم ہے۔ روسی دیہات میں اشیاء ملکیت ناقابل تقسیم نہیں
 منظور ہوتیں، جداگانہ مالکانہ حقوق کے قیام کی آزادی کے ساتھ اجازت
 دی جاتی ہے، مگر یہ علیحدگی کا عمل ایک خاص مدت تک جاری رہنے
 کے بعد دفعۃً روک جاتا ہے۔ ہندوستان میں جائداد مشترکہ
 ناقابل تقسیم نہیں ہے، بلکہ اس کے بعض حصوں میں جداگانہ ملکیت
 کو غیر محدود طور سے وسعت دی جاسکتی ہے، اور وہ بے شمار
 ملکیتوں میں تقسیم ہو سکتی ہے، مگر جائداد کی حقیقی تقسیم میں وہ
 رسم و رواج جس کی پابندی لازم ہے، اور یہ قاعدہ کہ کوئی غیر
 شخص برادری میں بغیر برادری کی رضامندی کے داخل نہیں ہو سکتا
 ہمیشہ مانع رہتا ہے۔ اس امر پر زور دینا ہرگز مقصود نہیں ہے کہ
 دیہاتی جماعتوں کی یہ مختلف شکلیں اس تبدیلی کے جوہر تک ایک ہی طریقہ
 پر ہوتی ہے مختلف مدارج ہیں۔ اگرچہ یہ شہادت نہیں اس حد
 تک جانے کی اجازت نہیں دیتی، مگر اس سے یہ قیاس اس قدر
 بعید نہیں رہتا کہ ذاتی جائداد کی وہ شکل جس سے ہم واقف ہیں
 جماعت کے مشترکہ حقوق سے شخصی حقوق کے رفتہ رفتہ علیحدہ ہو جانے
 کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ قانون اشخاص پر غور کرنے سے معلوم ہوتا
 ہے کہ خاندان بڑھ کر ایک جدی رشتہ داروں کا ایک مجمع ہو جاتا
 ہے، اور پھر یہ مجمع مختلف گھرانوں میں منقسم ہوتا ہے اور بالآخر
 ان گھرانوں کی جگہ اشخاص قائم ہو جاتے ہیں اور اس موقع پر
 پہنچ کر یہ خیال ظاہر کیا جاسکتا ہے کہ اس تبدیلی کے ہر مرحلہ پر ملکیت
 کی نوعیت بدلتی رہتی ہے۔ اگر یہ خیال صحیح ہے تو اس سے اس
 رائے پر جو اہل اصول نے عام طور سے جائداد کی ابتدا کے متعلق
 قرار دے دی ہے بہت بڑا اثر پڑے گا۔ جو ناقابل حل مسئلہ وہ لوگ
 معرض بحث میں لائے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ کیا وجوہ تحریک تھے
 جنہوں نے انسانوں کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ ایک دوسرے کے

مقبوضات کی وقت کریں ؛ یہی مسئلہ تفتیشی شکل میں اس طرح پیش ہو سکتا ہے کہ وہ کیا وجوہ تھے جن کی بنا پر ایک مرکب گروہ دوسرے مرکب گروہ کے دائرہ اختیار سے علیحدہ رہا ۔ اگرچہ اس کا جواب بھی ملنا مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن اگر یہ امر صحیح ہے کہ شخصی جائیداد کی تاریخ میں سب سے اہم واقعہ اس کا رفتہ رفتہ رشتہ داروں کی مشترکہ ملک سے علیحدہ ہو جانا ہے ، تو سب سے زیادہ قابل دریافت وہی امر ہوگا جو تمام تاریخی قانون کے آغاز میں پیش آتا ہے ، یعنی وہ کیا وجوہ تھے جو ابتدا میں اس کے محرک ہوئے کہ انسان خاندانی تعلقات کا وابستہ رہے ۔ ایسے سوالوں کا جواب اصول قانون نہیں دے سکتا ، جب تک کہ وہ دوسرے علوم سے مدد نہ لے ، البتہ جو واقعہ موجود ہے اس پر لحاظ کر سکتا ہے ۔ قدیم جماعتوں میں غیر منقسمہ جائیداد کی نوعیت میں تقسیم کی مرتبہ اور مخصوص قابلیت موجود ہوتی ہے ، مگر اس کا اظہار اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی حصہ جماعت کی مشترکہ ملک سے بالکل علیحدہ کر لیا جاتا ہے) یہ حالت یقیناً اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ جائیداد کی نسبت فرض کر لیا جاتا ہے کہ وہ ایک جدید جماعت کی ملک میں چلی گئی ، پس حالت منقسمہ میں اس کے متعلق کوئی معاملہ کرنا ایسا معاملہ ہوگا جو دو بیچ در بیچ اور مرکب جماعتوں میں کیا جائے ۔ میں قبل ازیں بیان کر چکا ہوں کہ قدیم قانون زمانہ حال کے بن الاقوامی قانون سے ، بلحاظ وسعت اور ان متحدہ جماعتوں کی پیچیدہ ترکیب کے جن کے حقوق اور فرائض کا اس سے تصنیف ہوتا ہے ، بہت زیادہ مشابہ ہے ۔ چونکہ قدیم قانون کے معاہدات اور انتقالات ، ایسے معاہدات اور انتقالات ہوتے تھے جن کے فریق منفرد اشخاص تھے ، بلکہ اشخاص کی مرتبہ جماعتیں ہوتی تھیں ، اس لئے ان میں مراسم کا بڑا خیال رکھا جاتا تھا ۔ مختلف قسم کے علامتی افعال اور الفاظ کی ضرورت ہوتی تھی تاکہ معاملہ شرکائے جملہ کے

حافظہ میں اچھی طرح مرتب ہو جائے۔ اور اسی وجہ سے غیر معمولی تعداد میں گواہوں کی ضرورت واقع ہوتی تھی۔ انھیں اور اسی قسم کی دوسری خصوصیات کی وجہ سے جائداد کی قدیم شکلیں ناہموار نظر آتی ہیں۔ بعض اوقات خاندانی ملک مطلقاً ناقابل انتقال ہوتی تھی، جیسا کہ باشندگان سکلوونیائی رائج تھا۔ اور بعض صورتوں میں اگرچہ انتقال قطعی طور سے ممنوع نہ تھا، جسے اکثر جرمن قوموں میں مگر انتقال کے لئے اس قدر کثیر اشخاص کی رضامندی حاصل کرنے کی ضرورت واقع ہوتی تھی کہ وہ فی الحقیقت ناقابل عمل ہو جاتا تھا۔ جن صورتوں میں یہ موانع موجود نہ ہوتے تھے، یا وہ رفع کر دئے جاتے تھے اس حالت میں بھی انتقال کے ساتھ مراسم کا بڑا بار موجود رہتا تھا جس میں سے ایک ذرہ برابر کا چھوڑ دیا جانا بھی خالی از خطرہ نہیں مقصود ہوتا تھا۔ قدیم قوانین اس کی اجازت نہیں دیتے کہ ایک اثارہ خواہ وہ کیسا ہی مضحک کیوں نہ ہو، یا ایک لفظ جس کے معنی بالکل بھلا دئے گئے ہوں یا ایک گواہ کو اس کی شہادت کیسی ہی غیر ضروری کیوں نہ ہو، ترک کر دیا جائے۔ تمام مراسم کا نہایت احتیاط کے ساتھ تکمیل کرنا ان لوگوں پر لازم تھا جو قانونی طور سے اس میں شرکت کے مستحق تھے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تھا تو وہ انتقال ناجائز قرار پاتا تھا اور بائع کے وہ تمام حقوق برقرار رہتے تھے جنھیں منقل کرنے کی وہ بیکار کوشش کرتا تھا۔ اشیاء استعمال اور استفادہ کے آزادانہ انتقال میں جو مختلف وقتیں پیش آتی تھیں ان کا احساس ایسی جماعتوں کو ہونے لگا جنھوں نے کاروبار میں تھوڑی سی بھی ترقی کی تھی اور جن ترکیبوں سے ان آگے بڑھنے والی جماعتوں نے ان وقتوں کو دور کرنے کی کوششیں کیں وہی جائداد کی تاریخ کا اصلی مواد ہیں۔ ان میں سے ایک ترکیب اپنی قدامت اور عمومیت کی بنا پر سب سے مقدم ہے۔ یہ خیال، کہ جائداد مختلف اقسام میں تقسیم ہونی چاہئے، بہت سی قدیم

جماعتوں کے ذہن میں ایک ساتھ آیا۔ ایک قسم کی جائداد دوسری قسم کی جائداد سے ادنیٰ اور کم مرتبہ قرار دی گئی اور اس کے ساتھ ہی ان قیود سے آزاد کر دی گئی جو قدامت نے اس پر عائد کی تھیں۔ ادنیٰ جائداد کے انتقال اور میراث کے قواعد میں جو آسانیاں تھیں وہ عام طور سے مقبول ہوئے لگیں، اور ادنیٰ قسم کی جائداد کی آسانیاں تدریجی تبدیلیوں سے اس قسم کی طرف منتقل ہونے لگیں جس کی نوعیت اعلیٰ فرض کر لی گئی تھی۔ رومیوں کے قانون جائداد کی تاریخ اعلیٰ اشیا (Res mancipi) کے ادنیٰ اشیا (Res nec Mancipi) میں جذب ہو جانے کی تاریخ ہے اور یورپ میں جائداد کی تاریخ جاگیری قانون نے رومیوں کے قانون جائداد منقولہ سے زیر ہو جانے کی تاریخ کہی جاسکتی ہے۔ اور اگرچہ انگلستان میں ملکیت کی تاریخ ہنوز تقریباً غیر مکمل ہے، مگر بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قانون جائداد منقولہ، قانون جائداد غیر منقولہ کو اپنے آپ میں جذب کر کے فنا کر دے گا۔

(۲۲۳)

جن اشیاء سے استفادہ کیا جاتا ہے ان کی فطری اور ایسی تقسیم جس سے ان اشیاء کا حقیقی فرق ظاہر ہوتا ہے وہی ہے جو انھیں منقولہ اور غیر منقولہ میں تقسیم کرتی ہے۔ یہ تقسیم جس سے مول قانون اس قدر آشنا ہے، نہایت آہستگی کے ساتھ قانون روم سے پیدا ہوئی، اور وہیں سے ہمیں وراثت میں ملی، اور بالآخر قانون روم کے آخری زمانہ میں قطعی طور سے اختیار کر لی گئی۔ قدیم قوانین میں جو تقسیم ملحوظ رکھی گئی تھی وہ بعض اوقات اس تقسیم سے بظاہر مشابہ معلوم ہوتی ہے۔ قدیم قوانین بعض اوقات جائداد کی مختلف قسمیں قرار دیتے ہیں اور جائداد غیر منقولہ کو ایک قسم قرار دے کر اس کے ساتھ ایسی اشیا شامل اور شریک کر دیتے ہیں جنھیں ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا، یا ان کو ایسے حقوق سے جدا کر دیتے ہیں جن کے ساتھ انھیں کامل مشابہت ہوتی ہے۔ مثلاً قانون روم کی اعلیٰ اشیا (Res mancipi) میں نہ صرف ارضی

بلکہ غلام، گھوڑے، اور بیل بھی شریک ہیں۔ اسکاٹ لینڈ کے قانون میں ارضی کے ساتھ خاص قسم کے تمسکات بھی داخل ہیں، اور ہندوؤں کے قانون میں اس کے ساتھ غلام بھی شریک کر دیئے گئے ہیں۔ برخلاف اس کے انگلستان کا قانون اراضی کے چند سالہ اجاروں کو ارضی کے دوسرے حقوق سے علیحدہ کر کے ذاتی اموال میں شریک کرتا اور اسے ”چیتل ریل“ (Chattels real) کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ علاوہ اس کے قدیم قوانین کی تقسیم میں اشیاء کے اعلیٰ اور ادنیٰ ہونے کا لحاظ رکھا گیا تھا، مگر منقولہ اور غیر منقولہ میں، کم از کم اس وقت تک کہ ان کا انحصار اہل رعا کے اصول قانون ملک تھا، بلحاظ مرتبہ اور وقت کے کوئی ایسی تفریق نہیں کی جاتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ابتدا میں اعلیٰ اشیاء کو ادنیٰ اشیاء پر ایک قسم کی ترجیح حاصل تھی، جیسا کہ اسکاٹ لینڈ میں قابل ارث جائداد (Heritable) اور انگلستان میں حقیقی جائداد (Realty) کو ذاتی جائداد (Personalty) کے مقابلہ میں حاصل تھی۔ ہر نظام قانونی کے معینین نے پوری کوشش کی ہے کہ اس تقسیم کو کسی قابل فہم اصول سے متعلق کر سکیں، مگر اس تفریق کے وجود کا یہ فلسفہ قانون سے چلنا دشوار ہے کیوں کہ ان کا تعلق فلسفہ سے نہیں بلکہ قانون کی تاریخ سے ہے۔ جو توضیح اکثر صورتوں پر حاوی ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ جو اشیاء استفادہ سب میں اعلیٰ سمجھی جاتی تھیں وہ وہی تھیں جس سے ہر جماعت کو سب سے پہلے واقف ہونے کا موقع ملا اور اس وجہ سے ”جائداد“ کے نام سے موسوم کر کے ان کی وقعت بڑھائی گئی۔ برخلاف اس کے جن اشیاء کا شمار اس قابل وقعت درجہ میں نہیں ہوا وہ درجہ ادنیٰ میں داخل کر دی گئیں، کیونکہ ان کی قدر و قیمت کا علم اعلیٰ اشیاء کی فرست کے مرتب ہو جانے کے بعد ہوا، ان کا علم ابتدا میں نہ تھا، وہ کم یاب تھیں، اور ان کا استعمال محدود تھا، یا وہ غیر مرغوبہ اشیاء کے ملحقات سمجھی جاتی تھیں۔ مثلاً

اہل روم کی اعلیٰ جائداد (Res mancipi) میں اگرچہ اکثر قیمتی منقولہ اشیاء شریک تھیں، مگر جو اموات جو سب سے زیادہ قیمتی ہیں شریک نہ تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ قدیم اہل روم ان سے ناواقف تھے۔ اسی طرح انگلستان میں چیل ریل کو اگرچہ جائداد منقولہ میں شریک کر دینے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایسی جائدادوں نظام جاگیر کے قانون ارضی میں ساز اور بالکل بے قدر تھیں۔ مگر سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ باوجود اُن اشیاء کی قدر و قیمت اور ان کی تعداد بڑھ جانے کے وہ اس ادنیٰ حالت میں کس طرح باقی رہیں۔ اور وہ کیوں بتدریج استفادہ کی اعلیٰ اشیاء میں شریک نہ کرتی گئیں۔ اس کی ایک وجہ وہ تعصب ہے جو قدیم قوانین کو اپنی مقررہ ترتیب اور تقسیم میں تغیر و تبدل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ غیر تعلیم یافتہ دماغوں اور قدیم جماعتوں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ایک عام قاعدہ کو اس کے ایسے مخصوص عمل سے علیحدہ کر کے، جس کی وہ عادی ہو گئی ہیں (۲۲۵) بہت کم تصور میں لاسکتی ہیں۔ نہ وہ ایک عام بات یا منقولہ کو ان مخصوص امثال سے علیحدہ کرسکتی ہیں جن کا تجربہ ان کو روزانہ ہوتا رہتا ہے؛ اور اس طور سے وہ لفظ جس کے تحت میں جائداد کی مشہور و معروف اشیاء داخل ہوتی ہیں ان اشیاء کی نسبت استعمال نہیں کیا جاتا جو استفادہ اور حقیقت میں بالکل ان کے مماثل ہوتی ہیں۔ ان اثرات میں، جو قانون سے مستقل چیز پر بطور خاص موثر ہیں، بعدہ دوسرے ایسے اثرات آکر شریک ہو جاتے ہیں جو ترقی تہذیب اور عام آسانی کے تصورات کے مطابق پائے جاتے ہیں۔ اور آخر کار عدالتیں اور قانون پیشہ لوگ ان پریشان کن مراسم کی تکلیف کو محسوس کرنے لگتے ہیں جو اعلیٰ قسم کی اشیاء کی تبدل، اصول، یا انتقال میں پیش آتی ہیں، اور اس پر راضی نہیں ہوتے کہ جدید قسم کی جائداد کو ان اصطلاحی قیود میں جکڑ دیں جو قانون کے ابتدائی زمانہ کی خصوصیات

میں شمار ہوتے تھے۔ اور یہیں سے اس کی ترغیب ہوتی ہے کہ اصول قانون کی ترتیب میں جدید اشیاء ادنیٰ درجہ میں رکھی جائیں، اور ان کا انتقال، بہ نسبت ان طریقوں کے جو قدیم زمانہ میں رائج تھے اور ایمان داری کے مدارج اور فریب کے زینے ثابت ہوتے تھے، آسان طریقوں سے عمل میں آسکے۔ انتقال کے قدیم طریقوں کی تکالیف کا غالباً ہم نے کامل احساس نہیں کیا ہے۔ ہمارے انتقالات کی دستاویزات اس طور سے لکھی جاتی ہیں کہ ان کی عبارت پیشہ ور کا تان و ستاویزات کے غور و فکر کے بعد بہت کم ناقص رہنے پاتی ہیں۔ لیکن زمانہ قدیم کی دستاویزات ضبط تحریر میں نہیں آتی تھیں، بلکہ معرض عمل میں لائی جاتی تھیں۔ اشارے اور الفاظ تحریری اصطلاحی زبان کی قائم مقامی کرتے تھے، اور اگر کوئی مقولہ غلط طور سے کہا جاتا، یا کوئی علامتی فعل متروک ہو جاتا تھا، تو اس سے تمام کارروائی اسی طرح بے کار ہو جاتی تھی جس طرح دو سو سال کے قبل کی انگریزی دستاویز اس اہم غلطی کی بنا پر بے کار اور باطل سمجھی جاتی تھی کہ اس میں حق تمنع یا بقیہ حقیقت کا ذکر (the uses or setting the remainders) متروک ہو گیا ہے۔ قدیم مراسم کے نقصانات ہنوز نصف بھی معرض بیان میں نہیں آئے ہیں۔ جب تک ایک طول طویل کارروائی، خواہ تحریری ہو یا عملی، صرف ارٹھنی کے انتقال کے لئے مطلوب ہے، اس وقت تک اس قسم کی جاہلاد کے انتقال میں غلطی کا زیادہ امکان نہیں ہو سکتا، جن کا انتقال بعض اوقات بہ عجلت تمام عمل میں آتا ہے۔ لیکن قدیم دنیا میں اعلیٰ اشیاء میں نہ صرف ارٹھنی بلکہ بعض معمولی اور بعض قیمتی اشیاء منقولہ بھی شریک تھیں۔ جب تمدنی جماعت میں کاروبار تیزی کے ساتھ چلنے لگے ہوئے اس وقت ایک گھوڑے یا بیل یا قدیم دنیا کی سب سے زیادہ قیمتی شے یعنی غلام کے انتقال کے لئے ایک طول طویل اور پیچیدہ کارروائی کرنا بے حد تکلیف دہ ہو گیا ہوگا۔ اور ایسی اشیاء متواتر اور عام طور سے

غیر مکمل صورت میں منتقل ہوتی ہوں گی ، اور اس طور سے ان کی حقیقت بھی ناقص رہتی ہوگی ۔

روما کے قدیم قانون میں اعلیٰ اشیا (Res Mancipi) اس اراٹنی اور تاریخی زمانہ میں اراضی موقوفہ ملک اطالیہ ، فلام ، اور جانوران بآر باری مثلاً گھوڑے اور بیل شریک تھے ۔ اس میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ جن اشیا سے یہ قسم مرکب ہے ان کا تعلق کاشتکاری سے ہے ، جو ابتدائی زمانہ کے لوگوں کے لئے سب سے زیادہ اہم تھیں ۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ابتدا میں یہ سب چیزیں اشیا یا جائداد کے نام سے موسوم کی جاتی تھیں ، اور جس طریقہ سے وہ منتقل ہوتی تھیں وہ ”منیسی پیئم (Mancipium) یا ”منیسی پیشن (Mancipation) کہلاتا تھا اور غالباً اس پر ایک عرصہ گزر جانے کے بعد انھیں ”رس منیسی پی (Res Mancipi) کے نام سے ممیز کیا گیا ، یعنی وہ اشیا جن کے لئے ”منیسی پیشن“ کی ضرورت ہے ۔

ان کے پہلو بہ پہلو ایسی اشیا موجود ہوں گی یا پیدا ہوگئی ہوں گی جن کے لئے ”منیسی پیشن“ کے کامل مراسم کے ادا کرنے کی ضرورت نہ ہوگی ۔ ان اشیا کے ایک مالک سے دوسرے مالک کی طرف منتقل ہونے کے لئے معمولی مراسم کا ایک جز ادا کیا جاتا ہوگا ، یعنی حقیقی حوالگی مادی علیحدگی ، یا انتقال ، جو تبدیل ملکیت کی سب سے زیادہ سنج

علامت ہے ۔ قدیم رومل قانون کی یہی اشیا Res Nec Mancipi تھیں جن کے لئے رسم ”منیسی پیشن“ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی ، اور جو غالباً ابتدا میں بہت کم قیمت سمجھی جاتی تھیں ، اور شاید طور سے مالکوں کے ایک فرقہ سے دوسرے فرقہ میں منتقل ہوتی تھیں ۔ اگرچہ اعلیٰ اشیا کی فہرست کامل ہوگئی تھی اور اس میں اضافہ کی گنجائش باقی نہ تھی ، مگر ادنیٰ اشیا کی فہرست میں غیر محدود توسیع کی گنجائش موجود تھی ، اس لئے انسان مادی دنیا میں سے جس چیز پر تابو پانے

میں کامیاب ہوتا تھا وہ ادنیٰ اشیاء کی فہرست میں داخل ہوتی جاتی تھیں یا یوں کہو کہ جو اشیاء پہلے سے مسئلہ تھیں ان کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ اس طرح نادانستہ طور سے انھوں نے اعلیٰ اشیاء کا مرتبہ حاصل کر لیا اور ان کے کم مرتبہ ہونے کا جو ذاتی نشان تھا وہ مٹ گیا اور بمقابلہ زیادہ تر پیچیدہ اور عین مراسم کے لوگوں کو ان آسانیوں کا احساس ہونے لگا جو ان اشیاء کے سادہ مراسم کے ساتھ منتقل کرنے میں پیش آتی تھیں۔ روما کے مقنین نے ”مینسیپیشن“ (mancipation) کو عملی طور سے حوالگی کے مساوی کر دینے کے لئے قانونی ترقی کے دو ذرائع، یعنی مفروضات اور نصفت سے دل کھول کر کام لیا۔ اور اگرچہ روما کے واصفان قوانین ایک عرصہ تک اس حکم کے دینے سے پس و پیش کرتے رہے کہ اعلیٰ اشیاء کا حق ملکیت اس شخص کی حوالگی کے ساتھ منتقل ہو جانا چاہیے، لیکن آخر کار جتنی زمین نے اس کی بھی جرات کی۔ اُس کے اصول قانون سے (۲۴۸) اعلیٰ اور ادنیٰ اشیاء کا فرق اٹھ گیا، اور صرف حوالگی یا تحویل قانون میں سب سے بڑا ذریعہ انتقال قرار پایا۔ روما کے مقنین نے ابتدائی سے جو رجحان حوالگی کی طرف ظاہر کیا اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اسے اپنے نظریات میں ایسی جگہ دے دی جس نے ان کے زمانہ حال کے متبعین کی آنکھوں سے اس کی صحیح تاریخ چھپا دی ہے۔ انھوں نے اسے حصول کا فطری طریقہ قرار دیا، اس بنا پر کہ وہ عام طور سے اطالیہ کی اقوام میں رائج تھا، اور ایک ایسا عمل تھا جس سے مطلوب نہایت آسان طریقہ سے حاصل ہو جاتا تھا۔ اگر مصنفان قانون کے الفاظ پر غور کیا جائے تو ان سے یقینی طور سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ حوالگی کا تعلق قانون فطرت سے ہے، ”مینسیپیشن“ (mancipation) سے جو کہ تمدنی جماعت کا ایک طریقہ ہے، بہت زیادہ قدیم ہے۔ لیکن مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ یہ امر صداقت کے بالکل خلاف ہے۔

اعلیٰ اور ادنیٰ اشیاء کا فرق اس قسم کی تفریق کا نمونہ ہے جس کی تہذیب ممنون احسان ہے۔ یہ فرق جو تمام اشیاء میں سائر ہے پہلے چند اشیاء کو لے کر ایک قسم قائم کر دیتا ہے، اور بعدہ بقیہ اشیاء کو قسم ادنیٰ میں شریک کر لیتا ہے۔ ادنیٰ قسم کی اشیاء ابتدا میں حقارت اور ناقابل لحاظ ہونے کی وجہ سے ان تکلیف وہ مراسم سے آزاد کر دی جاتی ہیں جن کے ادا کرنے میں قدیم قوانین کو بڑا لطف آتا تھا اور بعدہ جب ذہنی ترقی کے زمانہ میں انتقال اور وصول کے سارے طریقے رائج ہو کر بطور نمونہ کے قائم ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی آسانی اور سادگی کی بنا پر ان پیچیدہ طریقوں کو جو قدیم زمانہ سے چلے آتے ہیں بے کار اور نکمہ کر دیتے ہیں مگر بعض جماعتوں میں جو قیود جائداد کے ساتھ لگے ہوئے ہیں وہ اس قدر پیچیدہ اور سخت ہیں کہ ان کا اس قدر آسان طریقہ سے توڑ دیا جانا ممکن نہیں ہوتا۔ ہندوؤں کے یہاں جب کوئی لڑکا پیدا ہوتا ہے، تو جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں، اس کو ہندوستان کے قانون کی رو سے جائداد میں حق پیدا ہو جاتا ہے، اور انتقال جائداد کے لئے اس کی رضامندی لازم ہوتی ہے۔ اسی طرح قدیم جرمن اقوام کے عملدرآمد میں (اینگلو سیکسن مراسم کا اس سے مستثنیٰ ہونا قابل لحاظ ہے) بغیر اولاد ذکر کی رضامندی کے انتقال ممنوع تھا۔ اور سلکونیا کے باشندوں کا ابتدائی قانون تو مطلقاً اس کی اجازت ہی نہ دیتا تھا۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ یہ موانع جائداد میں فرق قائم کرنے سے رفع نہیں ہو سکتے کیوں کہ ان کا تعلق ہر قسم کی جائداد سے ہوتا ہے، اس لئے قدیم قوانین جب اصلاح کے راستہ پر پڑ جاتے ہیں تو ان موانع کا ایک دوسری قسم کی تفریق قائم کر کے مقابلہ کرتے ہیں۔ اس تفریق کے لئے لحاظ سے جائداد بلحاظ نوعیت انہیں، بلکہ بلحاظ اپنی اصلیت کے تقسیم کی جاتی ہے۔ ہندوستان میں دونوں قسم کی تقسیم کے آثار پائے

جاتے ہیں، تقسیم زیر بحث کی مثال اس امتیاز سے ملتی ہے جو ہندوؤں کا قانون جائداد موروثی اور مکیوبہ میں کرتا ہے۔ لڑکے پیدا ہوتے ہی باپ کی موروثی جائداد میں شریک ہو جاتے ہیں؛ مگر اکثر سویمبات کے رسم و رواج کے لحاظ سے وہ جائداد جو باپ اپنی زندگی میں پیدا کرتا ہے وہ اسی کی ہوتی ہے اور جس طرح وہ چاہے اسے منتقل کر سکتا ہے۔ روما کے قانون میں بھی اسی طرح کا ایک امتیاز تھا، والدین کے اختیارات میں سب سے پہلے جو جدت ہوئی وہ یہی تھی کہ بیٹوں کو اس کی اجازت ہوگئی کہ جو کچھ ان کو فوجی خدمت سے ملے اسے وہ اپنے لئے مخصوص رکھیں۔ مگر اس قسم کی تقسیم کا زیادہ تر رواج جرمن اقوام میں تھا۔ میں بارہا بیان کر چکا ہوں کہ جرمنوں کی خاندانی جائداد (Alloëd) اگرچہ ناقابل انتقال نہ تھی، مگر اس کی منتقلی میں عام طور سے بے حد مشکلیں پیش آتی تھیں، اور وہ مخصوص طور سے صرف یک جدی (۲۵۰) رشتہ داروں کو پہنچتی تھی۔ انھیں وجہ کی بنا پر مختلف قسم کے امتیاز پیدا ہو گئے اور ان سب کا مقصد یہ تھا کہ ان وقتوں میں کمی واقع ہو جو خاندانی جائداد کے ساتھ لگی ہوئی تھیں مثلاً وہ خوں بہا (Wehrgeid) جو کسی سر رشتہ دار کے قتل انسان مستلزم سزا کے متعلق ملتا تھا اور جو جرمنی کے اصول قانون کا جز اعظم تھا وہ خاندانی جائداد میں شریک نہ ہوتا تھا اور اس کا سلسلہ دراشت بالکل جدا رہتا تھا۔ اسی طرح وہ جرمانہ جو بیوہ کے عقد ثانی کے موقع پر وصول کیا جاتا تھا یعنی Reipus۔ اس شخص کی خاندانی جائداد میں داخل نہیں ہوتا تھا جسے وہ دیا جاتا تھا، بلکہ ایک ایسا سلسلہ انتقال اختیار کرتا تھا جس میں یک جدی رشتہ داروں کے حقوق کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔ قانون میں بھی سردار خاندان کی مکیوبہ اور موروثی جائداد میں ہندوؤں کی طرح امتیاز کیا جاتا تھا اور سردار کو مکیوبہ جائداد کے انتقال میں زیادہ تر آزادی حاصل تھی۔ دوسری قسم کی تقسیم بھی تسلیم کی جاتی تھیں اور اراضی اور مال منقولہ کا معروف

امتیاز بھی قائم تھا، مگر مال منقولہ اور بہت سے ضمنی درجوں میں منقسم تھا اور ہر درجہ کے متعلق مختلف قواعد تھے۔ جرمن فاسٹان سلطنت سی وحشی قوم میں اس قدر اقسام کی کثرت یقیناً تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے، مگر اس کی توضیح اس طرح ہوتی ہے کہ ان کے نظام قانونی میں اہل روما کے قانون کا بڑا حصہ شریک تھا جو انھوں نے ایک عرصہ تک رومی سلطنت کی حدود کے قریب رہنے کی وجہ سے اختیار کر لیا تھا۔ خاندانی جائداد کے علاوہ دوسری جائدادوں کے (انتقال اور وراثت کے متعلق جو قواعد جاری تھے اُن میں سے اکثر کا ماخذ اہل روما کا اصول قانون معلوم ہوتا ہے، جس سے غالباً وہ قواعد مختلف اوقات میں اور متفرق طور سے لئے گئے تھے۔ اس کے متعلق قیاس قائم کرنا بھی مشکل ہے کہ جائداد کے آزاد انتقال میں جو موانع پیش آتے تھے وہ کس حد تک ایسی تجویزوں سے رفع ہو سکے، کیوں کہ امتیازات زیر بحث کے متعلق کوئی زمانہ حال کی تاریخ موجود نہیں ہے۔ خاندانی جائداد کی صورت (Allodial form of property) جیسا کہ میں قبل اس بیان کر چکا ہوں، نظام جاگیر کے زمانہ میں مطلق تھا ہو گئی تھی، نظام جاگیر کے ایک مرتبہ مکمل ہو جانے کے بعد ان تمام امتیازات میں سے جو مغربی یورپ میں شایع تھے صرف ایک امتیاز اراضی اور سامان یعنی غیر منقولہ اور منقولہ، کا عملاً باقی رہ گیا تھا۔ ظاہری صورت میں امتیاز وہی تھا جو آخر کار اہل روما کے قانون نے تسلیم کر لیا۔ مگر قرون وسطیٰ کا قانون اہل روما کے قانون سے صریحاً اس امر میں مختلف تھا کہ وہ جائداد غیر منقولہ کو بمقابلہ منقولہ کے اعلیٰ سمجھتا تھا یہی ایک مثال اس قسم کی ترکیبوں کی اہمیت ثابت کرنے کے لئے بالکل کافی ہے۔ ان تمام ممالک میں جن کا نظام قانونی فرانسیسی مجموعہ قوانین پر مبنی ہے، یعنی یورپ کے براعظم کے بڑے حصہ میں قانون جائداد منقولہ جو ہمیشہ اہل روما کا قانون ہوتا تھا اراضی کے جاگیری

متعلق ہوا جو اہل روم میں ”یوزو کے پین“ (Usucapion) کے نام سے موسوم تھا، اور جو زمانہ حال کے اہل قانون میں ”قدامت“ (Prescription) کے نام سے ہم تک پہنچا ہے۔ یہ اہل روم کے قدیم ترین قانون کا ایک صریح (positive) اور الواج عشرہ سے بھی پہلے کا، قاعدہ تھا کہ جن اشیاء پر ایک خاص مدت تک مسلسل قبضہ رہتا ہے وہ قابض کی ملک ہو جاتی ہیں۔ قبضہ کی مدت نہایت مختصر یعنی بلحاظ نوعیت اشیاء ایک یا دو سال سے زیادہ نہ تھی۔ تاریخی زمانہ میں قدامت کا عمل اسی صورت میں جائز تصور ہوتا تھا جب قبضہ کا آغاز ایک خاص طریقہ سے ہوتا تھا، مگر میرے نزدیک بقایاں غالب ایسے زمانہ میں کہ تہذیب میں زیادہ ترقی نہ ہوئی تھی ان شرائط سے بھی آسان شرائط کے ساتھ جن کا ذکر ہماری مستند کتابوں میں ہوا ہے قبضہ ملکیت کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ میں اس سے قبل کہہ چکا ہوں کہ میرا مرکز یہ مقصد نہیں ہے کہ انسان حقیقی قبضہ کی جو وقعت کرتے تھے اس کی وجہ پورے طور سے اہل قانون سے ظاہر ہو سکتی ہے، مگر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ ابتدائی جماعتوں نے قدامت کا جو اصول اختیار کیا اس میں ان خیالی شکوک اور شبہات کا وجود نہ تھا جو زمانہ حال میں اس کے قبول میں پیش آئے۔ زمانہ حال کے متفنین نے ابتدا میں قدامت کو ناپسندیدہ نظر سے دیکھا، مگر بعدہ بادل ناخواستہ اس کو منظور کر لیا۔ اکثر حاکم میں، بشمول ہمارے ملک کے، ایک عرصہ تک قانون اس غیر منہذب اور بھدی ترکیب سے ایک قدم آگے نہ بڑھا سکا کہ ایسے تمام جرائم کے استغاثے جن کا ارتکاب ایک معینہ مدت مثلاً کسی گزشتہ عہد حکومت کے پہلے سال کے قبل ہو چکا تھا وہ ناقابل سماعت قرار دے دے جائیں۔ قرون وسطیٰ کے ختم ہو جانے اور انگلستان میں جیمس اول کے تخت نشین ہونے کے بعد البتہ میعاد سماعت کا ایک حقیقی قانون

(۲۵۳)

(۲۵۴)

ہمیں ملا اگرچہ وہ بہت ناقص تھا۔ قانون روما کی اس مشہور ترین جز کے اختیار کرنے میں، جو یورپ کے کثیر التعداد مقننین کے مطالعہ میں متواتر رہ چکا تھا، جو تقویٰ ہوئی اس کی وجہ مذہبی قانون کے اثرات تھے۔ کلیائی مراسم کا تعلق، جن سے مذہبی قانون پیدا ہوا، مذہبی یا نیم مذہبی مقاصد سے تھا، اور ان سے جو حقوق پیدا ہوتے تھے وہ فطری طور سے ایسے حقوق سمجھے جاتے تھے جو عدم اشتغال سے خواہ اس کی مدت کچھ ہی کیوں نہ ہو زائل نہیں ہو سکتے تھے۔ اور اس لحاظ سے جب بعدہ مذہبی اصول قانون مدون ہوا تو اس کا رجحان سختی کیساتھ قدامت کے خلاف تھا۔ جب مذہبی مقننین مذہبی قانون کو غیر مذہبی قانون کے نمونہ پر لے کر چلے تو اس کا مخصوص اثر ابتدائی اصول پر پڑنا لازم تھا۔ اُن مراسم کے متعلق جو تمام یورپ میں قائم ہو گئے تھے اگرچہ مذہبی قانون سے اس قدر صریح قواعد نہیں اخذ کئے گئے جس قدر قانون روما سے لے گئے تھے، مگر بے شمار اہم امور میں مذہبی قانون نے اہل فن کی رائے کو اپنی طرف مائل کر لیا، اور یہ میلان جو اس طرح پیدا ہوا ہر نظام کی ترقی کے ساتھ قوت گیرتا گیا۔ مخجلہ دوسرے میلان کے ایک یہ تھا کہ اس نے اصول قدامت کی طرف سے طبیعتوں کو پھیر دیا۔ میرے نزدیک اس رجحان کا کبھی ایسا اثر نہ ہوتا اگر وہ علمی مقننین (Scholastic jurists) کے حقیقت پرست فرس (Realist sect) کے اصول سے مطابق نہ ہو جاتا، جس کی تعلیم یہ تھی کہ حقیقی وضع قانون خواہ کوئی شکل اختیار کرے، مگر حق، اگرچہ عرصہ دراز تک اس کی طرف توجہ بھی نہ کی گئی ہو، فی الحقیقت ضائع نہیں ہو سکتا۔ اس خیال کے آثار اس وقت تک موجود ہیں جس موقع پر قانون کے فلسفہ سے متانت کے ساتھ بحث کی جاتی ہے، وہاں قدامت کی ذہنی بنیاد کا گرم جوشی کے ساتھ معرض بحث میں آنا لازم ہے؛ فرانس اور جرمنی میں اس وقت تک اس سوال کے ساتھ بے حد

دیکھی ہے کہ آیا جو شخص ساہا سال سے اپنے قبضہ سے بے دخل ہو وہ اپنی غفلت کی پاداش میں اپنے حق ملکیت سے محروم کیا جاتا ہے، یا قانون ایک انتہائی حد (Finis litium) قائم کرنے کی خواہش میں سرکاری مداخلت کر کے اس کے حق کو زائل کر دیتا ہے۔ قدیم اہل روم کے دل ایسے شبہات سے خالی تھے۔ وہ اپنے قدیم عملدرآمد کے مطابق ہر ایسے شخص کو جو مخصوص حالات میں ایک یا دو سال قابض جائداد نہ رہتا تھا حق ملکیت سے محروم کر دیتے تھے۔ قدامت کے قاعدہ کی ابتدائی شکل کا دریافت کر لینا کچھ آسان کام نہیں ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ، ان حدود کے ساتھ جو کتابوں میں بتائے گئے ہیں، قاعدہ مذکور انتقالات کے بے حد تکلیف وہ طریقہ کی خرابیوں کے انداز کے لئے بہت سفید تھا۔ اصول قدامت سے مستفید ہونے کے لئے یہ امر لازم تھا کہ مخالفانہ قبضہ کی ابتدا دیانت کے ساتھ ہوئی ہو، یعنی قبضہ کرنے والے کو اس امر کا یقین ہو کہ وہ جائداد بطریق جائز حاصل کر رہا ہے، اور یہ بھی ضرور تھا کہ وہ چیز انتقال کے مختلف طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے منتقل ہوئی ہو، اگرچہ طریقہ مذکور اس مخصوص صورت میں کامل حق کے عطا کرنے سے قاصر ہو، مگر کم از کم قانون کا مسلحہ ہونا چاہئے۔ اس لئے مراسم انتقال خواہ وہ کیسی ہی نامتام کیوں نہ ہوں اگر بالآخر حوالگی پر منجر ہوتے تھے تو جو خامی حق میں رہ جاتی تھی اس کو زیادہ سے زیادہ دو سال کی قدامت رفع کر دیتی تھی۔ اہل روم کی کارروائیوں میں مجھ کو کوئی ایسی کارروائی نہیں ملی جو اصول قدامت کے استعمال سے زیادہ ان کی قانونی ذہانت کو ثابت کرتی ہو جو مشکلیں ان کو پیش آئیں وہ تقریباً وہی تھیں جو انگلستان کے مقنین کو پیش آئیں، اور اس وقت تک پیش آرہی ہیں۔ اہل روم میں نظام قانونی کی پیچیدگی کی وجہ سے جس کی اصلاح کی اس وقت تک نہ ان میں طاقت تھی اور نہ جرات

(۲۵۶) حقیقی حق اصطلاحی حق سے اور منصفانہ ملکیت قانونی ملکیت سے متواتر علیحدہ ہونی جاتی تھی۔ لیکن اصول قدامت نے، مصنفان قانونی کی تائید سے، ایک ایسا ذریعہ مہیا کر دیا تھا جس سے جائیداد کی حقیقت کے تقاضے کی خود بہ خود اصلاح ہوتی جاتی تھی، اور جو ملکیتیں عارضی طور سے جدا ہو گئی تھیں وہ نہایت طویل عرصہ میں بعجلت تمام یکجا ہوتی جاتی تھیں۔ جٹینین کی اصلاح تک اصول قدامت کے فوائد کا کوئی حصہ زائل نہ ہونے پاتا۔ مگر جب قانون اولوغت ل ملاکر دونوں بالکل ایک ہو گئے اور "مینسیپشن" (Mancipation) اہل روم کے انتقالات کا ذریعہ باقی نہ رہا، اس وقت مستقیم ترکیب کے استعمال کی مزید ضرورت بھی باقی نہیں رہی اور قدامت نے، مدت کی طوالت کے ساتھ "پریس کریپشن" (Prescription) کی صورت اختیار کر لی، جسے بالآخر زمانہ حال کے ہر نظام قانونی نے اختیار کر لیا ہے۔

میں یہاں مختصراً ایک دوسری تجویز کا ذکر کروں گا جس کا مقصد بھی وہی ہے جو متذکرہ بالا تجویز کا تھا۔ اگرچہ یہ تجویز انگریزوں کی قانونی تاریخ میں فوراً رد نہ ہوئی، مگر اہل روم کے قانون میں وہ قدیم زمانہ سے موجود تھی۔ اس کی ظاہری قدامت اتنی تھی کہ بعض جرمنی کے عہدہ داروں نے، جو اس سے کافی طور سے واقف نہ تھے کہ انگلستان کے قانون کی مشابہت نے اس مضمون کو کس قدر صاف اور روشن کر دیا ہے، اسے "مینسیپشن" (mancipation) سے بھی قدیم تر خیال کر لیا۔ میرا مقصد سی ہیوان جو (cessio in jure) یعنی اس سازشی کارروائی سے ہے جو عدالت میں اس جائیداد کے حصول کے لئے کی جاتی تھی جس کا منتقل کرنا منظور ہوتا تھا۔ مدعی جائیداد متدعوئے کے لئے معمولی شکل میں دعویٰ دائر کر دیتا تھا؛ مدعی علیہ پر وہی میں تصور کرتا تھا اور دعویٰ لازمی طور سے بحق مدعی فیصل ہو جاتا تھا۔ مجھے انگلستان کے مقنین کو یہ بتانے

کی ضرورت نہیں ہے کہ ہمارے آباد اجداد نے اس تجویز سے کام لیا اور اس کا نتیجہ وہ مشہور جرمائے اور دصولات تھے جو نظام جاگیری کے قانون ارنہی کے سخت جکڑ بندوں کو ڈھیلہ کر دینے میں اس قدر مفید ثابت ہوئے۔ اہل روما اور اہل انگلستان کی ترکیبوں میں اکثر اجزاء مشترک ہیں اور ان سے صراحت کے ساتھ ایک دوسرے کی توضیح ہوتی ہے، اگر ان میں کوئی فرق ہے تو صرف اتنا ہے کہ انگلستان کے متقنین کا مقصد ان پیچیدگیوں کو رفع کرتا تھا جو حقوق میں پُرگی تھیں برخلاف اس کے روما کے متقنین ان کے رفع کرنے کے لئے بجائے ایسے طریقہ کے جو عموماً ناکامیاب ثابت ہو چکا تھا ایسا طریقہ انتقال قائم کرنا چاہتے تھے جس پر لازمی طور سے کوئی اعتراض وارد نہ ہو سکتا ہو۔ یہ ایک ایسی تجویز تھی جس کا مستقل طور سے عدالتوں کی کارروائی شروع ہو جانے کے بعد، خود بخود ذہن میں آنا لازم تھا اگرچہ وہ کارروائیاں ہنوز پختہ اور باضابطہ نہ ہوئی تھیں۔ جب قانونی خیالات میں ترقی ہو جاتی ہے تو عدالتیں سازشی نالٹوں کو اپنے مقررہ ضابطہ کا بجا استعمال تصور کرنے لگتی ہیں، مگر ایسے زمانے بھی گزرے ہیں جب ایسی کارروائیاں بالکل ضابطہ کے مطابق ہوتی تھیں تو مزید چھان بین کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی۔

جائداد پر قانونی عدالتوں اور ان کے منوابط کا بہت بڑا اثر پڑا مگر مضمون اس قدر وسیع ہے کہ اس کی گنجائش اس کتاب میں نہیں نکل سکتی، اگر اس سے بحث کی جائے تو ہم قانونی تاریخ کے ان مباحث میں پڑ جائیں گے جنہیں ہمارے موضوع سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ مگر ہمیں یہ بتانا ضرور ہے کہ جائداد اور قبضہ کے امتیاز میں جو غیر معمولی اہمیت فلسفہ قانون میں پیدا ہو گئی ہے وہ اسی کے اثر سے ہے۔ خود یہ امتیاز (بقول ایک سربراہ اور وہ انگریزی عہدہ دار کے) اس سے زیادہ نہیں ہے جو ایک شے کے متعلق کسی فعل کے ارتکاب کے

(۲۵۸)

قانونی حق اور اس کی تعمیل کے مادی اختیار میں ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ لوگوں میں شاید ہی کوئی شخص قانونی ادب سے اس قدر ناواقف ہو کہ اس نے یہ نہ سنا ہو کہ قبضہ کے متعلق روما کے مقنین جو الفاظ استعمال کرتے تھے ان سے ایک عرصہ تک سخت پیچیدگیاں پڑتی ہیں سوگنی کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے یہ معہ حل کر کے اپنی ذہانت ثابت کر دی ہے۔ روما کے مقنین جب لفظ ”قبضہ“ استعمال کرتے تھے تو اس کے ساتھ ایسے مفہوم شامل ہو جاتے تھے جن کی توضیح آسان نہ تھی۔ یہ لفظ جیسا کہ اس کے مادہ سے ظاہر ہے ابتدا میں ضرور جسمانی ملامست یا بروقت خواہش جسمانی ملامست کا خیال ظاہر کرتا ہوگا مگر حقیقی استعمال میں جب وہ کسی صفت سے محدود نہ کر دیا گیا ہو اس کے مفہوم میں نہ صرف جسمانی طور سے روک رکھنا، بلکہ جسمانی روک رکھنے کے ساتھ یہ قصد کہ جو شے روک رکھی گئی ہے وہ ہماری ہوگئی شریک اور شامل ہے۔ سوگنی نے یہ اتباع میں بھیج (Neibuhr) یہ رائے قائم کی کہ اس پیچیدگی کی بنیاد صرف تاریخی ہو سکتی ہے۔ اس نے بتایا کہ روما کے شریف باشندے جو کہ سرکاری جائداد کے بڑے بڑے بڑے نام رستم مالگزاری پر اجارہ دار ہو گئے تھے روما کے قدیم قانون کی نظر میں صرف قابض متصور ہوتے تھے، مگر وہ ایسے قابض تھے کہ اپنی اراضی پر جدید آنے والوں کے مقابلہ میں قبضہ قائم رکھنا چاہتے تھے۔ ان کا دعویٰ تقریباً وہی تھا جو حال ہی میں انگلستان میں ان لوگوں کی طرف سے پیش ہوا ہے جو کلیسا کی اراضی کے پٹہ دار ہیں۔ وہ لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اصولاً حکومت کے آسامی مامری مالک (tenants at will) ہیں، مگر ان کی حجت یہ ہے کہ بلا مداخلت غیرے ایک مدت تک قابض رہنے کی وجہ سے ان کے قبضہ نے ملکیت کی ایک شکل اختیار کر لی ہے، اور اس بنا پر جائداد کو دوبارہ

تقسیم کرنے کے لئے ان کو بے دخل کر دینا انصاف کے خلاف ہوگا۔ دعویٰ ہذا کی اس مشابہت نے جو شرفاء روما کی اسامیت سے تھی، ”قبضہ“ کے مفہوم پر مستقل طور سے اثر ڈالا ہے۔ جو اسامی بیدل کر دئے جاتے تھے، یا جنہیں بے دخل کر دئے جانے کا اندیشہ ہوتا تھا، ان کے لئے بجز حصول ”حکام متعلق بقیام قبضہ“ (Possessory interdicts) اور کوئی قانونی چارہ کار نہ تھا۔ یہ قانون روما کی ایک سرسری کارروائی تھی جسے یا تو روما کے سول عہدہ داروں نے اسامیوں کی حفاظت کے لئے خاص طور سے جاری کی تھی، یا دوسری رائے کے مطابق وہ کارروائی تھی جو قدیم زمانہ میں قانونی حقوق کے تصفیہ کے انتظار میں عارضی قبضہ قائم رکھنے کے لئے کی جاتی تھی۔ اس بنا پر یہ سمجھا جانے لگا کہ جو شخص کسی جائداد پر بحیثیت مالک کے قابض ہے وہ اسے حکم کے حامل کرنے کا مجاز ہے، اور ایک بے حد مصنوعی طرز کارروائی کی وجہ سے قیام قبضہ کی نالٹوں نے اسی صورت اختیار کر لی کہ اس سے تنازعہ قبضہ کے دعوؤں کا فیصلہ ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد وہ تحریک شروع ہوئی جس کا پورے طور سے اعادہ انگلستان کے قانون میں ہوا ہے، جیسا کہ مسٹر جون اسٹین نے بتایا ہے۔ مالکان و قابضان جائداد بجائے اصلی مقدمہ کی پیچیدہ اور پر تعویق کارروائیوں کے قیام قبضہ کی سادہ اور جلد طے ہو جانے والی کارروائی کو پسند کرنے لگے، اور قبضہ کے چارہ کار سے مستفید ہونے کے لئے اس قبضہ سے استدلال کرنے لگے جس کی نسبت سمجھا جاتا تھا کہ وہ ان کی حق ملکیت میں مضمر ہے۔ قبضہ کے چارہ کار سے اسے لوگوں کو مستفید ہونے کی اجازت دینا جو کہ حقیقی قابض نہیں، بلکہ مالک جائداد تھے اگرچہ ابتدا میں ایک رحمت معلوم ہوتا ہوگا، مگر آخر میں اس نے انگلستان اور روما دونوں کے ہول قانون پر بہت بُرا اثر

(۲۵۹)

ڈالا۔ قانون روما میں قبضہ کے متعلق جو باریکیاں اور نزاکتیں پیدا کر لی گئیں، اور جنہوں نے اس قانون کی قدر و قیمت کو اس قدر گھٹا دیا اس کی بنیاد یہی عمل تھا۔ انگلستان کے قانون نے، اس کے بعد کہ اس عمل سے حصول جائداد غیر منقولہ کے مقدمات بے ترتیبی اور الجھن میں پڑ گئے تھے، قابل تعریف جدوجہد کر کے ان تمام پیچیدگیوں کو دور کر دیا۔ کوئی شخص اس میں شک نہیں کر سکتا کہ انگلستان کی جائداد غیر منقولہ کے مقدمات کی کلیۃً تسبیح جو تقریباً تیس سال قبل ازیں عمل میں آئی ایک عام منائدہ کی تجویز تھی، مگر اب بھی اصول قانون کے تائب کے لحاظ کرنے والے اس پر افسوس کریں گے کہ جائداد غیر منقولہ کے حقیقی دعووں کو پاک و صاف اور ترقی دینے کے بجائے ہم نے انہیں قبضہ کے مقدمات بے دخلی پر قربان کر دیا ہے، اور اس طور سے حصول ارضی کے مقدمات کے نظام کی بنیاد ایک قانونی مفروضہ پر قائم کر دی ہے۔ عدالتوں نے بھی قانون اور نصفیت میں فرق قائم کر کے، جس کا ابتدائی اظہار ہمیشہ حدود ارضی کے فرق سے ہوتا ہے، مالکانہ حقوق کے تصورات کے قیام اور ان کے تغیر اور تبدیل میں بڑی مدد کی۔ انگلستان کی نصفیتی جائداد وہ جائداد ہے جس کی حقیقت عدالت چانسی کے اختیارات سے پیدا ہوتی ہے۔ روما میں سول عہدہ داروں کے اعلانوں نے انوکھے اصول ان وعدوں کی شکل میں پیش کئے کہ خاص خاص حالتوں میں مخصوص مقدمات اور مخصوص جواب دہی منظور کی جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قانون روما کی نصفیتی جائداد وہ جائداد قرار پائی جس کی حفاظت صرف ان جاہداروں کے ذریعہ سے ہوتی تھی جو اعلانوں میں بتائے گئے تھے۔ جن مصنوعی ترکیبوں سے اس امر کا انتظام کیا گیا تھا کہ قانونی مالکوں (Legal owners) کے دعوے نصفیتی

حقوق (Equitable rights) پر غالب نہ آنے پائیں وہ دونوں نظاموں میں کسی قدر ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ ہمارے نظام قانونی میں ان کی حفاظت عدالت چانسلری کے حکم امتناعی سے کی جاتی ہے۔ روما میں چونکہ اس وقت تک قانون اور نصفت کی تکمیل نہ ہوئی تھی اس لئے وہاں کے نظام قانونی میں یہ دونوں شقیں ایک ہی عدالت سے اجرا ہوتی تھیں، اور کسی حکم امتناعی کی ضرورت نہ واقع ہوتی تھی (۲۶۱) حاکم عدالت کے لئے سیدھا راستہ کھلا ہوا تھا کہ وہ قانون دیوانی کے مالک کی کارروائیوں اور درخواستوں کی منظوری سے انکار کر دیتا تھا، اور صرف یہی وہ ایک ذریعہ تھا جس کی مدد سے وہ ایسی جائیداد حاصل کر سکتا تھا جس کا بلحاظ نصفت کوئی دوسرا شخص مالک ہوتا تھا۔ لیکن دونوں نظاموں کی عملی کارروائی تقریباً یکساں تھی۔ دونوں جگہ کے ضابطے ایک فرق قرار دے کر جدید جائیدادوں کا عارضی وجود اس وقت تک قائم رکھ سکتے تھے جب تک کہ ایسا وقت نہ آجائے کہ وہ جملہ قوانین کی رو سے قابل تسلیم قرار پائیں۔ اس طور سے روما کا ایک سول عہدہ دار فوراً اس شخص کو جائیداد پر حق دے سکتا تھا جس نے کوئی اعلیٰ شے (Res mancipi) شخص بر بنائے تحویل حاصل کی ہو اس کے لئے ضرور نہ تھا کہ وہ قدامت (Usucapion) کی تکمیل کا انتظار کرے۔ اسی طرح کچھ عرصہ کے بعد وہ مرہن کے حق ملکیت کو بھی تسلیم کرنے لگے جو ابتدا میں صرف امین سمجھا جاتا تھا، اور اسی طرح اراضی کے اجارہ دار کا حق بھی مسلم ہو گیا جو ایک مقررہ دوامی لگان ادا کرتا تھا۔ ترقی کا متوازی راستہ اختیار کر کے انگلستان کی عدالت چانسلری نے بھی راہن کے لئے ایک مخصوص ملکیت پیدا کر دی، اور اس طرح مامونہ (Castui que trust) اور منکوحہ عورت کے واسطے جس کے حق میں کسی خاص قسم کی تملیک کی گئی ہو، اور نیز اس مشتری کے لئے جس کو ہمنوز کامل قانونی

ملکیت نہ ملی تھی۔ یہ سب وہ مثالیں ہیں جن میں مالکانہ حقوق جو مروجہ
 جدید تھے تسلیم کر لیے گئے اور قائم رکھے گئے۔ انگلستان اور
 روما میں جائداد پر نصفت سے جو اثرات دوسرے ذرائع سے پہلے
 وہ بشتار ہیں۔ اصول نصفت کے موجدین نے اس قوی آلہ کے
 ہاتھ لگ جانے کے بعد قانون کے میدان میں جس طرف رخ کیا
 اوسہ انھیں قانون جائداد کو مضروب و مخرج کرنے اور کم و بیش
 بدل دینے کا پورا موقع ملا۔ صفحات سابق میں جہاں میں آنے یہ کہا
 (۲۶۲) ہے کہ بعض قدیم قانونی امتیازوں اور تجویزوں سے ملکیت کی تلخ
 پر قوی اثر پڑا اس سے میری مراد یہ ہے کہ ان کے اثرات کا
 بڑا جز ترقی کے ان اشاروں اور تحریکوں سے پیدا ہوا جن سے
 ذہنی فضا معمور ہو گئی تھی، اور اسی فضا میں نظاہرے نصفت کے
 بانی سانس لے رہے تھے ملکیت پر نصفت کا اثر بیان کرنا گواہی
 کی تلخ زمانہ حال تک لکھی ہے۔ میں نے اس کی طرف جو اشارہ
 کیا ہے اس سے میرا اہل مقصد یہ ہے کہ بعض معزز معاصر
 مصنفین نے یہ خیال کیا ہے کہ اہل روما کی نصفتی اور قانونی جائداد
 کی علیحدگی اور تفریق سے ہمیں ملکیت کے قصد کے اس فرق کا پتہ
 چلتا ہے جو بظاہر قدون وسطی کے قانون کو سلطنت روما کے قانون
 سے علیحدہ کرتا ہے۔ جاگیر زمانہ کے تصور کے اہم خصوصیات یہ ہیں
 کہ وہ دو ملکیتیں مانتا ہے، مالک جاگیر کی اعلیٰ ملکیت اور اس کے
 ساتھ اجارہ یا پٹہ دار کی ادنیٰ ملکیت اس سے نتیجہ یہ نکالا جاتا ہے
 کہ بظاہر یہ دہری ملکیت اہل روما کی اس تقسیم کی ایک عام
 شکل ہے جس کی رو سے وہ حقوق جائداد کو قانونی اور بالفاظ زمانہ
 مابعد نصفتی اصناف میں تقسیم کرتے تھے۔ خود کیس کا یہ قول ہے
 کہ جائداد کو دو اصناف میں تقسیم کرنا روما کے قانون کی ایک
 نرالی خصوصیت ہے، اور بصرحت اس کا مقابلہ واحد یا خانہ دانی

ملکیت سے کرتا ہے جس کا دوسری اقوام میں رواج تھا۔ یہ درست ہے کہ جینیٹین نے جاہلادوں کو ملا کر پھر ایک کر دیا، مگر یہ جزاً مغربی سلطنت کا اصلاح شدہ نظام تھا نہ کہ جینیٹین کا وہ اصول قانون جس سے وحشی اقوام صدیوں تک مانوس رہ چکی تھیں۔ اگرچہ یہ قومیں سلطنت کے حدود ہی پر رہیں مگر یہ بہتر ہوا کہ وہ اس فرق کو اچھی طرح سمجھ سکیں جو بعدہ اس قدر نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ اس بیان کی تائید میں یہ امر ماننا پڑے گا کہ وحشی قوموں کے مختلف رسم و رواج میں قانون روما کا جو عنصر شامل ہے اس کی تصحیح پوری طور سے نہیں ہوئی ہے۔ جو غلط یا غبیہ کافی نظریات نظام جاگیرداری کی توضیح کے لئے قائم کئے گئے وہ سب ایک دوسرے سے اس امر میں مشابہ ہیں کہ انھوں نے اس مخصوص عنصر سے توجہ کو ہٹا دیا ہے۔ قدیم محقق جن کا اتباع اس ملک میں کیا گیا، غیر معمولی اہمیت اس پر شور زمانہ کو دیتے ہیں جس میں طریقہ جاگیرداری درجہ کمال کو پہنچا، اور بعدہ اس غلطی میں مزید غلطی کا اضافہ اس قومی سختی نے کر دیا جس کی بنا پر جرمنی کے متصفین نے اس تمدنی نظام کے کال ہونے میں بیحد مبالغہ سے کام لیا ہے ان کے آباؤ اجداد نے رومی دنیا میں داخل ہونے سے پہلے قائم کیا تھا۔ انگلستان کے وہ ایک محقق، جنھوں نے نظام جاگیرداری کی بنیاد صحیح مقام پر تلاش کرنی شروع کی تھی، اپنی تحقیقات سے قابل اطمینان نتائج نہ پیدا کر سکے؛ اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ انھوں نے جینیٹین کی تالیفات میں ضرورت سے زیادہ مشابہات (analogies) کا خیال رکھا، یا یہ کہ ان کی تمام توجہ قانون روما کے اس خلاصہ پر مہذول رہی جو بطور ضمیمہ بعض موجودہ وحشی قوموں کے مجسمہ قوانین میں پایا جاتا ہے۔ لیکن اگر وحشی جماعتوں پر وٹانوں روما کا کوئی اثر پڑا تو اس کا بڑا حصہ جینیٹین کے وضع قانون اور ان

خلاصہ جات کی تیاری سے پہلے پڑ چکا تھا۔ میرے نزدیک وحشی اقوام کے مراسم کے ضعیف کالبد کو جس نئے گوشت اور پوست کا جامہ پہنایا وہ جھٹکین کا صاف اور اصلاح شدہ اصول قانون نہ تھا، بلکہ وہ خاتم نظام تھا جو مغربی سلطنت میں جاری تھا، اور جسے مشرقی سلطنت کے مجموعی قوانین (Corpus juris) منسوخ کرنے اور اس کے قائم مقام ہوجانے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکے۔ اس تبدیلی کی نسبت یہ فرض کیا جانا چاہئے کہ وہ ایسے وقت میں واقع ہوئی کہ اس وقت تک جرمن قوموں نے فاتحانہ حیثیت سے مملکت روما کے کسی جز پر قبضہ نہ پایا تھا، اور اس لئے یہ تبدیلی اس زمانہ سے بہت پہلے کی قرار پاتی ہے جب کہ جرمن بادشاہوں نے اپنی رومی رعایا کے استعمال کے لئے قانون روما کے خلاصے مرتب کئے جانے کا حکم دیا تھا۔ ہر شخص جو متروک الاستعمال اور منسوخ (Archaic) اور ترقی یافتہ (Developed) قانون میں فرق کرتا ہے وہ اس قسم کے مفروضہ کی ضرورت کو بھی محسوس کر سکتا ہے۔ وحشی اقوام کے قوانین جو ہم تک پہنچے ہیں۔ اگرچہ وہ غیر مہذب ہیں، لیکن نہ اس درجہ تک کہ ان کی ابتدا محض وحشی اقوام پر محمول کی جاسکے، اور نہ یہ باور کرنے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے کہ ان مقررہ قواعد کا جو فاتح قوموں کے ارکان باہم استعمال کرتے تھے ہم تک بذریعہ نوشتہ جات کے کوئی بڑا جکڑ پہنچا ہے البتہ اگر ہم یہ تسلیم کریں کہ وحشی اقوام کے نظام قانونی میں روما کے قانون کا بگڑا ہوا حصہ پہلے سے بمقدار کثیر شامل تھا، تو ہماری یہ سخت مشکل ایک حد تک رفع ہو جاتی ہے۔ اگر فاتحوں کے حصر میں قانون اور ان کی رومی رعایا کے قانون میں اس سے زیادہ شبہ نہ ہوتی جتنی عام طور سے مہذب اصول قانون اور وحشیانہ مراسم میں ہوتی ہے تو وہ کبھی باہم نہ مل سکتے تھے۔ قیاس غالب یہی ہے کہ وحشیوں کے قوانین، اگرچہ متروک الاستعمال اور قدیم نظر آتے ہیں،

(۲۶۵)

مگر در اصل وہ قدیم مراسم اور ایسے رومی قواعد سے جو پوری طرح سمجھے نہ جاسکتے تھے مرکب آتے؛ اور یہی وہ بیرونی عنصر تھا جس نے انھیں اہل روم کے اس اصول قانون سے اس طرح مخلوط ہوجانے کے قابل کر دیا کہ اس کی اب و تاب میں جو اسے مغربی شاہنشاہوں کی بدولت حاصل ہوئی فرق آگیا تھا۔

ان سب امور کے مان لینے کے بعد بھی بعض لحاظ سے یہ امر بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ملکیت کی جاگیر کی شکل بلا واسطہ اہل روم کے جائدادی حقوق کا منشاء تھی۔ قانونی اور نصفیتی جائداد کا فرق ایسا نازک فرق ہے کہ بظاہر ان میں تمیز کرنا وحشی اقوام کے لئے بہت دشوار تھا۔ علاوہ اس کے یہ فرق اس وقت تک سمجھ میں بھی نہیں آسکتا جب تک یہ نہ فرس کر لیا جائے کہ قانونی عدالتوں کا عمل باضابطہ طور سے جاری تھا۔ لیکن سب سے قوی دلیل اس نظریہ کے خلاف یہ ہے کہ خود قانون روم میں جائداد کی ایسی شکل موجود ہے جس سے ایک مجموعہ خیالات سے دوسرے مجموعہ خیالات کی طرف ذہن کے منتقل ہونے کی آسان تر توضیح دستیاب ہو سکتی ہے اگرچہ وہ شکل بھی فی الحقیقت نصفیت ہی کی پیدا کی ہوئی تھی اور محدود ملکیت (Emphyteusis) کے نام سے موسوم کی جاتی تھی۔ عموماً قرون وسطیٰ کی فوجی جاگیروں پر انھی کا رتور پڑا ہے اگرچہ اس کا صحیح طور سے علم نہیں ہے کہ اس کا جاگیر کی ملکیت کے پیدا کرنے میں کیا حصہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ محدود ملکیت (Emphyteusis) کی غالباً اب تک اپنے یونانی لقب سے معروف نہ تھی، سلسلہ خیال کی وہ منزل ہے جو بالآخر نظام جاگیری کی طرف منجر ہو گئی۔ تاریخ روم میں اتنی بڑی جائدادوں کا ذکر جن کی کاشت خاندان کا سردار اپنے گھر کے لڑکوں اور غلاموں کی مدد سے نہیں کر سکتا تھا پہلی مرتبہ ان جائدادوں کے سلسلہ میں آتا ہے جن کے مالک روم کے شرفا

تھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے زمیندار آزاد اسیامیوں کے ذریعہ سے کاشت کرانے کے طریقہ سے بالکل ناواقف تھے۔ ان کی مقبوضہ ارضی (Late fundia) کی کاشت عموماً غلاموں کی جماعتوں کے ذریعہ سے کرائی جاتی تھی، جو اُن ننگہ ان کاروں کے زیرِ حکم ہوتی تھیں جو خود غلام یا آزاد شدہ اشخاص ہوتے تھے۔ او جس انتظام کی کوشش کی جاتی تھی وہ صرف یہی تھا کہ ادنیٰ درجہ کے غلام چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تقسیم کر کے اعلیٰ درجہ اور زیادہ تر معتبر قسم کے غلاموں کی ملکیت خاص (peculium) قرار دے دیے جائیں جنہیں اس بنا پر ان کے کام کی عہدگی کے ساتھ دل بستگی ہو جاتی تھی۔ مگر یہ انتظام ایک قسم کے زمینداروں یعنی آزاد شہریوں (Municipalities) کے حق میں سخت مضر تھا۔ اطالیہ میں عہدہ دار عیالت کے ساتھ بدلتے رہتے تھے خود روما کے انتظام میں یہ حالت دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کثیر ارضی اکاں انتظام جو اطالیہ کی کوئی متحدہ جماعت کہتی ہوگی وہ یقیناً بیکار ہوگا ہوں گے کہا جاتا ہے کہ آزاد شہری زمینداروں (agri vecti gales) ارضی کو پیٹ پر دینے کا طریقہ رائج کیا یعنی خاص خاص مالیتوں میں ارضی دوامی پیٹ اور ایک مقررہ لگان پر آزاد اسیامیوں کو دیکھانے لگی۔ اس کے دیکھا دیکھی یہ عمل بکثرت شخصی زمینداروں میں بھی جاری ہو گیا، اور ان اسیامیوں کو، جن کا تعلق مالک ارضی کے ساتھ ابتدا میں بددیہ معاہدہ کے متعین ہوا کرتا تھا۔ بعدہ خود سرکاری عہدہ دار ایک حد تک اس ارضی کا مالک تسلیم کرنے لگے، اور یہ طریقہ ایک مدت گزرنے کے بعد محدود ملکیت (Emphyteusis) کے نام سے موسوم ہو گیا اس جگہ سے کاشتکاری کی تاریخ دو شاخوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔ اس دراز مدت میں جس میں ہمارا علم سلطنت روما کے متعلق بالکل غیر مکمل ہے، روما کے بڑے بڑے خاندانوں کے غلاموں کی جماعتوں

نے تبدیل ہو کر رہایا (Coloni) کی شکل اختیار کرنی، اس گروہ کے ابتدا اور حیثیت کے مسائل تباخ بھر میں سب سے زیادہ تاریک اور پیچیدہ ہیں۔ گمان یہ ہوتا ہے کہ یہ حالت کچھ غلاموں کی حیثیت میں ترقی اور کچھ آزاد کاشتکاروں کی حیثیت میں تنزل سے پیدا ہوئی ہوگی، اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سلطنت روما کی دولت مند جماعتوں کو اس کا احساں ہو گیا تھا کہ ارضی کی قدر و قیمت میں اس وقت اضافہ ہوتا ہے جب کہ کاشتکاروں کی ذاتی غرض ارضی کی پیداوار سے متعلق ہو جاتی ہے۔

ہیں یہ معلوم ہے کہ ان کی غلامی کا تعلق ارضی سے تھا اور حقیقی غلامی کی اکثر خصوصیتیں ان میں نہ پائی جاتی تھیں، وہ مالکان ارضی کی خدمت اس طرح انجام دیتے تھے کہ سالانہ پیداوار کا ایک حصہ ان کی نذر کرتے تھے۔ ہم اس سے بھی واقف ہیں کہ وہ قدیم اور جدید دنیا کی تبدیلیوں کے بعد تک موجود رہے۔ اگرچہ جاگیر نظام میں ان کا درجہ بہت اونچی ہو گیا تھا، مگر اکثر مالک میں وہ مالکان ارضی کو وہی محاصل دیتے رہے جو وہ اپنے رومی مالکوں کو دیا کرتے تھے، اور انھیں کی ایک جماعت یعنی (Clonia Medietarii) سے جو پیداوار کا نصف حصہ مالکوں کو دیا کرتی تھی کاشتکاران بٹائی (Metayor) کی ابتدا ہوئی جو اب تک تقریباً تمام جنوبی یورپ کی ارضی کے کاشتکار ہیں۔ اگر مجموعہ قوانین کے اشارات کا مریج یہی نظام قرار دیا جاسکتا ہے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ محدود ملکیت جائداد کی ایک عام پسند اور مفید شکل قرار پائی اور یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ جس جگہ آزاد کاشتکاروں کا وجود پایا جاتا تھا وہاں کاشت کا یہی طریقہ ان کو ارضی کے ساتھ دلچسپی پیدا کرانے کا ذریعہ ہو جاتا تھا۔ روما کے حکام (Praetor) جیسا کہ کہنا جاتا ہے انھیں محدود ملکیت کے کاشتکاروں کو حقیقی مالک سمجھتے تھے اور ارضی سے بے دخل ہو جانے کی صورت میں انھیں اجازت تھی کہ وہ جائداد غیر مستقر کی دخلیابی کی تلاش کر کے اس پر دوبارہ قبضہ

مائل کریں، جو حقیقی ملک کی ایک خصوصیت ہے۔ پٹہ دہندہ اس کے قبضہ میں دست اندازی کا مجاز نہ تھا، جب تک کہ محاصل بروقت ادا ہوتے رہتے تھے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ پٹہ دہندہ کی ملکیت زائل یا ساقط ہو جاتی تھی، بلکہ اسے عدم ادائے محاصل کی حالت میں قبضہ اور فروخت کی صورت میں شفع کا اور طریقہ کاشت پر ایک خاص قسم کی نگرانی کا حق باقی رہتا تھا۔ اس طور سے ان محدود ملکیت کے اکثرکاروں میں ہیں دُہری ملکیت کی ایک عمدہ مثال ملتی ہے جو زمانہ جاگیر کی جائداد کی خصوصیت تھی، اور جو بہ نسبت قانونی اور نصفی حقوق میں تمیز قائم رکھنے کے زیادہ تر سادہ اور بہ آسانی قابل تقلید ہے۔ اہل روم کے قبضہ جائداد کی تاریخیں ختم نہیں ہو جاتی۔ اس امر کی صاف شہادت موجود ہے کہ ان بڑے بڑے قلعوں کے درمیان میں، جو دریائے رائن اور ڈینیوب کے کناروں پر واقع تھے، اور ایک مدت دراز تک سلطنت کے حدود کو وحشی ٹبرہوں سے بچاتے رہے، مسلسل قطعات (Agrilimitrophi) سرحدی ارٹھی کے واقع تھے جن پر روم کی فوج کے قدیم سپاہی مالکان حدود کی حیثیت سے قابض تھے۔ یہاں بھی دُہری ملکیت کا اصول قائم تھا، روم کی حکومت زمیندار تھی، مگر سپاہی اس وقت تک مداخلت کاشت کے مجاز تھے جب تک وہ اس فوجی خدمت کے لئے آمادہ رہتے تھے جس کی سرحد پر ضرورت ہوتی تھی۔ فی الحقیقت یہ فوجی خدمت مقامی حفاظت کے لئے تھی۔ اور ان فوجی آبادیوں سے مشابہ تھی جو آسٹریا اور ترکی سرحدوں پر قائم ہیں۔ ان سپاہیوں کی خدمتیں معمولی محدود حقوق کے اکثرکاروں کے محاصل کے مساوی تصور ہوتی تھیں۔ اس میں مطلق شک نہیں ہو سکتا کہ اسی مثال کو پیش نظر رکھ کر غیر مہذب دم کے پادشاہوں نے جاگیری نظام قائم کیا۔ یہ حالت تقریباً ایک سو سال ان کے پیش نظر رہ چکی تھی، اور اکثر قدیم سپاہی جوان

(۲۶۹)

حدود کی حفاظت کرتے تھے خود انھیں غیر مذہب اقوام سے تھے اور غالباً جرمن زبانیں بولتے تھے۔ فرینک اور لمبارڈ کے بادشاہوں میں اپنی سلطنت کی بعض اراضی دے کر فوجی خدمات کے حصول کا جو خیال پیدا ہوا اس کی بنیاد ایسی مثال کی قربت معلوم ہوتی ہے جس کی نقل نہایت آسانی سے ہو سکتی تھی، اور اسی سے غالباً اس رجحان کا بھی پتہ چلتا ہے جس سے بلا توقف حقوق استفادہ نے موروثی شکل اختیار کرنی شروع کی، کیونکہ محدود ملکیت کو اگرچہ ابتدائی معاہدہ کی شرائط کے دائرہ میں رکھنا ممکن تھا مگر وہ عام طور سے معطی لہ کے ورثاء پر منتقل ہو جاتی تھی۔ یہ درست ہے کہ اراضی استفادہ کے مالک، اور اس سے قریب تر زمانہ کے ایسے جاگیردار جن کی جاگیریں اراضی استفادہ کی تبدیل شدہ شکلیں تھیں، بظاہر خاص خدمات لینے کے مجاز تھے مگر فوجی لوگ غالباً اور محدود ملکیت والے کاشتکار یقیناً ان کے انجام دینے پر آمادہ نہ ہو سکتے تھے۔ جاگیر کے مالکوں کے ساتھ جس عظمت، اور احسانمندی کا اظہار کیا جاتا تھا اور ان کی لڑکیوں کے جہیز اور لڑکوں کے ساز و سامان ہیا کرنے میں مدد دینے، اور بحالت نابالغی ان کی ولایت اور دوسرے اسی قسم کے اسامیہ خدمات کا جو فرض عائد ہوتا تھا وہ قانون روما کے مولیٰ (سرپرست) اور آزاد شدہ اشخاص کے تعلقات سے بجنہ اخذ کر لیا گیا تھا۔ یہ امر محتاج اظہار نہیں کہ ابتدائی جاگیردار بادشاہوں کے مصاحب ہوتے تھے اور یہ مسلم ہے کہ یہ خدمت اگرچہ بظاہر شاندار معلوم ہوتی تھی، مگر پہلے اس سے ایک قسم کی غلامانہ تمذیل کی جاتی تھی۔ جو لوگ بادشاہوں کی دربار داری کرتے تھے وہ اپنی ذاتی آزادی کو قربان کر دیتے تھے جو خاندانی جائیدادوں کے مالکوں کا معزز ترین حق تھا۔

فصل نہم

معاهدہ کی ابستدائی تاریخ

(۲۷۰)

ہمارے زمانہ کے متعلق جو عام اقوال ہیں اُن میں سے شاید ہی کوئی قول باوی النظری طور سے اس سے زیادہ آسانی کے ساتھ قبول کیا جاسکے کہ ہمارے زمانہ اور زمانہ سابق کے تمدن میں حشاص ماہہ الاتیاز یہ ہے کہ موجودہ تمدن میں معاہدات کو بہ نسبت سابق کے بہت زیادہ دخل ہے۔ جن امور پر یہ قول مبنی ہے ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کے متعلق اکثر تذکرے، مباحث اور تقریریں ہوتی رہتی ہیں۔ ہم میں سے بہت ہی کم لوگ ایسے بے خبر ہونگے کہ انھیں یہ نہ نظر آتا ہو کہ جن حالات میں قدیم قانون ایک شخص کی تمدنی حیثیت کو اس کی پیدائش کے وقت اس طرح سے متعین کر دیتا تھا کہ بعدہ اس میں تبدیلی نہ ہو سکتی تھی، وہاں موجودہ قانون شخص مذکور کو اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنی تمدنی حیثیت خود معاہدات کے ذریعہ سے پیدا کر سکے۔ اس قاعدہ کے جو چند مستثنیات باقی رہ گئے ہیں وہ بھی ہمیشہ نہایت بری نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

مثلاً حبشوں کی غلامی کے مباحث میں جو اس وقت تک نہایت شد و مد کے ساتھ جاری ہیں جو امر فی الحقیقت زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ کیا غلام کی حیثیت کا تعین قدیم اور گزشتہ آئین پر مبنی نہیں ہے اور کیا آقا اور ملازم کا تعلق وہی نہ ہونا چاہئے جو حسب اصول اخلاق زمانہ حال صرف معاہدہ قرار دے سکتا ہے۔ قدیم اور جدید زمانہ کے اس فرق کا احساس مشہور معاصرین کے تخیلات کا اہل اصول ہے۔ (۲۷۱)

یہ امر یقینی ہے کہ فن اقتصادیات (Political Economy) جو اخلاقی تحقیقات کا وہ سررشتہ ہے جس نے ہمارے زمانہ میں کافی ترقی کی ہے، واقعات زندگی کے ساتھ مطابق نہ ہو سکے گا اگر یہ صحیح نہ ہو کہ تحکمی قانون (Imperative Law) کا وہ عمل دخل جو پہلے تھا بڑی حد تک اٹھ گیا ہے، اور لوگ اس آزادی کے ساتھ جو پہلے انھیں کبھی نصیب نہ ہوئی تھی اپنے طریقہ عمل کے قواعد خود معین اور مقرر کرنے لگے ہیں۔ جن لوگوں کی تربیت سیاسیات میں ہوئی ہے ان میں سے اکثر اس کے طرف دار ہیں کہ جس عام صداقت پر ان کے فن کی بنیاد قائم ہے وہ قبولیت عام حاصل کرنے کی مستحق ہے، اور جب وہ اس کو بطور فن کے عمل میں لاتے ہیں تو عام طور سے ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ معاہدہ کا دائرہ وسیع اور تحکمی قانون کا دائرہ ایک حد تک تنگ ہو جائے؛ کیوں کہ معاہدات کی تعمیل کرانے کے لئے قانون کی ضرورت واقع ہوتی ہے۔ جو لوگ ان خیالات کے زیر اثر ہیں ان کی اس تحریک کا احساس مغربی دنیا میں نہایت قوت کے ساتھ ہونے لگا ہے۔ واضعان قانون نے تقریباً اس امر کا اقرار کر لیا ہے کہ وہ انسان کی ان کارروائیوں کے ساتھ جو تحقیقات، ایجاد، اور محبت دولت کے معقول انتظام میں جاری ہیں نہیں چل سکتے اور سب سے کم ترقی یافتہ قوموں کے قوانین زیادہ تر سطحی ہوتے جاتے ہیں جن کے نتیجے ہمیشہ تبدیل ہونے والے قواعد متعلقہ معاہدہ موجود رہتے ہیں، جن سے

قانون صرف انھیں شاذ صورتوں میں مزاحمت کرتا ہے جب کسی بنیادی اصول کی تعمیل کرانی یا نیک نیتی کی خلاف ورزی کے متعلق سزا دینی ہوتی ہے۔

(۲۶۲) معاشری اور تمدنی تحقیقات، جہاں تک کہ اس کا انحصار قانونی واقعات پر ہے، اس قدر سست حالت میں ہے کہ ہمیں یہ معلوم کر کے مطلق تعجب نہ کرنا چاہئے کہ تمدن کی ترقی کے متعلق جو عام رائے قائم ہیں ان میں یہ حقیقت مطلق تسلیم نہیں کی جاتی۔ اس عام رائے کا تعلق بہ نسبت ہمارے عقائد کے ہمارے نقصات سے زیادہ تر ہے۔ اکثر لوگ اس خیال کی طرف مائل نظر آتے ہیں کہ اخلاق میں کوئی ترقی نہیں ہو رہی ہے، اس خیال میں زیادہ تر اس وقت زور ہو جاتا ہے جب وہ نیک خصلتیں معرض بحث میں آتی ہیں جن پر معاہدات کا انحصار ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ فطری طور سے یہ تسلیم کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کے لوگوں میں نیک نیتی اور اعتبار قدیم زمانہ کے لوگوں سے زیادہ تر پایا جاتا ہے، یا ہمارے معاصرین کے چال چلن میں کوئی ایسا امر موجود ہے جو قدیم دنیا کے لوگوں کی نیک چلنی کے مقابلہ میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ وہ فریب جو ہماری آنکھوں کے سامنے آتے ہیں اور جو اس سے پہلے کبھی سننے میں نہیں آئے تھے، اور جو اپنی کثرت اور محرمیت کے لحاظ سے حیرت انگیز ہوتے ہیں وقتاً فوقتاً اس میلان کو تقویت دیتے رہتے ہیں۔ مگر خود ان فریبوں کی نوعیت صاف طور سے بتا رہی ہے، کہ ان کے حیز امکان میں آنے سے پہلے، وہ اخلاقی وجہ جن کی وہ خلاف ورزیاں ہیں غیر معمولی طور سے نشوونما پا چکے تھے۔ جو اعتبار لوگوں پر کیا جاتا ہے اور جس کے بہت لوگ مستحق بھی ہوتے ہیں وہی تھوڑے سے آدمیوں کے لئے بد نیتی کے ارتکاب میں آسانی پیدا کرنے کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ پس اگر بد دیانتی کی حیرتناک مثالیں

ہمارے سامنے آتی ہیں تو ان سے اس سے زیادہ کوئی یقینی نتیجہ نہیں اخذ کیا جاسکتا کہ عام طور سے معاملات میں پوری دیانت سے کام لیا جاتا ہے، اور اسی کی وجہ سے اس خاص صورت میں مجرم کو ایسا موقعہ دستیاب ہو جاتا ہے۔ اگر ہم اخلاق کی تاریخ اصول قانون کی کتابوں میں پڑھنا چاہیں اور قانون معاہدہ نہیں بلکہ قانون تعزیری کو پیش نظر رکھیں، تو ہمیں نہایت احتیاط کے ساتھ یہ سوچنا چاہئے کہ ہم اسے صحیح طور سے پڑھ رہے ہیں یا نہیں۔ روما کے قدیم ترین قانون میں جس بددیانتی کا ذکر کیا گیا ہے وہ صرف سرقہ ہے۔ بروقت تحریر ہذا انگلستان کے قانون فوجداری میں سب سے جدید ترین فصل (۲۷۳) وہ ہے جس میں امنا کے فریب کے متعلق سزا تجویز کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مقابلہ سے یہ نتیجہ مستنت کرنا درست نہیں ہو سکتا کہ قدیم اہل روما ہم لوگوں سے بلحاظ اخلاق کے بہتر تھے؛ بلکہ جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ جو زمانہ ہمارے اور ان کے درمیان میں گزرا اس میں اخلاق کا تصور ادنیٰ درجہ سے گزر کر اعلیٰ درجہ تک پہنچ گیا ہے اور حقوق ملکیت جو سابق میں صرف مقدس (Sacred) سمجھے جاتے تھے، وہ اس وجہ سے کہ ان کا انحصار محض اعتماد پر ہے قانون فوجداری کی حفاظت کے مستحق تصور ہونے لگے ہیں۔

ابارے میں مضمین قانون کے معین نظریات بھی عام رائے سے زیادہ مقرون بہ صداقت نہیں ہیں۔ پہلے ہم روما کے مضمین کی رائے سے شروع کرتے ہیں۔ ان کی رائے اخلاق اور قانونی ترقی کی صحیح تاریخ سے بالکل مطابق نہیں ہوتی۔ ایک قسم کے معاہدات کو میں فریقین معاہدہ کا مولف اقرار جسز اعظم ہوتا تھا وہ خصوصیت کے ساتھ ”معاہدات قانون اقوام“ (juris gentium) کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ اور اگرچہ روما کے نظام قانونی میں یقیناً بہت بعد داخل ہوئے تھے، مگر جو اصطلاح ان کی نسبت استعمال ہوئی (اگر الفاظ سے کوئی مفہوم

(۲۶۴)

معنی پیدا کئے جاسکتے ہیں) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دوسرے ایسے معاہدات سے قدیم تر تھے جن کا ذکر قانون روم میں ہے، اور جن میں صرف اصطلاحی ضوابط کا متروک ہو جانا غلط فہمی اور قریب کی طرح سقوط ذمہ داری کے لئے کافی سمجھا جاتا تھا۔ مگر جس قدامت کی طرف وہ منسوب کئے جاتے ہیں وہ غیر معین، غیر مری، اور صرف ایسی تھی کہ اس کا مفہوم زمانہ حال ہی کے ذریعہ سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ اور جب مقتنین روما کی زبان اس زمانہ کی زبان ہو گئی جس میں ان کے طرز خیال کی دریافت کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا تھا اس وقت معاہدات قانون اقوام تمیز طور سے وہ معاہدات تصور ہونے لگے جس سے انسان فطری حالت سے واقف تھا۔ راسیو (Rousseau) نے قانونی اور عام یعنی دونوں غلطیوں کو اختیار کر لیا۔ اخلاق پر علوم اور فنون کے اثرات کے متعلق جو رسالہ اس نے لکھا وہ اس کی پہلی تصنیف تھی جس نے لوگوں کی توجہ اس کی طرف مبذول کرائی، اور جس میں اس نے نہایت آزادی کے ساتھ ان آراء کا اظہار کیا جن کی بنا پر وہ ایک فرقہ کا بانی سمجھا جانے لگا۔ اس میں وہ بار بار قدیم ایرانیوں کی صداقت اور دیانت کا تذکرہ کرتا ہے اور ان اوصاف کو قدیم زمانہ کی معصومیت کی خصوصیات قرار دیتا ہے جو رفتہ رفتہ تہذیب کی ترقی سے محو ہو گئے ہیں۔ ایک مدت کے بعد اس نے اپنے تمام تخیلات کی بنیاد "ابتدائی تمدنی میثاق" (Original social contract) پر قائم کی۔ جس غلطی سے ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں اس نے جو شکلیں اختیار کیں اس میں سب سے زیادہ باضابطہ شکل اسی "ابتدائی تمدنی میثاق" کی ہے۔ اس نظریہ کا اگرچہ سیاسی جذبات سے نشوونما ہوا مگر اس کی ریح رواں مقتنین کے تخیلات تھی۔ یہ یقیناً صحیح ہے کہ انگلستان کے جن مشہور لوگوں نے ابتداً اس نظریہ سے دھپسی لی وہ اس کی قدر اس وجہ سے کرتے تھے کہ وہ مخصوص طور سے سیاسی مقاصد کے لئے کار آمد تھا، مگر یہ

لوگ جیسا کہ میں آئندہ بیان کر دوں گا کبھی اس حد تک نہ پہنچتے اگر بد برا ملک عرصہ دراز سے اپنی نزاعوں میں قانونی اصطلاحات کے استعمال کے عادی نہ ہوتے۔ انگلستان کے جن لوگوں نے یہ نظریہ ایجاد کیا وہ اس کی اس خیالی دست سے بے خبر نہ تھے جس نے اہل فرانس کو اس قدر زور کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونے، اور اسے ان سے اخذ کر کے اختیار کر لینے پر آمادہ کر دیا۔ ان کے تصنیفات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس نظریہ کے ذریعہ سے نہ صرف تمام تمدنی بلکہ تمام سیاسی واقعات کی توضیح ممکن ہے۔ وہ دیکھ چکے تھے اور ان کے زمانہ ہی میں یہ تعجب کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، کہ جن بنیادی قواعد (Positive rules) کی انسان پابندی کرتے ہیں ان کا براہِ سنہ معاہدہ اور چھوٹا جزی تحکمی قوانین (Imperative Law) سے پیدا ہوتا ہے مگر اصول قانون کے ان دو اجزا کے باہمی تاریخی تعلقات سے وہ لوگ یا تو ناواقف تھے یا اس کی طرف اعتنا نہ کرتے تھے پس محض اپنے تخیلات کا مذاق پورا کرنے کے لئے تھا کہ انھوں نے تمام اصول قانون کا ماخذ ایک ہی قرار دے دیا، اور اس اعتقاد سے بچنے کے لئے کہ تحکمی قوانین خدا کے بنائے ہوئے ہیں یہ نظریہ ایجاد کیا کہ تمام قوانین کی بنیاد معاہدہ ہے۔ اگر اس زمانہ کے خیالات دوسرے رنگ پر ہوتے تو وہ اپنے نظریہ کو ایک لطیف مفروضہ یا آسانی پیدا کرنے والا زبانی مقولہ قرار دے کر مطمئن ہو جاتے مگر اس زمانہ میں قانونی ادبام کی حکمرانی تھی، اور فطری حالت کا نظریہ اس قدر زبان زد ہو چکا تھا کہ وہ بعید از قیاس نہ رہا تھا، اس لئے ”تمدنی میثاق“ کو ایک تاریخی واقعہ قرار دے کر قانون کی ابتدا معاہدہ پر ٹھہراتا اور اسے ایک مغالطہ آمیز حقیقت بنالینا بہت آسان ہو گیا تھا۔

ہمارے زمانہ کے لوگوں نے ان غلط نظریات قانونی کو بالکل ترک کر دیا ہے، کچھ تو اس وجہ سے کہ ان کی ذہنی حالت میں بہ نسبت

زمانہ سابق کے بہت کچھ ترقی ہو گئی ہے، اور کچھ اس وجہ سے کہ اس قسم کے مضامین کے متعلق نظریات قائم کرنے کا طریقہ تقریباً متروک ہو گیا ہے۔ ہمارے آبا و اجداد کی ان کوششوں کے مقابلہ میں جو وہ تمدنی حالت کی ابتدا کے متعلق قیامات قائم کرنے میں صرف کرتے تھے، اس زمانہ کے مشغول دماغ لوگوں کا دلچسپ مشغلہ یہ ہے کہ وہ اس تمدن کی جو اس وقت ان کی آنکھوں کے سامنے موجود اور حرکت میں ہے تجسزی کریں۔ مگر اس وجہ سے کہ یہ لوگ تاریخ سے مدد نہیں لیتے ان کی یہ تجسزی اکثر فضول تجسس کی صورت اختیار کر لیتی ہے، اور دریافت کرنے والے کو ان تمدنوں (۲۶۶) کی حالت سمجھنے کے ناقابل کردیتی ہے جو اس سے مختلف ہوتے ہیں اور جن کے دیکھنے کا وہ عادی ہوتا ہے۔ دوسرے زمانہ کے لوگوں کو اپنے زمانہ کے اخلاقی معیار سے جانچنا اسی طرح غلط ہے جس طرح یہ فرض کر لینا کہ موجودہ تمدن کے ہر خط و خال کا پیر تو قدیم تمدنوں میں بھی موجود تھا۔ اس قسم کے خیالات کا اثر دُور تک پھیلتا ہے، اور وہ خیالات ان تاریخی تصنیفات کی تہ میں جو زمانہ حال کے طریقہ پر کی جاتی ہیں مضر ہو جاتے ہیں۔ مگر میں تو ان کے آثار اصول قانون کے حدود میں ان تعریف میں بھی پاتا ہوں جو ماسکی (Montesquieu) کی ایک چھوٹی سی حکایت کی کی جاتی ہے جو اس نے ”پریس کے خطوط“ (”Lettres persanes“) میں قوم ”ٹروگلو ڈائٹ“ (Troglydites) کی نسبت لکھی ہے۔ یہ قوم اپنے معابدات کی خلاف ورزی کی عادی تھی اور یہی اس کی تباہی کی وجہ ہوئی۔ اگر اس حکایت سے وہی اخلاقی نتیجہ نکالنا منظور ہے جو اس کے مصنف کے پیش نظر تھا، اور وہ اس ”خلاف تمدن الحاد“ (Anti-social heresy) پر اعتراض کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے جس کے عام ہو جانے کا اندیشہ گذشتہ اور موجودہ صدی میں تھا، تو اس کی نسبت کسی اعتراض کی گنجائش

نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ مستنبط کرنا کہ جب تک معاہدات اور
 اقرارات کی وہ توقر اور عظمت نہ کی جاتی جو پورے ترقی یافتہ زمانہ
 میں کی جاتی ہے تو تمدن قائم نہیں رہ سکتا تھا، سخت غلط ہوگا۔
 اور اس سے قانونی تاریخ کا صحیح طور سے سمجھ میں آنا محال ہو جائے گا۔
 حقیقت حال یہ ہے کہ قوم ٹرو کیلو ڈاٹ باوجودیکہ وہ معاہدات کی
 تکمیل کی طرف بہت کم توجہ کرتی تھی خوب پھلی پھولی اور اس نے
 بہت سی قوی حکومتیں قائم کیں۔ ابتدائی تہذیبوں کی ترکیب میں سب
 سے پہلے سمجھنے کے قابل یہ بات ہے کہ منفرد شخص اپنے لئے اس قدر
 کم حقوق اور فرائض پیدا کرتا ہے کہ وہ بمنزلہ نہ ہونے کے ہوتے ہیں
 جن احکام کی وہ پابندی کرتا ہے ان کا ماخذ اولاً وہ تمدنی حیثیت (۲۵۷)
 ہے جس میں وہ پیدا ہوتا ہے، اس کے بعد ان اوامر اور احکام کا مرتبہ
 ہے جو اسے اس خاندان کے سردار سے ملتے ہیں جس کا وہ ایک رکن
 ہوتا ہے۔ ایسے سلسلہ انتظام میں معاہدات کی بہت ہی کم گنجائش باقی
 رہ جاتی ہے۔ ایک ہی خاندان کے ارکان (کیونکہ شہادت موجودہ سے
 یہی نتیجہ نکلتا ہے) باہم معاہدہ کے بالکل ناقابل ہوتے ہیں، اور خاندان
 کو یہ حق ہے کہ وہ ایسے معاہدات کا مطلق لحاظ نہ کرے جن کے ذریعہ
 سے اس کے ماتحت ارکان نے اسے پابند کرنے کی کوشش کی ہو۔ یہ
 صحیح ہے کہ خاندان خاندان کے ساتھ اور سردار سردار کے ساتھ معاہدہ
 کر سکتا ہے، مگر یہ معاملہ نوعیت اور تعداد مراسم کے لحاظ سے انتقال
 جائداد کی طرح ہوتا ہے، اور اس کی تعمیل میں مراسم کے ایک ذرہ کا
 متروک ہو جانا بھی سقوط وجوب کے لئے کافی ہے۔ یہ تائیدی فرض ہے
 ایک شخص کی بات پر بھروسہ کیا جائے تہذیب کی تدریجی ترقی کا نتیجہ
 ہے۔

نہ قدیم قانون اور نہ کسی دوسری شہادت سے اس کا پتہ چلتا ہے
 کہ تمدن کسی وقت بھی معاہدہ کے تصور سے بالکل نا آشنا تھا۔

لیکن جب پہلی مرتبہ اس کا انکشاف ہوتا ہے تو وہ نہایت ابتدائی حالت میں پایا جاتا ہے کوئی معتبر قدیم نوشتہ اٹھاکر دیکھو تو صاف طور سے نظر آتا ہے کہ اس ذہنی جبلت نے جو ہمیں ایفائے وعدہ کی ترغیب دیتی ہے ابھی تک کامل نشوونما نہیں پایا ہے، اور ایسے افعال جو صریح دغا بازی میں داخل ہیں اکثر بغیر کسی الزام اور بعض اوقات تعریف کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں۔ ہومر کے تصنیفات کو بطور مثال کے لیجئے اس میں یولیسیس کی دغا بازانہ چالاکی، نسطر کی دور اندیشی، ہکٹر کی مستقل مزاجی، اور ایکیلیر کی بہادری کی طے قابل تعریف ہے۔ قدیم قانون اس سے بھی زیادہ اس فرق کو ظاہر کرتا ہے جو معاہدہ کی ناقص اور کامل شکل میں پایا جاتا ہے۔ ابتدا میں اقرار کی تکمیل کے لئے قانون کی مداخلت مطلق نہیں نظر آتی۔ قانون جس امر کی تائید کرتا ہے وہ محض اقرار نہیں، بلکہ وہ اقرار ہے جو باضابطہ مراسم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ مراسم اہمیت میں نہ صرف اقرار کے مساوی بلکہ اس سے بھی بڑھے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ وہ نازک اور باریک ذہنی حالت جسے کامل ہول قانون کسی خاص زبانی وعدہ کا منبع قرار دیتا ہے، قدیم قانون میں الفاظ اور ان حرکات کی طرف منتقل کردی جاتی ہے جو اس عمل کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔ کوئی اقرار قابل تکمیل نہیں ہو سکتا اگر ایک رسم بھی چھوٹ جائے یا غلط طور سے ادا ہو۔ برخلاف اس کے اگر یہ ظاہر ہو کہ تمام مراسم ٹھیک طور سے ادا ہوئے ہیں تو یہ عذر مطلق کارگر نہیں ہو سکتا کہ وعدہ جبریا فریب سے چل گیا تھا۔ اس قدیم نظریہ کا بہ تبدیل شکل معاہدہ کے متبادلہ تصور میں منتقل ہو جانا اصول قانون کی تاریخ میں صاف طور سے نظر آتا ہے۔ پہلے ان مراسم میں سے بعض رسمیں ترک کردی جاتی ہیں، بعدہ بعض رسموں میں آسانی کردی جاتی ہے، یا خاص خاص حالتوں میں انھیں ترک کر دینے کی اجازت ہوتی ہے، اور آخر میں چند خاص معاہدات ایسے منتخب کر لئے جاتے ہیں جنکے

عمل میں آنے کے لئے کسی رسم کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ یہ منتخب بہت
وہی ہوتے ہیں جن پر تمدنی میل جول کی سرگرمی اور قوت منحصر ہوتی
ہے۔ مہمود ذہنی، تدریج مگر نہایت واضح طریقہ سے اپنے آپ کو اصطلاحی
کارروائیوں سے آزاد کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہی اصل
اصول رہ جاتا ہے، جس پر مصنفان قانون کی تمام تر توجہ مبذول رہتی
ہے۔ اس مہمود ذہنی کو جس کا اظہار بیرونی افعال سے ہوتا تھا اہل
روما عہد یا پیمان (Pact or Convention) کے نام سے موسوم کرتے
تھے۔ اور جب ایک مرتبہ یہ عہد و پیمان معاہدہ کا منظر قرار پایا تو ترقی
پذیر اصول قانون کا رجحان اس طرف ہوا کہ وہ رسوم اور اشکال کے
بیرونی خول کو توڑ کر پھینک دے۔ اس کے بعد جو کچھ رسوم باقی رہ
گئے وہ صداقت معاملہ کے ضامن، اور احتیاط اور غور کے لفظ ہیں
اس طور سے معاہدے کا تصور حد کمال تک پہنچ گیا، یا اگر اہل روما
کی اصطلاح سے کام لیا جائے تو یوں کہنا چاہئے کہ معاہدات، عہد و
پیمان میں جذب ہو گئے۔

(۲۶۹)

قانون روما میں جس طریقہ سے یہ تبدیلی ہوئی اس کی تاریخ
بے حد سبقت آموز ہے۔ فن اصول قانون کے آغاز ہونے کے زمانہ میں
جو لفظ معاہدہ کی جگہ استعمال ہوتا تھا اسے وہ طالب علم جو تاریخی
لاطینی کے طرز تحریر سے واقف ہیں بخوبی جانتے ہیں۔ وہ لفظ "نیزم"
(Nexum) تھا اور فریقین معاہدہ نیزی (Nexi) کہلاتے تھے۔ یہ اصطلاحات
اس استعارہ کے غیر معمولی طور سے باقی رہنے کی وجہ سے جس پر وہ قائم ہیں خالص توجہ کے
قابل ہیں۔ اس تصور کا اثر کہ فریقین معاہدہ باہم ایک مضبوط سلسلہ یا
زنجیر میں جکڑے ہوتے ہیں اخیر تک اہل روما کے معاہدات کے
اصول قانون پر پڑتا رہا، اور وہیں سے نکل کر موجودہ خیالات میں
داخل ہوا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس "نیزم" یا زنجیر کا
منشاء اور مفہوم کیا ہے۔ اس کی جو تعریف ایک قدیم رومی مصنف سے

ہم تک پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ ”نیزم ہر ایسا معاملہ ہے جو سک اور ترازو کے ساتھ عمل میں آئے“ ان الفاظ نے اس معاملہ میں بے حد الجھن پیدا کر دی ہے۔ سک اور ترازو کا عمل انتقال جائداد کا مشہور اور معروف ذریعہ تھا۔ یہ ایک قدیم رسم تھی جسے ہم گزشتہ فصل میں بیان کر چکے ہیں، اور جس کے ذریعہ سے اہل رویا کی اعلیٰ جائداد کا حق ملکیت ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو جاتا تھا۔ اسی عمل کے حوالے سے جس سے جائداد منتقل ہوتی تھی معاملہ کو پیچیدہ کر دیا ہے، کیونکہ تعریف مذکورہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاہدات اور انتقالات باہم ملاوئے گئے ہیں، جو اصول قانون کے فلسفہ میں نہ صرف علیحدہ رکھے جاتے ہیں، بلکہ حقیقت میں ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ حق تمیمی (jus in re) یعنی وہ حق جو تمام عالم کے مقابلہ میں قابلِ نفاذ، یا حق مالکانہ ہے، ترقی یافتہ اصول قانون کے تجزی کرتے والے کے نزدیک حق تخصیصی (jus ad rem) یعنی اس حق سے جو صرف ایک شخص یا ایک جماعت کے مقابلہ میں قابلِ نفاذ، یا وجوب ہے بالکل علیحدہ ہے۔ انتقالات سے حقوق مالکانہ منتقل ہوتے ہیں، اور معاہدات وجوب پیدا کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ دونوں کس طرح ایک نام سے موسوم کیے جاسکتے یا ایک تصور میں داخل ہو سکتے ہیں؟۔ یہ وقت مثل اسی قسم کی دوسری وقتوں کے، اس غلطی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ ایک غیر مذہب تمدن میں وہ ذہنی حالت فرض کر لی جاتی ہے جو ذہنی ارتقا کے اعلیٰ مراتب کے لئے مخصوص ہے؛ یعنی ایسی ذہنی حالت جو تصور میں ان خیالات کو جو عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط ہوتے ہیں تمیز کرتی ہے۔ ہمیں صاف طور سے ایسی تمدنی حالت کا پتہ چلتا ہے جس میں انتقالات اور معاہدات عملی طور سے باہم مخلوط تھے، اور ان تصورات کی غلطیوں کا اس وقت تک احساس نہیں ہوا جب تک لوگوں نے معاہدات اور انتقالات کا علیحدہ علیحدہ طریقہ کار نہ دیکھا

اختیار نہیں کیا۔

ہم اس موقع پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں روما کے قدیم قانون کا اس قدر علم ہے کہ ہم آغاز اصول قانون کے زمانہ کی اس تبدیلی کے متعلق ایک خیال قائم کر سکتے ہیں جس کے بعد قانونی تصورات اور قانونی اصطلاحات میں تغیر واقع ہوا۔ جو تبدیلی ان تصورات اور اصطلاحات میں ہوئی وہ عمومیت سے خصوصیت کی طرف تھی، یا یوں کہو کہ قدیم تصورات اور قدیم اصطلاحات دونوں تدبیری تخصیص کے زیر اثر آگئے۔ زمانہ قدیم کا ایک قانونی تصور زمانہ حال کے ایک قانونی تصور سے نہیں، بلکہ چند تصورات کے مجموعہ سے مطابقت ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک قدیم قانونی اصطلاح ان مختلف اشیاء پر حاوی ہے جنہیں موجودہ زمانہ کے قوانین میں علیحدہ علیحدہ نام دیئے گئے ہیں۔ اگر اصول قانون کی تاریخ کی دوسری منزل پر غور کیا جاتا ہے، تو ہمیں صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ ماتحت تصورات رفتہ رفتہ اپنی قدیم جگہ چھوڑتے جاتے ہیں، اور قدیم عام نام مخصوص ناموں سے دیتے جاتے ہیں۔ قدیم عام تصورات بالکل تھو نہیں ہو جاتے، مگر منجملہ ان قدیم مفہومات کے جن پر وہ حاوی تھے صرف چند پر حاوی رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح قدیم اصطلاحیں بھی باقی رہتی ہیں، مگر منجملہ ان کاموں کے جو ان سے ایک زمانہ میں لئے جاتے تھے صرف ایک ہی کام لیا جاتا ہے۔ اس کیفیت کی مثالیں مختلف طریقہ سے پیش کی جاسکتی ہیں، مثلاً بزرگ خاندان کے تمام اختیارات ایک نوع کے سمجھے جاتے تھے اور ان کا صرف ایک نام تھا۔ جو اختیار مورث استعمال کرتا تھا وہ ایک ہی تھا خواہ وہ خاندان، یا مادی اشیاء یعنی گلوں، مندوں، غلاموں، بچوں یا بیوی کے متعلق ہو۔ ہمیں اس اختیار کا رومی نام یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہے، مگر اس کے باور کرنے کے لئے قوی وجہ موجود ہیں کہ اس کے لئے قدیم عام لفظ "مینس" (Manus) تھا، کیونکہ جہاں کسی اختیار کے

تصور کا پرتو نظر آتا ہے وہاں بار بار اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ مگر قانون روما میں تھوڑی سی ترقی ہو جانے کے ساتھ ہی یہ نام اور اس کا تصور مخصوص ہو گیا۔ اختیار میں بلحاظ اس شے کے جس پر وہ استعمال کیا جاتا تھا الفاظ اور تصور میں فرق کیا جانے لگا۔ جب اس کا استعمال مادی اشیاء اور غلاموں پر ہوتا تھا تو وہ "ڈومینیئم" (Dominium) ہوتا تھا، جب اولاد پر استعمال ہوتا تھا تو "پوٹسٹاس" (Potestas) اور جب (۲۸۲) ان آزاد لوگوں سے متعلق ہوتا تھا جن کی خدمات ان کے والدین دوسروں کی طرف خدمت گزاری کے لئے منتقل کر دیتے تھے تو وہ "مینوسیپیم" (Mancipium) اور جو بیوی پرستعمل ہوتا تھا تو "مینس" (Manus) ہو جاتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ قدیم لفظ بالکل نارائج نہیں ہو گیا ہے، بلکہ جن مفہوم پر وہ پہلے حاوی تھا ان میں سے بعض کے لئے مخصوص ہو گیا ہے۔ معاہدات اور منتقلات میں جو تاریخی تعلق ہے اس کی نوعیت کے سمجھنے میں ہمیں اسی تیشیل سے مدد ملے گی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں تمام اہم اور باضابطہ معاملات میں ایک ہی قسم کے مقررہ مراسم ادا ہوتے تھے اور بظاہر ان کا نام روما میں "نیزم" (Nexum) تھا۔ اور انتقال جائداد کے وقت جو مراسم عمل میں آتے تھے وہی انعقاد معاہدات کے وقت بھی ادا ہوتے تھے مگر اس پر زیادہ زمانہ نہ گزرنے پایا تھا کہ وہ وقت آ گیا جس میں معاہدہ کا تصور انتقال کے تصور سے علیحدہ ہو گیا۔ اس طور سے دہری تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ "سکہ اور ترازو" کی کارروائی سے جب انتقال جائداد مقصود ہوتا تھا تو اس کا جدید اور مخصوص نام "مینسی پنیشن" (Mancipation) رکھا جاتا تھا۔ اور "نیزم" (Nexum) کا قدیم نام انھیں مراسم کی طرف اشارہ کرتا تھا مگر اسی صورت میں جب کہ انعقاد معاہدہ کی مخصوص غرض سے مراسم مذکور عمل میں لائے جاتے تھے۔ جب دو یا تین قانونی تصورات کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ

قدیم سے باہم مخلوط ہو کر ایک ہو گئے ہیں، تو اس کا یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے قدیم نہیں ہے، یا یہ کہ ان کے قیام کے بعد ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ کہ ایک قانونی تصور اتنے عرصہ تک کیوں مختلف تصورات پر حاوی رہتا ہے اور ایک اصطلاحی فقرہ بجائے چند فقرات کے کیوں مستعمل ہوتا ہے، یقیناً یہ ہے کہ ابتدائی تمدنوں کے قوانین میں جو عملی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں انھیں لوگ ایک عرصہ کے بعد محسوس کرتے یا ان کو کسی نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اگرچہ میں قبل ازیں یہ کہہ چکا ہوں کہ ابتدائی خاندان کے بزرگوں کے اختیار میں بلحاظ ان اقسام کے جن کے متعلق وہ اختیار مستعمل ہوتا تھا کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا، مگر مجھے اس کا یقین ہے کہ جو اختیار انھیں اپنی اولاد کے متعلق حاصل تھا وہی اختیار کے تصور کا اصل اصول ہے۔ اور مجھے اس میں مطلق شک نہیں کہ ”نیزم“ (Nexum) کا قدیم ترین اور مخصوص استعمال ان لوگوں کے ذہن میں جو اسے کام میں لاتے تھے یہی تھا کہ وہ انتقال جائداد کی کارروائی کو باضابطہ کر دیں۔ قیاس غالب یہی ہے کہ ”نیزم“ کا اسے اصلی مقاصد سے کسی قدر منحرف ہو جانا ابتداءً اس کے معاہدات مستعمل ہونے کا باعث ہوا اور چونکہ یہ تبدیلی خفیف تھی اس لیے ایک عرصہ تک اس کا احساس نہ ہوا اور نہ اس کی طرف توجہ کی گئی۔ اور قدیم نام اس وجہ سے باقی رہ گیا کہ لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہوا کہ انھیں جدید نام رکھنے کی ضرورت ہے۔ دماغوں میں وہی قدیم تصور جاری رہا کیونکہ کسی شخص کو تکلیف اٹھا کر اس کی جانچ اور پرتال کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ وصیت ناموں کی تاریخ میں ہم اس عمل کی مثال صاف طور سے دیکھ چکے ہیں۔ ابتدا میں وصیت صرف انتقال جائداد کا نام تھا۔ جو عملی پڑا اختلاف اس میں اور دوسرے انتقالات میں تھا وہ رفتہ رفتہ ظاہر ہوتا گیا، اور

وہی اس انتقال کے علاوہ قرار دیے جانے کا باعث قرار پایا۔ باوجود اس کے بھی صدیوں کے بعد مصلحان قانون فرضی انتقال کے بیکار مرہم کو دور کر کے اس پر اتفاق ہوئے کہ وصیت میں سوائے موصی کے مہج مقاصد کے اور کوئی امر قابل توجہ نہیں ہے۔ یہ امر قابل افسوس ہے کہ ہم معاہدات کی ابتدائی تاریخ و لسی صاف نہیں پاتے جیسی کہ وصیت کی تاریخ ہے، تاہم اس کے علامات اور اشارات موجود ہیں کہ ”نیزم“ کے جدید اشتغال سے ابتداء معاہدات پیدا ہوئے، اور اس تجربہ کے اہم علی نتائج نے بعد اُن میں جداگانہ معاملات کی حیثیت پیدا کر دی اس عمل کے مفصلہ ذیل خاکہ میں بے شک قیاس سے کام لیا گیا ہے، لیکن وہ قیاس بہت زیادہ بعید نہیں ہے۔ ”نیزم“ کی ایک معمولی صورت فرض کرو جس میں بیع بمقابلہ زر نقد کے عمل میں آرہی ہے بائع وہ مال لاتا ہے جسے وہ فروخت کرنا چاہتا ہے، ”فرض کرو کہ وہ غلام ہے، مشتری تانے کی اُن گھڑ سلاخیں لاتا ہے جو سک کی جگہ کام دیتی ہیں، اور ایک لادبی کارکن اپنا ترازو لے کر حاضر ہوتا ہے۔ غلام مقررہ رسوم ادا ہو جانے کے بعد مشتری کے حوالے کر دیا جاتا ہے، ترازو کش تانبا تولتا ہے اور وہ بائع کو دیدیا جاتا ہے۔ جب تک یہ معاملہ ہوتا رہا اس کا نام ”نیزم“ اور اس کے فریقین ”نیزی“ (Nexi) تھے، مگر معاملہ کے تمام ہونے کے ساتھ ہی ”نیزم“ کا بھی خاتمہ ہو گیا اور فریقین معاملہ کا وہ نام باقی نہ رہا جو اس عارضی تعلق سے پیدا ہو گیا تھا۔ اب ہمیں تجارتی تاریخ میں ایک قدم اور آگے بڑھانے دو، یعنی یہ فرض کرو کہ غلام منتقل ہو گیا مگر قیمت ادا نہ ہوئی۔ اس صورت میں جہاں تک کہ بائع کا تعلق ہے ”نیزم“ کا خاتمہ ہو گیا اور اپنا مال حوالے کر دینے کے بعد وہ ”نیزس“ (Nexus) باقی نہ رہا لیکن مشتری کا ہنوز ”نیزم“ سے چھٹکارا نہیں ہوا، معاملہ کا جہاں تک کہ اس سے تعلق ہے غیر مکمل ہے اور وہ ابھی تک

”نیز“ ہے۔ اس سے جو کچھ مستنبط ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ اس انتقال کے لئے جس کے ذریعہ سے حق جائیداد منتقل ہو گیا، اور مدیون کی غیر موادی قیمت کی ذاتی ذمہ داری کے متعلق، ایک ہی اصطلاح مشتمل ہوئی ہے۔ ہم اس سے بڑھکر ایک ایسی باضابطہ کارروائی کا ذہنی خاکہ کھینچ کر جس میں نہ کوئی شے حوالے کی جاتی ہے اور نہ کوئی قیمت ادا ہوتی ہے، فوراً بیع کے معاہدات تفصیل طلب (Executory Contract of Sale) تک پہنچ جاتے ہیں، جو تجارتی کاروبار کی اعلیٰ درجہ کی سرگرمی کی علامتیں ہیں۔

(۲۵۵)

اگر یہ سچ ہے کہ ”معاہدات“ کے متعلق ایک زمانہ تک عام اور اہل فن کی یہی رائے تھی کہ وہ ”نامتام انتقالات“ (incomplete Conveyances) ہیں تو یہ سچائی مختلف وجوہ سے خاص توجہ کے قابل ہے۔ گزشتہ صدی میں جو خیالات انسان کی فطری حالت کے متعلق قائم ہوئے ان کا خلاصہ اس مقولہ میں ایک حد تک صحیح طور سے موجود ہے کہ ”ابتدائی تمدن میں جائیداد کچھ نہ تھی جو کچھ تھا وہ وجوہ سبب (Obligation) ہی تھا“ اگر اب یہ معلوم ہوگا کہ اگر یہ مقولہ الشکر بیان کیا جائے تو زیادہ تر حقیقت کے قریب ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر انتقالات اور معاہدات کے ابتدائی اختلاط پر بلحاظ تاریخ نظر ڈالی جائے تو اس سے وہ معاملہ ہو جاتا ہے جو اکثر فضلاء اور محققین کو حیرت میں ڈال دیتا ہے، اس سے میری مراد وہ غیر معمولی اور متواتر سختی ہے جو ہر قدیم نظام قانونی میں مدیونوں پر جائز رکھی گئی ہے، اور وہ حد سے متجاوز اختیار ہے جو دائتین کو دیا گیا ہے۔ جب ہماری سمجھ میں یہ آگیا کہ مدیون کو حلت دینے کے لئے ”نیز“ میں مصنوعی طور سے توسیع کردی گئی تھی، تو عامہ خلافت اور قانون کی نگاہ میں مدیون کی جو حیثیت ہوگی اسے ہم یہ آسانی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے ذمے قرض کا باقی رہ جانا ایک قسم کی بے ضابطگی، اور ادائے

قیمت کا ملٹوی کر دیا جانا عام طور سے ایک چال اور صحیح قاعدہ کی خلاف ورزی سمجھی جاتی تھی۔ برخلاف اس کے معاملہ میں جو شخص اپنے ذمہ کا فرض ادا کر چکا تھا وہ خاص طور سے موقر تصور ہوتا تھا؛ اور اس سے زیادہ کیا امر فظری ہو سکتا تھا کہ اسے ایسے معاملہ کی تکمیل کے لئے جس میں بلحاظ صحیح استحقاق کے کسی قسم کی توسیع یا التوا کی گنجائش نہ تھی، صریح آسانیاں عطا کی جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ ”نیزم“ جس سے ابتدا میں صرف انتقال جائداد کا مفہوم پیدا ہوتا تھا نادانستہ طور سے (۲۸۶) معاہدہ کے لئے بھی مستعمل ہونے لگا، اور بالآخر اس لفظ اور معاہدہ کے تصور میں ایسا منتقل تعلق ہو گیا کہ صحیح ”نیزم“ یا ایسے معاملہ کے لئے جس میں فی الحقیقت جائداد منتقل ہوتی تھی ایک خاص اصطلاح ”مینوسیپیم“ یا ”مین سی پشیو“ کا استعمال جائز قرار پایا۔ اب معاہدات انتقالات سے علیحدہ ہو گئے اور ان کی تاریخ کی پہلی منزل طے ہو چکی، مگر اب بھی وہ (معاہدات) اپنی ترقی کے اس زمانہ سے بہت دور ہیں جبکہ ایک معاہدہ کا وعدہ ان مراسم سے جو اس کے ساتھ ادا کیے جاتے تھے زیادہ تر وسیع سمجھا جاتا تھا۔ اس عرض مدت میں جو تبدیلیاں ہوئیں انکی نوعیت کے اظہار کی کوشش میں ہمیں ایک حد تک ایسے معنوں کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے جسے صحیح طور سے کتاب ہذا سے کچھ تعلق نہیں، یعنی معاہدہ کی اس تجزی کی طرف جو اہل روما کے متفہنین نے کی تھی۔ اُن تجزی میں ان کی دانشمندی کی سب سے زیادہ دلکش یادگار بلا مبالغہ یہ ہے کہ انھوں نے عہد و پیمان سے وجوب کو اصولاً الگ رکھا۔ نتیجہ اور میسٹرسٹن نے معاہدہ کے دو لازمی اجزاء حسب ذیل قرار دیئے ہیں؛ اول یہ کہ فریق معاہدہ کا ایک فعل کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق جس کا وہ وعدہ کرتا ہے اپنے ارادہ کا اظہار۔ دوسرے موعودہ کی طرف سے اس امر کا اظہار کہ وعدہ کرنے والے فریق کی طرف سے جو وعدہ کیا گیا ہے اس کے ایفا کا وہ منتظر ہے۔ یہ اہل روما

کے مقنین کے اصول کے بالکل مطابق ہے، مگر ان کی نظریں ان ”اظہارات“ کے نتائج معادلات کی حد تک نہیں پہنچتے تھے، بلکہ صرف عہد و پیمان منفرد اشخاص کے باہمی وعدوں کا اعلیٰ تشریح تھا، مگر وہ بیٹا کی حد سے صریحاً گرا ہوا تھا۔ ان کا بالآخر معاہدہ کی شکل میں منتقل ہو جانا اس سوال پر منحصر تھا کہ آیا قانون ان پر وجوب عائد کرتا ہے یا نہیں۔ پس معاہدہ، عہد و پیمان اور اس کے ساتھ وجوب کا نام تھا جب تک عہد و پیمان کے ساتھ وجوب نہ ہوتا تھا، وہ ”عریاں“ کہلاتا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ وجوب کیا ہے۔ روما کے مقنین اس کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

”دو یا زیادہ اشخاص میں وہ قانونی تعلق ہے جو ان میں سے چند یا کسی ایک شخص کو دوسرے کے فائدہ کے لئے کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا پابند کرتا ہے“

اس تعریف سے وجوب اور ”نیزم“ میں اس مشترکہ استعارہ کی وجہ سے جس پر ان کی بنیاد قائم ہے ایک تعلق پیدا ہو جاتا، اور ایک مخصوص تصور کا شجرہ واضح طور سے آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ وجوب وہ ”سلسلہ“ یا ”زنجیر“ ہے جس کے ذریعہ سے قانون دو اشخاص یا دو جماعتوں کو بعض اختیاری افعال کی بنا پر باہم باندھ دیتا ہے۔ جن افعال سے وجوب پیدا ہوتا ہے وہ خاص کر وہی ہیں جو معاہدہ اور جراثیم اور عہود اور افعال ناجائز کے تحت میں داخل ہوتے ہیں، اگرچہ اور مختلف قسم کے افعال اسی قسم کے نتائج پیدا کرتے ہیں، مگر وہ ٹھیک طور سے کسی تقسیم میں نہیں آ سکتے۔ یہ بھی بتا دینا ضرور ہے کہ عہد و پیمان میں وجوب کسی اخلاقی ضرورت سے عائد نہیں ہوتا، بلکہ قانون اپنی قوت سے اس کے ساتھ شریک کر دیتا ہے۔ اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے؛ کیونکہ زمانہ حال کے قانون ملک کے

بعض شارحین نے جنہیں اپنے اخلاقی اور طبی نظریات کی تائید منظور تھی ایک دوسرے اصول بنایا ہے۔ اہل روما کے قانون معاہدہ اور بیضا بطی کے ہر جہ میں دو اشخاص کے درجہ قانونی (Vinculum juris) کی تصویر اپنے پورے رنگ میں نظر آتی ہے۔ قانون نے فریقین کو باہم جسکا دیا ہے اور یہ زنجیر صرف حل (Solutio) کے عمل سے ڈھیلی ہو سکتی ہے (۲۸۸) یہ اصطلاح بھی استعارہ سے خالی نہیں، جو کبھی کبھی اور اتفاقہ طور سے ہمارے لفظ ”ادائی“ کے مرادف ہو جاتی ہے۔ جس تواتر کے ساتھ یہ شبہی تصویر ہمارے سامنے لائی جاتی ہے، اس سے اہل روما کی قانونی زبان کی ایک ایسی خصوصیت کی تشریح ہوتی ہے جو بغیر اس کے سخت غلطیوں میں ڈالنے والی تھی، یعنی یہ کہ وجوب میں حقوق اور فرائض دونوں داخل ہیں جیسے قرض کے وصول پانے کا حق اور اس کے ادا کرنے کا فرض۔ اہل روما نے درحقیقت یہ ”قانونی سلسلہ“ پیش نظر رکھا ہے اور اس کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں ہونے دیا ہے۔

اہل روما کے نشو و نما یافتہ قانون کی رو سے عہد و پیمان میں تکمیل کے ساتھ ہی وجوب کا اضافہ ہو جاتا تھا جو اسے معاہدہ کی حد تک پہنچا دیتا تھا؛ اور یہی وہ مقصد تھا جس کی طرف قطعی طور سے قانون معاہدہ کا رجحان تھا۔ لیکن موجودہ تحقیقات کے مقاصد کے لیے ہمیں خصوصیت کے ساتھ اس درمیانی منزل کی طرف توجہ کی ضرورت ہے، جس میں کامل اتفاق کے علاوہ وجوب عاید ہونے کے لیے کسی اور شے کی بھی ضرورت تھی۔ یہ زمانہ وہی زمانہ ہے جس میں معاہدات کی چار رومی مشہور قسموں زبانی، تحریری، تصدیقی، اور بترضی طریقین کا رواج ہو گیا تھا۔ اور اس زمانہ میں معاہدہ کی بھی چار صورتیں ایسی تھیں جن کی تکمیل قانون کے ذریعہ سے کرائی جاسکتی تھی۔ اس اصول کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد جس نے عہد و پیمان سے وجوب

کو جدا کر دیا تھا اس چہار گانہ تقسیم کے معنی بہ آسانی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ معاہدہ کی ہر قسم کا نام ان مراسم کے لحاظ سے رکھا گیا تھا جن کی ضرورت فریقین کے اتفاق کے علاوہ محسوس کی جاتی تھی۔ زبانی معاہدہ میں عہد و پیمان ہو جانے کے بعد چند الفاظ زبان سے کہنے پڑتے تھے، اور ان کے ادا ہونے کے بعد اس پر وجوب قانونی عائد ہوتا تھا۔ تحریری معاہدہ میں معاہدہ کا لکھنا یہی میں درج ہو جانا اس میں وجوب پیدا کر دیتا تھا۔ اسی طرح حقیقی معاہدہ میں اس شے کے حوالہ کر دینے سے جس کے متعلق ابتدائی قرار داد ہوئی تھی وجوب پیدا ہوتا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر صورت میں فریقین میں ایک سمجھوتا ہو جاتا تھا، لیکن اگر وہ اس سے آگے نہیں بڑھتے تھے تو کسی فریق پر کوئی وجوب عائد نہ ہوتا تھا، اور نہ کوئی فریق دوسرے فریق کو تعمیل پر مجبور کر سکتا یا خلاف ورزی عہد کی بابت دادرسی کی استدعا کر سکتا تھا۔ مگر بعض مقررہ رسوم کے ادا کرتے ہی معاہدہ مکمل ہو جاتا تھا، اور جو شکل مناسب حال تصور کر کے انھوں نے اختیار کی تھی اسی نام سے موسوم ہوتا تھا۔ اس عمل درآمد کے مستثنیات سے ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔

میں نے چاروں معاہدات کو تاریخی ترتیب سے بیان کیا ہے مگر روما کے آئین نویسوں نے ہمیشہ اس ترتیب کا اتباع نہیں کیا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ ان چاروں میں زبانی معاہدہ سب سے مقدم اور جہاں تک معلوم ہے قدیم "نیزم" کی پہلی اولاد ہے۔ قدیم زمانہ میں زبانی معاہدہ کی مختلف صورتیں رائج تھیں۔ مگر سب سے اہم اور جس کے متعلق ہمارے مصنفین نے بحث کی ہے وہی ہے جو سوال و جواب کے ذریعہ سے منعقد ہوتا تھا۔ جو شخص اقرار لیتا تھا وہ سوال کنندہ اور جو اقرار کرتا تھا وہ جواب دہندہ ہوتا تھا۔ یہ سوال و جواب وہ مزید جز تھا جسے قدیم خیالات فریقین متعلقہ کی باہمی قرار داد کے علاوہ ضروری قرار دیتے تھے،

جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں، اور وہ وجوب کے عائد کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔ قدیم ”نیزم“ نے ترقی یافتہ اصول قانون کو سب سے مقدم جو چیز دی ہے وہ زنجیر یا سلسلہ کا تصور ہے جو فریقین کو باہم ملاتا ہے، اور یہی آخر میں وجوب ہو گیا ہے۔ اس کی دوسری یادگار ان رسوم کا تصور ہے جو عہد و پیمان کے ساتھ اور ان کی توثیق کے لئے عمل میں آتی تھیں اور انھیں رسوم نے آخر میں ”شرائط معاہدہ“ کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ایک باضابطہ انتقال کا، جو کہ قدیم ”نیزم“ کی نمایاں خصوصیت تھی محض سوال و جواب کی صورت میں تبدیل ہو جانا اس سے بہت زیادہ لاینحل میثاق ثابت ہوتا جیسا کہ وہ اب ہے اگر ہماری ہدایت کے لئے اسی قسم کی روحی وصیت کی تاریخ موجود نہ ہوتی۔ اس تاریخ پر نظر ڈالنے سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ پہلے باضابطہ انتقال کس طرح کارروائی کے اس جز سے علیحدہ کر لیا گیا جس کا براہ راست متعلق معاملہ زیر بحث سے تھا، اور بعدہ کس طرح وہ بالکل ترک کر دیا گیا۔ اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ معاملہ کے متعلق جو سوال و جواب ہوتے تھے وہ ”نیزم“ کی ایک ساوی اور آسان شکل تھی۔ اور ہم یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں کہ عربہ دراز ملک ان کی نوعیت ایک اصطلاحی شکل کی رہی۔ یہ سمجھنا غلطی سے خالی نہوگا کہ قدیم روم کے مقنین نے ان مراسم کو محض اس فائدہ کے لحاظ سے پسند کیا تھا کہ جو لوگ کوئی عہد و پیمان کرنا چاہتے ہیں انھیں مزید غور و فکر کا موقع ملے۔ اس میں شک نہیں کہ ان سے یہ فائدہ بھی مقصود تھا، اور رفتہ رفتہ اس کا احساس ہو گیا تھا، مگر جو کچھ ہمیں مستند ذرائع سے معلوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ ابتداً معاہدات میں سوال و جواب محض تکمیل ضابطہ اور مراسم کے لئے مستقل ہوتے تھے۔ ہر سوال و جواب قدیم سے ایسا نہ ہوتا تھا کہ اس سے معاہدہ یا اقرار زبانی (Stipulation) منعقد ہو جائے۔ جن (۲۹۱)

سوال وجواب سے یہ اثر پیدا ہوتا تھا وہ ہر مخصوص موقع کی نوعیت کی مناسبت سے مقررہ اور اصطلاحی الفاظ میں ہوا کرتے تھے۔

قانون معاہدہ کی تاریخ ٹھیک طور سے سمجھنے کے لئے یہ امر پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اقرار زبانی کے متعلق جو سوال وجواب ہوتے تھے وہ ایک باضابطہ رسمی عمل تھا۔ ان کا موجب مزید اطمینان ہونا بعد کا خیال ہے مگر اس کے حقیقی فوائد سے چشم پوشی کرنا بھی غلطی سے خالی نہ ہوگا۔ زبانی معاہدہ کی قدیم منزلت میں اگرچہ بہت کچھ کمی آگئی تھی مگر وہ روما کے اصول قانون کے آخر عہد تک قائم رہا۔ اور ہمیں یہ فرض کر لینا چاہیے کہ اہل روما کا کوئی اصول اتنی مدت تک نہیں چل سکتا تھا جب تک کہ اس میں کوئی عملی فائدہ مضمر نہ ہوتا تھا۔ میں انگلستان کے ایک مصنف کو اس پر اظہار تعجب کرتے پاتا ہوں کہ قدیم زمانہ کے اہل روما اس قدر ضعیف ذرائع پر، تعجیل اور بے غوری سے محفوظ رہتے تھے کہ اس طرح مطمئن ہو گئے تھے

مگر اقرار زبانی (Stipulation) کے طریقہ کو بغور دیکھنے، اور یہ امر پیش نظر رکھنے کے بعد کہ ہم تمدن کی ایسی حالت سے بحث کر رہے ہیں جس میں تحریری شہادت کا بہم پہنچنا کچھ آسان نہ تھا، میرے نزدیک ہمیں اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ یہ طریقہ اگر اسی غرض سے اختراع کیا گیا تھا جو فی الحقیقت اس سے حاصل ہوئی، تو اسے حقیقی طور سے ہیچ دانشمندانہ اختراع سمجھنا چاہئے۔ جس سے وعدہ کیا جاتا تھا وہ پیش کنندہ شرائط کی حیثیت سے معاہدہ کے تمام مضمون کو سوالوں کی شکل میں پیش کرتا تھا، اور وعدہ کرنے والا ان کے جواب دیتا تھا۔ ”کیا تم وعدہ کرتے ہو کہ تم فلاں غلام مجھے فلاں مقام پر، اور فلاں دن، حوالے کر دو گے؟“ ”ہاں میں وعدہ کرتا ہوں“ اگر ہم اس پر تھوڑی دیر بھی غور کریں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ وعدہ کا مشکل سوال پیش کیا جانا فریقین معاہدہ کی فطری

حیثیت کو بدل دیتا تھا، اور سلسلہ سخن کو کامل طور سے منقطع کر کے، توجہ کو کسی خوفناک وعدہ سے سرسری طور پر گزر جانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ہم لوگوں میں زبانی وعدہ عام طور سے صرف وعدہ کرنے والے کے الفاظ سے مستنبط کیا جاتا ہے۔ لیکن رومیوں کے قدیم قانون میں ایک اور مرحلہ کاٹے ہونا قطعی طور سے لازم تھا یعنی عہد و پیمان ہو جانے کے بعد موعودہ کو ضرور ہوتا تھا کہ وہ تمام شرائط کا خلاصہ باضابطہ سوال و جواب کی شکل میں پیش کرے۔ اور اس حالت ضرورت تحقیقات میں یہی سوال و جواب اور اس کی منظوری ثابت کرنی پڑتی تھی نہ کہ وعدہ جو بجائے خود قابل پابندی نہ تھا۔ روما کے اصول قانون کے مبتدیوں کو بہت جلد اس کا احساس ہو جاتا ہے کہ یہ خفیف خصوصیت قانون معاہدہ کی اصطلاحات میں کتنا بڑا فرق پیدا کر دیتی ہے، اور یہی عام طور سے ان کے لیے سب سے پہلی سزا ثابت ہوتی ہے۔ انگریزی میں جب ہمیں کسی معاہدہ کا ذکر کرنا اور آسانی کی غرض سے اسے کسی فریق معاہدہ سے متعلق کرنا ہوتا ہے، مثلاً اگر ہم عام طور سے ”معاہدہ“ کہنا چاہیں تو ہمارے الفاظ عہد کرنے والے ہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ لیکن قانون روما کی عام زبان کا رجحان دوسری جانب ہے۔ قانون مذکور معاہدہ پر مہمودہ کی حیثیت سے نظر ڈالتا ہے؛ اور جب معاہدہ کے کسی ایک فریق کے ذکر کی ضرورت ہوتی ہے تو اس سے عموماً شرائط پیش کرنے والا (Stipulator) یعنی سوال کنندہ ہی مقصود ہوتا ہے۔ اس طور سے شرائط کے پیش کرنے کے فوائد لاطینی زبان کے مذاقیہ ناموں کی حقیقی مثالوں سے بہت اچھی طرح ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ کل بیان پڑے جائیں جس میں یہ فقرے واقع ہوتے ہیں [ایکس - گرا - پلوٹس - سیوڈولس ایکٹ - (۱) - سین (۱) - انیٹ (۲) - سین (۶) - ٹرونوس ایکٹ (۵) - سین (۲)] تو یہ معلوم

ہوگا کہ ان لوگوں کا خیال جو کسی وعدہ پر غور کر رہے ہوں کس موثر طریقہ سے ان سوالات کے ذریعہ سے وعدہ مذکور کی طرف مبذول ہو جاتا، اور ایک غیر محتاط معاملہ سے رجوع ہو جانے کے لیے کتنا بڑا موقع ملتا ہوگا۔

تحریری معاہدہ میں، جس باضابطہ فعل سے عہد و پیمان میں وجوب پیدا ہوتا تھا وہ یہ تھا کہ رقم واجب الادا، جبکہ اس کا تقنین ممکن ہو ایک بھی کھاتہ کے مد قرضہ میں مندرج ہو جائے۔ اس معاہدہ کی توسیع اہل روما کے اس خانگی دستور پر منحصر ہے کہ قدیم زمانہ میں حساب باقاعدہ اور بے حد احتیاط کے ساتھ رکھا جاتا تھا۔ قدیم قانون روما میں اور بھی چھوٹی چھوٹی تشکیلیں ہیں، مثلاً غلام کی پیدا کردہ جائداد کی نوعیت، یہ تمام تشکیلیں اسی طرح حل ہو سکتی ہیں کہ ہم یہ امر پیش نظر رکھیں کہ روما کا ایک خاندان مختلف اشخاص سے مرکب ہوتا تھا جو سختی کے ساتھ بزرگ خاندان کی نگرانی میں رہتے تھے، اور تمام خانگی آمدنی اور حریج ایک کچے چٹھے میں درج ہونے کے بعد اوقات مقررہ پر خانگی بھی کھاتہ میں منتقل کر لیا جاتا۔ تحریری معاہدہ کے متعلق جو بیانات ہم تک پہنچے ہیں ان میں بعض امور ایسے ہیں جو صاف طور سے سمجھ میں نہیں آتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اخیر زمانہ میں حساب رکھنے کا طریقہ عام نہیں رہا تھا، اور ”تحریری معاہدہ“ کے معنی ایک ایسے عہد و پیمان کے ہو گئے تھے جو قدیم مفہوم سے بالکل جدا تھا۔ اس لئے قدیم تحریری معاہدات کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آیا محض دان کے درج کھاتہ کر لینے سے وجوب پیدا ہو جاتا تھا، یا مدیون کی رضامندی یا دان کے ساتھ ساتھ خود مدیون کا بھی اپنے بھی کھاتہ میں درج کر لینا قانونی اثر پیدا کرنے کے لئے ضرور تھا۔ بہر حال یہ اصل واقعہ ثابت ہے کہ اس معاہدہ میں ایک شرط کی تکمیل سے دوسرے تمام مراسم غیر ضروری ہو جاتے تھے۔ قانون معاہدہ کی تاریخ میں تنزل کی

طرف یہ دوسرا قدم تھا۔

تاریخی ترتیب میں اس کے بعد ”حقیقی معاہدہ“ ہے جس سے اخلاقی تصورات میں بڑی ترقی کا پتہ چلتا ہے۔ جب کسی معاہدہ میں کسی نہ کسی شے کی حوالگی مقصود ہوتی تھی، اور اکثر سادے معاہدات کا یہی مقصد ہوتا ہے، تو شے مذکور کے حوالے کیے جانے کے ساتھ ہی وجوب عائد ہو جاتا تھا۔ اس نتیجہ سے معاہدہ کے قدیم تصور میں بہت بڑی تبدیلی ہو گئی ہوگی؛ کیونکہ قدیم زمانہ میں جب تنگ فریق معاہدہ اپنے عہد و پیمان کو سوال و جواب کا جامہ نہیں پہناتا تھا جو کچھ اس عہد و پیمان کے متعلق کیا جاتا تھا اسے قانون نہیں تسلیم کرتا تھا۔ جو شخص روپیہ قرض دیتا تھا وہ اس کے وصول کے لئے دعویٰ دائر نہیں کر سکتا تھا اگر اس کے متعلق باضابطہ طور سے سوال و جواب کی رسم ادا نہیں ہوتی تھی۔ لیکن حقیقی معاہدہ میں بظاہر بنائے اخلاق اس کی اجازت تھی کہ ایک فریق کی طرف سے تعمیل دوسرے فریق پر قانونی قرض عائد کر دے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اخلاقی لحاظ قانون معاہدہ کا ایک جز قرار پایا۔ پس ”حقیقی معاہدہ“ دونوں سابق الذکر معاہدوں سے اس بنا پر مختلف تھا کہ اس میں بجائے اصطلاحی مراسم اور رویوں کے خانگی عادات کے اصول اخلاق کا زیادہ تر لحاظ کیا جاتا تھا۔

اب ہم جو تھی قسم یعنی (Consensual) ”معاہدہ بتراضی طرفین“ کا ذکر کرتے ہیں جو ان میں سب سے زیادہ دلچسپ اور اہم ہے اس نام کے تحت میں چار مخصوص معاہدات داخل ہو گئے تھے اول (Mandatum) یعنی کمیشن یا ایجنسی (Societas) یعنی شرکت (Emtio Venditio) یعنی بیع (۲۹۵) اور (Locatio, Conductio) یا کرایہ اور اجرت۔ چند صفحات قبل ازیں، اس بیان کے بعد کہ معاہدہ عہد و پیمان اور اس وجوب سے مرکب ہوتا تھا جو اس پر اضافہ کر دیا جاتا تھا، میں ان افعال اور مراسم کا ذکر کر چکا ہوں جن کے ذریعہ سے قانون عہد و پیمان

پر وجوب عاید ہونے کی اجازت دیتا تھا۔ میں نے یہ طرز بیان عموماً
 کے لحاظ سے اختیار کیا ہے، مگر وہ پورے طور سے ٹھیک نہیں کہا
 جاسکتا، جب تک یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ اثبات اور منہی دونوں پر
 حاوی ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت معاہدات بتراضی طرفین کی خصوصیت
 یہ ہے کہ ان کے عہد و پیمان سے پیدا ہونے کے لیے کسی قسم کے دھم
 کی ضرورت نہیں واقع ہوتی۔ اس قسم کے معاہدات کے متعلق بہت
 کچھ لکھا گیا ہے جس کے واسطے نہ کوئی مقبول دلیل موجود ہے اور
 نہ وہ صاف طور سے سمجھ میں آتا ہے۔ ان کی نسبت یہ بھی کہا جاتا
 ہے کہ ان میں فریقین کی رضامندی کا اظہار بہ نسبت دوسرے قسم
 کے معاہدات کے زیادہ تر قوت کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن لفظ تراضی
 (Consensual) سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ
 اس صورت میں وجوب فوراً رضامندی کے ساتھ ہی عائد ہو جاتا ہے۔
 اس معاملہ میں طرفین کی رضامندی سب سے اہم اور اس کا خاتم
 جز ہوتی ہے؛ اور جو معاہدات اس کی ضمنی تقسیم یعنی بیع، شرکت
 ایجنسی، یا کرایہ کی ایک مد میں داخل ہوتے ہیں ان کی خصوصیت یہ
 ہے کہ جب فریقین کی رضامندی سے وہ جُز ہوا ہو جاتا ہے تو
 معاملات مذکور فوراً معاہدہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور طرفین
 کی رضامندی فوراً وجوب کے عاید ہو جانے کا باعث ہو جاتی ہے، اور
 ان معاملات میں وہ کام دیتی ہے جو دوسرے معاہدات میں حوالگی شدہ
 سوال و جواب، یا اندراج، بھی کھاتہ سے لیا جاتا ہے۔ اس لئے (۲۹۶)
 تراضی طرفین کی اصطلاح میں ذرا سی بھی بے ترتیبی نہیں ہے، بلکہ وہ
 ٹھیک طور سے حقیقی، زبانی، اور تحریری اصطلاحات کے مطابق ہے۔
 زندگی کے کاروبار میں تمام معاہدات سے زیادہ تر عام اور
 اہم وہ چار معاہدات ہیں جو تراضی طرفین کے نام سے موسوم کئے گئے
 ہیں۔ ہر قوم کی مجموعی زندگی کا بڑا حصہ خرید و فروخت، اجرت کی

داد و ستد، کاروبار کی شرکت، اور باہم منتقلات اختیارات کے معاملات میں صرف ہوتا ہے۔ اور اسی خیال نے اہل روما کو دوسری قوموں کی طرح، ان معاملات کو اصطلاحی مجھکڑوں سے بری رکھنے کی ترغیب دلائی، تاکہ تمدن کے یہ سرچشمے بند نہ ہونے پائیں۔ یہ وجہ تحریک روما ہی تک محدود نہ تھی۔ اہل روما کی تجارت اپنی ٹروی قوموں کے ساتھ جاری تھی اس سے اہل روما کو یہ معلوم کرنے کے کافی مواقع ملے ہوں گے کہ جو معاہدات ان کے سامنے ہیں وہ ہر جگہ فریقین کی باہمی رضامندی کے ساتھ ہی واجب التعمیل ہو جانے کی طرف مائل ہیں۔ اس لئے انھوں نے اپنی معمولی عادت کے مطابق ان معاہدات کو معاہدات قانون اقوام (Juris Gentium) کے نام سے ممیز کر دیا۔ اگرچہ میرے خیال میں ہے کہ ان کو یہ نام بہت ہی ابتدائی زمانہ میں دیا گیا ہو گا۔ رومائے متقدمین کے ذہن میں قانون اقوام کا پہلا خیال پریٹریورگینس (Praetor Peregrinus) کے تقرر سے بہت پہلے جاگزیں ہوا ہو گا، مگر اٹلی کی دوسری قوموں کے نظام معاہدات سے واقفیت اسی وقت ہونی ہوگی جب کہ ان قوموں کیساتھ ان کے تجارتی تعلقات وسیع اور متواتر ہو گئے ہوں گے، اور جب تک اٹلی میں پوری طور سے امن نہ قائم ہو گیا ہو گا اور روما کا غلبہ کامل طور سے نہ تسلیم کر لیا گیا ہو گا اس تجارت میں نمایاں وسعت آنے ہوئی ہوگی۔ اگرچہ قیاس غالب یہی ہے کہ روما کے نظام قانونی میں معاہدات تراضی طرفین بہت بعد میں داخل ہوئے اور اگرچہ الفاظ ”قانون اقوام“ (Juris Gentium) کے اضافہ سے خود انکی سیدائش کی قربت کا اظہار ہوتا ہے، لیکن یہی الفاظ جو ان کو قانون اقوام سے متعلق کرتے تھے زمانہ حال میں ان کی بے حد قدامت کا خیال پیدا کرنے کے باعث ہلکے ہیں۔ کیونکہ جب ”قانون اقوام“ کو بدل کر ”قانون فطرت“ قائم کیا گیا تو یہ سمجھا جانے لگا کہ تراضی طرفین کے معاملات ایسے معاملات تھے جو فطری حالت کے ساتھ بڑی مناسبت رکھتے تھے اور یہیں سے عجیب خیال پیدا ہوا کہ تمدن جس قدر ابتدائی ہو اسی قدر اس کے معاملات کی شکل بیدمی سادی ہونی چاہئے۔

اگرچہ معاہدات تراصنی طریقین تعداد میں بہت محدود تھے، مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ انھوں نے قانون کی تاریخ کو اس درجہ پر پہنچا دیا کہ وہیں سے معاہدہ کے حالیہ تصورات کا آغاز ہوا۔ وصیت کا تصور جو عہد و پیمان کی بنیاد ہے بالکل علیحدہ کر دیا گیا، اور ایک جداگانہ خیال قرار پایا۔ اور معاہدہ کے تصور سے تمام مراسم الگ کر لئے گئے اور بیرونی افعال صرف اندرونی یعنی دلی رضامندی کے علامات قرار پائے۔ علاوہ اس کے یہ معاہدات قانون اقوام میں شریک کر لئے گئے اور چند ہی روز بعد اس شمول کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایسے عہد و پیمان سمجھے جانے لگے جو فطرت کے مطابق اور اس کے مجبوری قوانین میں داخل ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر روما کے مقننین کے مختلف مشہور اصول اور امتیازات کا قائم ہو جانا آسان تھا۔ منجملہ ان کے فطری اور قانونی وجوہات میں فرق اور امتیاز کا قائم کیا جانا ہے۔ جب کوئی کامل العقل شخص اچھی طرح سوچ سمجھ کر اپنے آپ کو کسی عہد و پیمان کا پابند کرتا تھا، تو اس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ اس پر فطری وجوب عائد ہو گیا، اگرچہ اس سے بعض ضروری مراسم متروک ہو گئے ہوں، اور اگرچہ بعض اصطلاحی موانع کی وجہ سے اس میں جائز معاہدہ کرنے کی باضابطہ قابلیت موجود نہ ہو۔ قانون (اور امتیاز کا مقصد بھی یہی ہے) اس وجوب کی جبریہ تعمیل نہ کرائے گا مگر اس کو تسلیم کرنے سے قطعی انکار بھی نہ کرے گا۔ فطری وجوب دوسرے وجوب سے جو محض ناقص اور باطل تھے مختلف لحاظ سے جدا سمجھے جاتے تھے، خصوصاً اس امر میں کہ اگر معاہدہ کرنے والے میں بعد معاہدہ کی قابلیت پیدا ہو جاتی تھی، تو اس وجوب کی متانوں تعمیل ہوتی تھی۔ مقننین کے ایک عجیب اصول کا آغاز بھی اُس زمانہ سے پہلے نہ ہوا ہوگا جس میں عہد و پیمان معاہدہ کے اصطلاحی اجزا سے علیحدہ کر لئے گئے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ دعویٰ کے لئے کوئی بنیاد

(۲۹۸)

بجز معاہدہ کے نہیں ہو سکتی، مگر جواب دعویٰ کے لئے محض عہد و پیمان کافی ہو سکتا ہے۔ اس سے جو کچھ نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کا مجاز نہیں کہ وہ ایسے عہد و پیمان کی بنیاد پر دعویٰ دائر کرے جسے اس نے براہ احتیاط باضابطہ کارروائی کر کے نچتہ معاہدہ کی حد تک نہ پہنچا دیا ہو، تاہم جو دعویٰ ایک باضابطہ معاہدہ سے پیدا ہو اس کی تردید ایک ایسے عہد و پیمان کے ثابت کرنے سے ہو سکتی ہے جو محض عہد و پیمان کی حد سے آگے نہ بڑھا ہو۔ وصول یا بی قرضہ کے مقدمہ میں یہ جواب دہی ہو سکتی ہے کہ رقم سے دست برداری کر لی گئی تھی یا التوا کے لئے ایک بیضابطہ عہد و پیمان ہو گیا تھا۔

جو اصول ابھی بیان ہوا ہے اس سے اس تردد کا اظہار ہوتا ہے جو روما کے دیوانی عہدہ داروں کو اہم تبدیلیوں کی طرف قدم بڑھانے میں لاحق ہوتا ہوگا۔ فطرتی قانون کا جو نظریہ انھوں نے قائم کیا تھا اس کے لحاظ سے وہ معاہدات تراخی طریقہ، اور ان عہود و پیمانوں کو جن کے معاہدات مذکور مخصوص صورتیں تھیں، بنظر استحسان دیکھتے ہوں گے، مگر انھوں نے وقتاً اس کی جرأت نہ کی کہ جو آزادی تراخی طریقہ کے معاہدات میں برتی جاتی تھی وہ تمام عہود سے مستثنیٰ کر دی جائے۔ قانون روما کے آغاز سے ضابطہ کی کارروائی پر نگرانی کا جو مخصوص اختیار ان عہدہ داروں کو دیا گیا تھا اسے وہ لوگ کام میں لاتے رہے، اور اگرچہ وہ اب تک ایسے مقدمات کے دائرہ کئے جانے کی اجازت دینے سے انکار کرتے رہے جو باضابطہ معاہدات پر مبنی نہ ہوں، مگر اپنے عہد و پیمان کے جدید نظریہ کو کارروائی کے مراحل مابعد میں پوری طرح کام میں لائے جانے کو جائز قرار دیتے رہے۔ جب وہ اس حد تک پہنچ گئے تو ان کا آگے قدم بڑھانا ایک لازمی امر تھا۔ معاہدہ کے قدیم قانون میں اس وقت

ایک عظیم تغیر پیدا ہو گیا جب ایک سال کے منتخب شدہ سول عہدہ (Praetor) نے اپنے اعلان میں اس امر کا اظہار کیا کہ وہ تمام ایسے عہود اور پیمانوں کی بنیاد پر جو کامل معاہدات کی حد تک نہیں پہنچے ہیں، نفیستی و عادی دائر کرنے کی اجازت دے گا، بشرطیکہ عہود اور پیمانہ مذکور کسی بدل (Causa) پر مبنی ہوں۔ ترقی یافتہ روما کے اصول قانون میں ایسے تمام عہد و پیمان قابل تعمیل ہیں۔ یہ سول معاہدات "راضی طرفین" ہی کا اصول ہے جو اپنے حقیقی نتائج اور حد تک پہنچا دیا گیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر اہل روما کے قانونی اصطلاحات ایسے ہی لچکدار ہوتے جسے کہ ان کے قانونی نظریے تھے، تو جو عہود پر پیر نے جاری کئے تھے وہ "جدید معاہدات" یا "راضی طرفین کے جدید معاہدات" کے ناموں سے موسوم کئے جاتے۔ مگر قانونی اصطلاحات قانون کا ایک ایسا جز ہے جو بے آخر نہیں بدلتا ہے۔ پس یہ عہود جن کی تعمیل بروئے نصفت کرائی جاتی تھی صرف "پیر کے عہود" کے نام سے نامزد رہے۔ یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ اگر ان عہود کا بدل نہ ہوگا تو جدید اصول قانون میں وہ "سوا" منظور ہوں گے؛ اور ان کو قابل تعمیل بنانے کے لئے ذریعہ سوال و جواب زبانی معاہدات میں منتقل کر لینا ضرور ہوگا۔

بیشمار غلطیوں سے محفوظ رکھنے کے لحاظ سے تاریخ معاہدہ نہایت اہم ہے، اور اس سے تفصیلی بحث کئے جانے کے واسطے میرا یہی عذر کافی ہے۔ اس سے تفصیلی طور سے معلوم ہوتا ہے کہ اصول قانون کی ایک نمایاں سرحد سے دوسری نمایاں سرحد تک خیالات کی رفتار کس طرح رہی ہے۔ آغاز "نیزم" سے ہوا جس میں معاہدہ اور انتقال مشترک تھے، اور جس میں وہ مراسم جو عہد و پیمان کے وقت ادا ہوتے تھے خود عہد و پیمان سے زیادہ اہم سمجھے جاتے تھے۔ "نیزم" سے گذر کر ہم سوال و جواب تک پہنچتے ہیں جو قدیم مراسم کی مختصر اور سادہ

شکل ہے۔ اس کے بعد تحریری معاہدہ ہے جس میں تمام مراسم سے دست برداری کر لی جاتی ہے، بشرطیکہ عہد و پیمان کا ثبوت اہل روما کے ان خانگی دستوروں سے مل جائے جن کی ہنایت سختی کے ساتھ پابندی کی جاتی تھی۔ حقیقی معاہدہ میں پہلی مرتبہ اخلاقی فرض تسلیم کیا گیا ہے، اور جن لوگوں نے اس عہد کی حبسزنی تعمیل میں شرکت کی یا اظہار رضامندی کیا ہے وہ اس کے مجاز نہیں ہیں کہ مراسم میں نقص کی بنا پر اسے رد کر سکیں۔ آخر میں تراضی طرفین کے معاہدہ کا ظہور ہوتا ہے جن میں عاقدین کی صرف ذہنی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے اور برونی افعال کا صرف اسی حد تک لحاظ ہوتا ہے کہ وہ ذہنی ارادہ کی شہادت ہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اہل روما کے ایک خام خیال کا ترقی کر کے ایک صحیح تصور تک پہنچ جانا کہاں تک معاہدہ کے متعلق انسانی خیال کی ترقی کا نتیجہ تھا۔ اہل روما کے سوائے دوسری قدیم اقوام کا قانون معاہدہ اتنا مختصر ہے کہ اس سے کسی واقفیت کا حاصل ہونا دشوار ہے، یا یوں سمجھا جائے کہ وہ بالکل ضائع ہو گیا ہے۔ اور زمانہ حال کا اصول قانون اس طرح اہل روما کے خیالات سے ملو ہے کہ اس میں ایسے اختلافات یا متوازیات نہیں مل سکتے جس سے کوئی اطلاع حاصل ہو سکے۔ جن تبدیلیوں کا میں نے ذکر کیا ہے ان میں کوئی غیر معمولی، تعجب انگیز، یا ناقابل فہم امر نہیں ہے؛ اور اس سے بطریق معقول یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ قدیم اہل روما کے معاہدات کی تاریخ ایک خاص حد تک ویسی ہی ہے جیسے اس قسم کے قانونی تصورات کی تاریخ دوسری قدیم قوموں میں تھی مگر قانون روما کی ترقی صرف ایک درجہ تک اصول قانون کے دوسرے نظاموں کی ترقی کا آئینہ قرار دی جاسکتی ہے۔ قانون فطرت کا نظریہ کلیۃً رومی ہے، اور یہی حال جہاں تک مجھے علم ہے و بموجب قانونی (Vinculum Juris) کا ہے۔ اہل روما کے ترقی

یافتہ قانون معاہدہ اور جرائم کے اکثر خصوصیات کا سلسلہ انہیں دو خیالات پر مشتمل ہوتا ہے، خواہ ان کا اثر جدا جدا مانا جائے یا مشترک، اور اسی بنا پر خصوصیات مذکورہ ایک مخصوص تمدن کی اختراع سمجھی جاتی ہیں۔ یہ موخر الذکر قانونی تصورات نہایت اہم ہیں، اس وجہ سے نہیں کہ وہ ہر حال میں ترقی کرنے والے خیالات کا ضروری نتیجہ ہیں، بلکہ اس وجہ سے کہ انہوں نے زمانہ حال کے اذمان پر سجدہ اثر ڈالا ہے۔

تانون روما اور خصوصاً اس کے قانون معاہدہ کا، مختلف فنون میں طرز خیال، طریقہ استدلال، اور اصطلاحات کا پیدا کر دینا ایک ایسا حیرت انگیز عمل ہے جس سے مافوق ذہن میں آنا ہی مشکل ہے۔ جن علوم اور فنون نے زمانہ حال کے لوگوں میں علمی مذاق پیدا کر دیا ہے، ان میں سے بہ استثنائے علم طبیعیات کے کوئی اور ایسا علم نہیں ہے جس کا سرچشمہ اہل روما کا اصول قانون نہ ہو۔ خالص علم مابعد الطبیعیات (Meta-physics) کی ایجاد کا سہرہ بہ نسبت رومیوں کے زیادہ تئیرتونیوں کے سر ہے، مگر اصول سیاست، فلسفہ اخلاق اور انتہا یہ کہ مذہبیات تک کے لئے اہل روما کے اصول قانون نے نہ صرف اظہار خیال کے لئے ذرائع، بلکہ ایک ایسا ماسن ہیا کر دی ہیں میں ان کی دقیق سے دقیق تحقیقات نے نشو و نما کر درجہ کمال حاصل کیا۔ اس واقعہ کی توضیح کے لئے یہاں اس پیرا سے تعلق سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی جو الفاظ اور خیالات میں پایا جاتا ہے، اور نہ یہ بیان کرنے کی حاجت ہے کہ انسانی دماغ کبھی ایسے خیالات نہیں رکھ سکتا جن کے لئے اس نے پہلے سے الفاظ کا ذخیرہ اور مناسب منطقی استدلال کا کارخانہ نہ قائم کر رکھا ہو۔ یہاں صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ جب مشرقی اور مغربی (رومی) دنیا کے فلسفیانہ مقاصد جدا ہو گئے، تو مغربی دنیا کے خیالات کے

بانیوں کا ایسی جماعت سے تعلق تھا جو لاطینی زبان بولتی اور اسی میں سوچتی تھی۔ مگر مغربی صوبوں میں جس زبان میں فلسفیانہ مقاصد کے لئے کافی قابلیت باقی رہ گئی تھی وہ قانون روما کی زبان تھی، جس میں خوش قسمتی سے عہد انکسلس کی صفائی تقریباً بحالت خود موجود تھی برخلاف اس کے روزمرہ کی لاطینی زبان ایک ثقیل و شاذ زبان ہو گئی تھی پس اہل روما کے اصول قانون نے صحت زبان سے زیادہ ترقی، اور متانت اور صحت خیال کے ذرائع بہم پہنچائے۔ تقریباً تین سو سال تک فلسفہ اور علوم مغرب میں بے ماوا اور لمبا رہے، اور اگرچہ سلطنت روما کی عام رعایا کے دماغی قوی علم مابعد الطبیعیات اور مذہبیات مابعد الطبیعی کی اوجھڑپ میں لئے ہوئے تھے مگر جو اصطلاحات وہ اس جدوجہد میں استعمال کرتے تھے وہ کلیتہً یونانی تھے، اور ان کا میدان عمل مشرقی سلطنت کا نصف حصہ تھا بعض اوقات جو نتائج مشرقی مباحث سے پیدا ہوتے تھے وہ اس قدر اہم ہوتے تھے کہ ان کی نسبت ہر ایک شخص کا اتفاق یا اختلاف ضبط تحریر میں لانا ضرور ہوتا تھا، اور اس طور سے مشرقی مباحث کے نتائج سے مغرب کو آگاہی ہوتی تھی، جو بغیر کسی دلچسپی اور بغیر کسی اختلاف کے منظور کر لئے جاتے تھے۔ مگر مغربی صوبہ جات کی تقدم یافتہ جماعتوں میں ایسے مضمون کی چھان بن سے کبھی غفلت نہیں کی گئی، جو جفاکش سے جفاکش کے لئے کافی طور سے دشوار، اور ہوشیار سے ہوشیار کے لئے دقیق، اور مذہب سے مذہب کے لئے نازک اور لطیف تھا۔ افریقہ، ہسپانیہ، گال اور شمالی اطالی کے تعلیم یافتہ باشندوں میں نظم، تاریخ، فلسفہ اور قانون سب کا قائم مقام اصول قانون اور صرف اصول قانون ہی تھا۔ مغربی خیالات کی قدیم کوششوں پر قانون کا ایسا رنگ پڑھا ہوا تھا کہ اس پر کوئی اور گمان ہو ہی نہیں سکتا تھا، ایسی حالت میں

ان کا کوئی دوسرا رنگ اختیار کرنا سخت تعجب انگیز ہوتا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مغربی اور مشرقی خیالات اور مذہبیات میں جو فرق ایک جدید عنصر کی موجودگی سے پیدا ہو گیا تھا اس کی طرف سے اس قدر کم توجہ کی گئی ہے۔ فی الحقیقت یہ اصول قانون کے قوت پکڑ جانے کا اثر تھا کہ قسطنطنیہ کی بنا کے بعد سے مشرقی اور مغربی مذہبوں کی علیحدگی فلسفہ کی تاریخ میں جدید دور شمار ہونے لگے۔ اس میں شک نہیں کہ یورپ کے دوسرے ممالک کے عقلا میں اس تبدیلی کی اہمیت کا بہت کم احساس ہونا چاہئے، کیونکہ اہل روما کے قانونی تصورات ان کے روزمرہ کے خیالات میں شریک ہیں اور ان سے وہ پوری طرح آشنا ہیں۔ برخلاف اس کے انگلستان کے لوگوں نے اپنی انتہائی جہالت کی وجہ سے موجودہ علوم کے سرچشمہ اور روما کی تہذیب کے واحد ذہنی نتیجہ سے بالکل آنکھیں بند کر لی ہیں۔ لیکن اگر کوئی انگلستان کا رہنے والا تکلیف اٹھا کر اہل روما کے مستند قانون سے واقفیت حاصل کرے گا، تو اس وجہ سے کہ اس کے ہم وطنوں نے اس مضمون سے اب تک بہت کم دلچسپی لی ہے وہ میرے بیان کی صداقت کو بہ نسبت ایک فرانسیسی یا جرمن کے بہتر طریقہ سے جانچ سکے گا۔ جو شخص روما کے اصول قانون کی ماہیت اور اس پر اہل روما کے حقیقی عمل درآمد سے واقف ہو گا، اور جو مغربی مذہبیات اور فلسفہ کے ان خصوصیات پر غور کرے گا جو انھیں اس سے قبل کے خیالات سے ممیز کرتے ہیں، وہ بہ اطمینان اس جدید عنصر کو بتا سکے گا جو خیالات پر حاوی اور حکمران ہوتا جاتا تھا۔ قانون روما کا وہ حُب جو ہماری تحقیق کے دوسرے مضامین پر بہت زیادہ موثر ہے قانون وجوب، یا یوں کہو کہ قانون معاہدہ اور جبرام ہے۔ خود اہل روما اس امر سے ناواقف نہ تھے کہ ان کے نظام قانونی کے اس حُب کے کثیر اور گنجائشی اصطلاحات سے اد بہت

کام لئے جائیں گے اور اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ انہوں نے ایک مخصوص لفظ ”مثال یا نیم“ (Quasi) کا معاہدات اور جرائم کیساتھ لگا دیا ہے۔ جب یہ لفظ اس طرح استعمال ہوتا ہے تو اس کی غرض محض درجہ بندی (Classification) ہوتی ہے۔ انگلستان کے محقق عام طور سے ”مثال معاہدہ“ (Quasi Contract) کو معاہدہ (Implied contract) کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔ یہ غلط ہے، کیونکہ معنوی معاہدات فی الحقیقت معاہدات ہوتے ہیں مگر ”مثال معاہدہ“ پر معاہدہ کا مطلق اطلاق نہیں ہو سکتا۔ معنوی معاہدہ میں افعال اور حالات انہیں اجزا کے علامات ہیں جو صحیح معاہدہ میں الفاظ میں ظاہر کئے جاتے ہیں۔ جہاں تک عہد و پیمان کے اصول کا تعلق ہے ہر شخص مجاز ہے کہ خواہ وہ ایک قسم کے علامات اختیار کرے خواہ دوسرے قسم کے۔ مگر ”مثال معاہدہ“ مطلق معاہدہ نہیں ہے۔ اس کی معمولی مثال وہ تعلق ہے جو دو ایسے اشخاص میں قائم ہوتا ہے جن میں سے ایک نے دوسرے کو کسی غلطی کی بنا پر کوئی رقم دے دی ہو۔ قانون، اخلاقی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر، اس شخص پر جس کو رقم پہنچی ہے یہ وجہ عائد کرتا ہے کہ وہ رقم واپس کر دے۔ اس معاہدہ کی نوعیت سے ظاہر ہے کہ اس پر معاہدہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس سے عقد یا وعدہ (Convention) جو معاہدہ کا جز اعظم ہے بالکل منفقود ہے۔ قانون روما کی جس اصطلاح کے آگے لفظ ”مثال“ (Quasi) لگا دیا جاتا ہے اس کا یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جس تصور کی وہ علامت ہے وہ اس تصور سے مشابہ اور متعلق ہے جس سے ظاہری اور سطحی تشابہ کی بنا پر اس کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اس کا یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ دونوں قصبات ایک ہیں، یا ایک ہی جنس سے ہیں۔ بلکہ اس سے دونوں تصورات کے ایک ہونے کا انکار ظاہر ہوتا ہے؛ البتہ اس کا پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اس قدر مشابہ ہیں کہ ایک دوسرے کا ضمن ہو سکتا

ہے ، اور قانون کے ایک شعبہ کی اصطلاح دوسرے شعبہ میں منتقل ہو سکتی ہے ، اور ایسے قواعد کے بیان کرنے میں جو بغیر سخت کھینچ تان کے کامل طور سے معرض بیان میں نہیں آ سکتے تھے مستقبل ہو سکتی ہے ۔ جس کسی نے یہ کہا ہے اس نے نہایت دانشمندانہ بات کہی ہے کہ جو غلط مبحث معنوی معاہدات میں ، جو فی الحقیقت معاہدات ہیں ، اور عمال معاہدہ میں جو مطلق معاہدات نہیں ہیں واقع ہوتا ہے وہ اس مشہور غلطی سے بہت زیادہ مشابہ ہے جس کی بنا پر ملی حقوق اور فرائض اس ابتدائی ميثاق پر محمول کئے جاتے ہیں جو حاکم اور محکوم میں فرض کر لیا گیا ہے ۔ قبل اس کے کہ یہ اصول مستقل صورت اختیار کرے ان متقابل حقوق اور فرائض کے اظہار کے لئے جو لوگوں کے خیال میں پادشاہ اور اس کی رعایا کے درمیان قائم تھے ، اہل رومائے قانون معاہدہ کی اصطلاحات سے کام لیا جاتا تھا ، دنیا ایسے مقولوں سے بھری پڑی تھی جو بادشاہوں کو رعایا کی کامل اطاعت کا مستحق قرار دیتے تھے ، اور جو انجیل سے مانوہ سمجھے جاتے تھے ، حالانکہ حقیقت میں وہ قیصروں کی خود سر حکومتوں کے باقی ماندہ آثار تھے ۔ ایسی حالت میں رعایا کے متقابل حقوق کے احساس کے اظہار کے لئے کوئی ذریعہ نہ ہوتا اگر روم کا قانون وجوب ان کی ایسے الفاظ سے مدد نہ کرتا جو ایسے خیال کے اظہار کے لئے ضرور تھے جو ابھی تک پایہ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا ۔ مغربی تاریخ کے آغاز سے وہ اختلاف جو بادشاہوں کے حقوق اور مقابلہ رعایا ان کے فرائض میں تھا وہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں کبھی نظر انداز نہ ہونے پایا ، مگر جب تک جاگیر کی نظام زور کے ساتھ قائم رہا ان کی طرف بحرحر صاحب فکر مصنفین کے بہت کم لوگوں کی توجہ مبذول ہوئی ۔ کیونکہ نظام جاگیر نے اپنے صریح اور علانیہ مراسم کے ذریعہ سے اکثر یورپ کے بادشاہوں کے اصولی اور حد سے بڑھے ہوئے ادعا کو قابو میں رکھا ۔ اس سے

ہر شخص واقف ہے کہ جب نظام جاگیر کے منصف سے قرون وسطیٰ کا نظم و نسق درہم برہم ہو گیا، اور اصلاح نے پوپ کے اقتدار کا قلع قمع کر دیا، اس وقت بادشاہوں کے آسمانی حق (Divine right) کے اصول نے ایسی قوت حاصل کی جو اس سے قبل اسے کبھی حاصل نہ ہوئی تھی۔ اس کے رواج نے قانون روما سے اور زیادہ اور متواتر اصطلاحات لینے پر مجبور کر دیا، اور جس بحث کا ابتدا میں مذہبی پیرایہ تھا اس پر روز بروز قانونی رنگ چسڑھنے لگا۔ اس اثناء میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو خیالات کی تاریخ میں متواتر پیش آتا رہا ہے۔ یعنی جس وقت شاہی اقتدار کی بحث قائب بدل کر قلم کے اصول کی معینہ شکل میں آگئی، اس وقت قانون معاہدہ کے ان اصطلاحات نے جواب تک رعایا کے حقوق کی حفاظت میں استعمال ہوتے تھے بادشاہ اور رعایا کے درمیان حقیقی اور ابتدائی ميثاق کے اصول کی صورت اختیار کر لی۔ اس اصول نے پہلے انگریزوں اور بعدہ خصوصیت کے ساتھ فرانسیسیوں کے ہاتھ میں اگر ایسی وسعت پیدا کی کہ وہ تمام تمدنی اور قانونی امور کی کامل توضیح اور تشریح کا ذریعہ قرار پا گیا۔ اگرچہ سیاسی اور قانونی علوم میں جو حقیقی تعلق تھا وہ صرف اسی قدر تھا کہ قانون نے اپنے مخصوص لچکدار اصطلاحات سے سیاست کی مدد کی۔ اہل روما کا اصول قانون معاہدہ بادشاہ اور اس کی رعایا کے تعلقات میں، وہی خدمت بجالایا جو وہ معمولی طبقہ میں ان لوگوں کے تعلقات میں بجالایا تھا جو "ماثل معاہدہ" کے فریق تھے۔ اس نے ایسے لفظوں اور جملوں کا ذخیرہ مہیا کر دیا تھا جو کافی صحت کے ساتھ ان خیالات کو ظاہر کر سکتے تھے جو سیاسی وجہ کے متعلق وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے جاتے تھے۔ ابتدائی ميثاق کے اصول کو اس سے زیادہ وقت نہیں دیجا سکتی جو ڈاکٹر وایمول نے اس کو دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ وہ صحیح نہ ہو مگر "اخلاقی صداقتوں کے انہماک کے لئے وہ ایک آسان ذریعہ ہو سکتا ہے"

ابتدائی مشاق کے اصول کے اختراع کے پہلے سے سیاسیات میں قانونی الفاظ کا استعمال، اور بعدہ اس مفروضہ کا قوی اثر ڈالنا پوری طور سے اس امر کی توضیح کرتا ہے کہ سیاسیات میں ایسے الفاظ اور تصورات اس کثرت سے کس طرح آگئے جو قطعی طور سے اہل روما کے اصول قانون کے پیدا کئے ہوئے تھے۔ فلسفہ اخلاق میں ان کی کثرت کی دوسری وجہ ہو سکتی ہے، کیونکہ اخلاقی تصنیفات میں بہ نسبت سیاسیات کے قانون روما سے براہ راست بہت زیادہ مدد لی گئی ہے، اور ان تصنیفات کے مصنف خود اس احسان سے زیادہ تر واقف تھے۔ میرے اس بیان سے کہ فلسفہ اخلاق غیر معمولی طور سے اہل روما کے اصول قانون کا ممنون ہے، میرا مقصد اس فلسفہ اخلاق سے ہے جو اس کی تاریخ میں کانٹ کی ڈالی ہوئی کھنڈت سے پہلے سمجھا جاتا تھا، یعنی ان قواعد کا علم جو انسانوں کے باہمی تعلقات میں برتے جاتے ہیں۔ ان کی صحیح تعبیر اور یہ کہ ان کی حد کہاں تک وسیع ہے۔ فلسفہ انتقادی (Critical Philosophy) کے عروج سے فن اخلاق کا قدیم مفہوم بالکل ضائع ہو گیا ہے، اور جہاں رومن کیتھولک کے مذہبی علما میں وہ ایک مسخ شدہ صورت میں باقی ہے وہ بھی عام طور سے علم موجودات (Ontology) کی تحقیق کا ایک شعبہ متصور ہوتا ہے۔ انگلستان کے معاصر مصنفین میں بجز ڈاکٹر وہیمول کے مجھے کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو فلسفہ اخلاق کا وہی مفہوم لیتا ہو جو اس فلسفہ کے علم مابعد الطبیعیات (Metaphysics) میں جذب ہو جائے، اور فلسفہ مذکور قواعد کی بنیاد کو خود قواعد سے زیادہ تر اہم تصور ہونے سے قبل لیا جاتا تھا۔ بہر حال جب تک علم اخلاق کو عمل کے حسن انتظام سے تعلق تھا وہ کم و بیش قانون روما سے ملو تھا۔ زمانہ حال کے دوسرے اہم خیالات کی طرح وہ بھی دینیات میں شریک تھا۔ اخلاقی دینیات کا اہم فن جو پہلے اسی نام

سے موسوم تھا، اور اب بھی رومن کیتھولک کے علماء مذہب میں اسی نام سے موسوم ہے، یقیناً اسی طرح بنا تھا کہ اصول عمل کلیسیائی نظام سے اخذ کئے گئے تھے، اور ان کے اظہار اور توسیع کے لیے اصول قانون کے اصطلاحات اور طریقے اختیار کر لئے گئے تھے، اور اس حقیقت سے خود اس کے مصنف بخوبی واقف تھے۔ اس عمل کے جاری رہنے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اصول قانون جو کہ صرف انتقال خیالات کا ایک ذریعہ تھا خود ان خیالات کو اپنے رنگ میں رنگ دے۔ قانونی تصورات کے اتصال سے جو رنگ خستہ و موجودہ دنیا کے قدیم اخلاقی ادب میں صاف طور سے جھلکتا ہوا نظر آتا ہے اور میرے خیال میں یہ امر بالکل بین ہے کہ قانون معاہدہ نے، جو کامل باہمی تبادلہ اور حقوق و فرائض کے ناقابل انفصاح تعلقات پر مبنی ہے، ان مصنفین کے رجحان کی بڑی حد تک اصلاح کر دی جو بحالت خود چھوڑ دئے جانے کی صورت میں اخلاقی وجوب کو ملک خدا (Civitas Dei) کے ہر باشندہ کا فرض عام سمجھنے لگتے۔ جب سے ہسپانیہ کے مشاہیر علمائے اخلاق نے اس فن کے متعلق لکھنا شروع کیا اس وقت سے اخلاقی دینیات میں قانون روما کا حشر بین طور سے گھٹنے لگا۔ ایک عالم کی دوسرے عالم پر فقیہانہ تقریظ نے اخلاقی دینیات کو ترقی دے کر اصطلاحات کا ایک مخصوص ذخیرہ ہسپا کر دیا۔ اور ارسطو کے طریقہ استدلال کے خصوصیات اور اصطلاحات نے، جن کا بڑا حصہ علمی درسگاہوں کے اخلاقی مباحث سے حاصل ہوا (۳۱۰) تھا، اس مخصوص پرداز خیال اور زبان کی جگہ لے لی جن کی نسبت کوئی ایسا شخص جو قانون روما سے واقف ہے دھوکا نہیں کھا سکتا اگر ہسپانیہ کے مذہبی اخلاقی مصنفوں کا وقار قائم رہتا تو اخلاقیات میں جو قانونی حشر تھا وہ تقریباً زایل اور ناقابل لحاظ ہو جاتا۔ مگر ان کے نتائج مستخرجہ جس طرح بعد کے آنے والے رومن کیتھولک

مصنف کام میں لائے اس سے ان کا تقریباً تمام اثر جاتا رہا۔ اور اخلاقی دینیات (Moral Theology) اپنے پایہ سے گر کر مذہبی فقہ (Casuistry) کی صورت میں آگئی۔ اور جو لوگ یورپ کے خیالات کے بادی تھے انھیں اس کے ساتھ کوئی دلچسپی باقی نہ رہی اور فلسفہ اخلاق (Moral Philosophy) کا جدید فن جو کلیتہً پروٹسٹنٹ کے ہاتھ میں تھا اس راستہ سے بالکل علیحدہ ہو گیا جس پر اخلاقی مذہبی لوگ (moral theologians) چل رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاقی مسائل کی تحقیق میں پھر قانون روما کا اثر بہت بڑھ گیا۔

زمانہ اصلاح کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے مضامین کو خیال کے دو بڑے گروہوں (School) نے باہم تقسیم کر لیا ہے۔ ان دونوں گروہوں میں پہلے سب سے زیادہ قوی وہ گروہ تھا جو فقہاء مذہبی (Causuists) کے نام سے موسوم تھا۔ ان سب کا روحانی تعلق کلیسائے روما سے تھا، اور ان میں سے تقریباً ہر شخص کسی نہ کسی مذہبی جماعت کا رکن تھا۔ دوسری طرف ایسے مصنفین کا گروہ تھا جن کی ہم خیالی کی یہ وجہ تھی کہ وہ سب کتاب ”De Jure Belli et Pacis“ کے بڑے مصنف ہیگو گروئس (Hugo Grotius) کے خیالات کے متبع اور تقریباً سب اصلاح کے طرف دار تھے۔ اور اگرچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ صیح اور علانیہ طریقہ سے مذہبی فقہاء کے مخالف تھے، مگر اس میں شک نہیں کہ ان کے نظام کی بنیاد اور اس کے مقاصد مذہبی فقہ سے بالکل مختلف تھے۔ اس اختلاف کی طرف توجہ کرنا ضرور ہے، کیونکہ اس کا تعلق قانون روما کے اس اثر سے ہے جو خیال کے اس شعبہ پر پڑتا ہے جس کیساتھ

۱۷۵۶ء کے خطبات کیمرج کے لئے تیار کیا تھا۔

یہ دونوں نظام وابستہ ہیں۔ اگرچہ گروٹس کی کتاب کا ہر صفحہ خاص اخلاقی مسائل سے ملو ہے، اور اگرچہ وہ باقاعدہ اخلاق کی بیشمار کتابوں کا قریب یا بعید طریقہ سے ماخذ ہے، مگر وہ جیسا کہ معروف و مشہور ہے اخلاقی فلسفہ کی مسلمہ کتاب نہیں ہے، بلکہ قانون فطرت یا فطری قانون کے دریافت کی ایک کوشش ہے۔ ہم بغیر اس بحث میں پڑے ہوئے کہ آیا قانون فطرت کا تصور محض اہل روم کے متفنین کا پیدا کیا ہوا ہے یا نہیں، خود گروٹس کے اقرار کے مطابق یہ کہہ سکتے ہیں کہ اہل روم کے اصول قانون کا یہ فیصلہ کہ قانون موکدہ کے کون سے اجزاء قانون فطرت کے اجزاء قرار دئے جاسکتے ہیں، اگرچہ قطعی اور بے خطا نہ ہو، تاہم بے حد وقعت کی نظر سے دیکھے جانے کے قابل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گروٹس کا نظام بنیادی طور سے قانون روم سے پیوستہ ہے، اس تعلق اور اس کے علاوہ مصنف کے قانونی تعلیم یافتہ ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہر فقرے میں اصطلاحی الفاظ آزادی سے استعمال کئے گئے ہیں، اور استدلال تعریف اور تمثیل کا طریقہ ایسا ہے کہ اس سے بعض اوقات دلیل کا مفہوم، اور عام طور سے اس کا زور اور تعلق ایسے شخص کی سمجھ میں آنا مشکل ہو گیا ہے جو اس سے واقف نہیں کہ ان کا ماخذ کیا ہے۔ برخلاف اس کے مذہبی فقہانے قانون روم کا اثر کم لیا، اور جو اخلاقی امور زیر بحث تھے انھیں گروٹس کے کام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ صبح او غلط کا تمام فلسفہ جس کی شہرت یا مشہور مذہبی فقہ کے نام سے ہوئی کبیرہ اور صغیر گناہوں کے امتیاز پر مبنی ہے۔ ایک فعل کو گناہ کبیرہ قرار دینے کے خوفناک نتائج سے بچنے کی فطری خواہش، اور رومن کیتھولک کلیسا کو پروٹسٹنٹ کے مقابلہ میں ایک نامناسب اصول سے سبکدوش کرنے کی تمنا نے مذہبی فقہ کے بانیوں کو ایک پیچیدہ نظام معیار ایجاد کرنے پر مجبور کیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ خلاف اخلاق

افعال جہاں تک ممکن ہوں گناہ کبیرہ کے دائرہ سے خارج کر کے گناہ صغیرہ میں شامل کر دئے جائیں۔ اس تجربہ کا جو کچھ نتیجہ ہوا اس سے ہر معمولی نتائج داں واقف ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ مذہبی فقہ کے ان اقتدار نے پیشوایان مذہب کو ہر قسم کے انسانی افعال پر روحانی اختیارات دے کر فقہ مذکور کا حکمرانوں، مدبروں، اور قائدان فوج پر ایسا اثر ڈالا جو عہد اصلاح کے قبل کبھی سننے میں نہ آیا تھا، اور اس رد عمل میں بڑے درجہ تک معین ہوا جس نے پروٹسٹنٹ مذہب کی ابتدائی کامیابی کو محدود اور محدود کر دیا۔ اس فقہ کا مقصد تعمیری نہ تھا بلکہ حفاظتی تھا، یعنی وہ چاہتی تھی کہ خود کوئی اصول نہ قرار دے بلکہ مہول موضوع کو بچایا جائے، صحیح اور غلط کی نوعیت کا تعین نہ کرے بلکہ بتائے کہ فلاں نوعیت کا فعل غلط نہیں ہے، غرض کہ مذہبی فقہ ان نازک نیالیوں کی ابتدا کر کے ایک مدت تک چلتی رہی یہاں تک کہ اس نے افعال کے اخلاقی خط و خال کو ایسا مدھم، اور انسان کے اخلاقی احساس کو ایسا بے کار کر دیا کہ بالآخر انسانی ضمیر دفعتاً اس سے متنفر ہو کر بغاوت پر آمادہ ہو گیا، اور اس نظام اور اس کے ماہرین سے یک لخت دست کشی اختیار کی۔ اس نظام کے سر پر جو تباہی ایک عرصہ سے منڈلا رہی تھی وہ یاسکل کے ”پروڈنشل لٹرس“ (Provincial Letters) کے ذریعہ سے نازل ہو گئی، اور ان یادگار مضامین کے شائع ہوجانے کے بعد سے کسی چھوٹے سے چھوٹے عالم فن اخلاق نے بھی علانیہ طور سے ان فقہاء کے پرداز خیال کی پیروی نہیں کی، اور اس طور سے فن اخلاق کا تمام میدان ان مصنفین کے ہاتھ آ گیا جو گروٹس کے متبع تھے، جس کی وجہ سے اب تک اس میں غیر معمولی طور سے قانون روماء کے اختلاط کے آثار پائے جاتے ہیں جو بعض اوقات گروٹس کے اصول کی بے حد عمدگی، اور بعض اوقات اس کے نقش پر محمول کئے جاتے ہیں۔ گروٹس کے زمانہ کے بعد سے بہت سے محقق ایسے

پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اس کے اصول کو بدل دیا ہے، اور انتہائی فلسفہ کے اختراع کے بعد بہت سے تحقیقات میں اُس کے ہول بالکل متروک کر دئے گئے ہیں؛ مگر جو لوگ اس کے مفروضات سے بالکل علیحدہ ہو گئے ہیں انہوں نے بھی اس کے طرز بیان، سلسلہ خیال اور طریقہ تمثیل کو نہیں چھوڑا ہے، اور یہ اُن لوگوں کے خیال میں جو روما کے ہول قانون سے واقف نہیں ہیں بالکل ناچیز اور غیر اہم امور ہیں۔

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ بحر علوم طبیعیات کے کوئی علم ایسا نہیں ہے جس پر قانون روما کا اثر علم مابعد الطبیعیات سے کم پڑا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ علم مابعد الطبیعیات کے مضامین پر جو بحثیں ہیں وہ ابتدا میں ہمیشہ خالص یونانی زبان میں ہوئیں، اور بعد ایک قسم کی لاطینی زبان میں جو یونانی تصورات کے اظہار کے لئے اختراع ہوئی تھی۔ زمانہ حال کی زبانوں نے علم مابعد الطبیعیات کی تحقیق میں کارآمد ہونے کے لئے اسی لاطینی محاورہ کو اختیار کر لیا، یا یوں کہو کہ جو عمل اُس کے اختراع کے وقت اختیار کیا گیا تھا اس کا اتباع کیا جانے لگا۔ زمانہ حال میں علم مابعد الطبیعیات کی بحثوں میں جو اصطلاحات استعمال کئے جاتے ہیں ان کا ماخذ ارسطاطالیس کی تصانیف کا لاطینی ترجمہ ہے، اس میں جو کچھ مترجمین نے کیا، خواہ بہ اتباع عسری ترجموں کے ہو یا نہ، وہ یہ ہے کہ انہوں نے لاطینی ادب سے مترادف الفاظ کی تلاش نہیں کی، بلکہ لاطینی مادوں سے جدید ایسے لفظ وضع کر لئے جو یونانی فلسفی خیالات کے اظہار پر حاوی تھے۔ اس عمل میں قانون روما کے اصطلاحات کے اثر کی بہت کم گنجائش تھی زیادہ سے زیادہ جو کچھ ہوا وہ اسی قدر تھا کہ چند لاطینی رست فونی اصطلاحیں بگڑی ہوئی شکل میں علم مابعد الطبیعیات کی زبان میں منتقل ہو گئیں مگر ساتھ ہی اس کے یہ امر قابل لحاظ ہے کہ علم مابعد الطبیعیات

کے جو مسائل معسرتی یورپ میں زیادہ تر معرض بحث میں رہے ہیں اگر ان کی زبان نہیں تو ان کا خیال پتہ دے رہا ہے کہ ان کی اصل قانونی ہے۔ تخیل کی تاریخ میں بہت کم واقعات اس واقعہ سے زیادہ تر قابل لحاظ ہیں کہ کسی یونانی بولنے والی قوم نے کبھی جبر و اختیار (Freewill and Necessity) کے اہم مسئلہ پر زبان کھولنا ضروری نہیں سمجھا ہے۔ میں اس کی کوئی سرسری وجہ بیان کرنے کا ادعا نہیں کر سکتا مگر اس قدر اشارہ کر دینا غیر متعلق نہیں معلوم ہوتا کہ نہ یونانی، اور نہ کوئی ایسی قوم جو اپنی زبان بولتی اور اسی میں تخیل کرتی ہو فلسفہ قانون پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکی ہے۔ فن قانون محض رومیوں کا پیدا کیا ہوا ہے اور اختیار کا مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ علم مابعد القبیعیات کے ایک تصور پر قانونی پیرایہ میں نظر ڈالی جاتی ہے۔ پس یہ سوال کس طرح پیدا ہوا کہ آیا غیر متغیر نتیجہ بجنسہ اتصال لازمی ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق میں صرف اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ قانون روما کا رجحان، جو اس کی ترقی کے ساتھ بڑھتا گیا، اس طرف تھا کہ وہ قانونی نتائج کو قانونی علل کے ساتھ ایک غیر متغیر لزوم کی بنا پر وابستہ تصور کرے۔ اس رجحان کا پتہ صاف طور سے وجوب کی اس تعریف سے چلتا ہے جس کا میں بارہا اعادہ کر چکا ہوں۔

(۲۱۵)

وجوب دو یا زیادہ اشخاص میں وہ قانونی تعلق ہے جو ان میں سے چند یا کسی ایک شخص کو دوسرے کے فائدے کے لئے کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا یا بند کرتا ہے؟

لیکن اختیاء (Freewill) کا مسئلہ فلسفہ کا مسئلہ قرار پانے سے پہلے دنیات کا مسئلہ تھا، اگر اس کی اصطلاحات پر اصول قانون کا اثر پڑا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اصول قانون خود دنیات کو متاثر کر چکا تھا جو اہم امر تحقیق طلب یہاں پیدا ہوتا ہے وہ قابل اطمینان طریقہ سے

کبھی صاف نہیں کیا گیا ہے۔ امر قابل تصفیہ یہ ہے کہ آیا اصول و نیات پر کبھی اصول قانون کے پیرایہ میں نظر ڈالی گئی ہے، اور آیا اس نے مخصوص زبان، مخصوص طرز استدلال، اور زندگی کے اکثر مسائل کے حل کا مخصوص طریقہ، بتا کر ذہنی تخیل کے لئے ایسے جدید شواہع کھول دئے ہیں جن پر حل کر وہ وسعت پیدا کر سکے۔ اس کے جواب کے لئے اس دماغی غذا کو پیش نظر رکھنا چاہئے جو بہترین معنفین کی متفقہ رائے کے مطابق سب سے پہلے دنیات کی حبز بدن ہوتی ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کلیا کی ابتدائی زبان یونانی تھی، اور جن مسائل کو اس نے سب سے پہلے اٹھایا وہ وہی مسائل تھے جن کے لئے یونان کے فلسفہء مابعد نے راستہ کھول دیا تھا۔ علم مابعد الطبیعیات کے یونانی ادبیات ہی ان الفاظ اور خیالات کے مخزن تھے جن کے ذریعہ ہے عقل انسانی خدا کے وجود، خدائی ذات اور خدا کی فطرت کے اہم مسائل میں بحث کر سکتی تھی۔ یہ کام لاطینی زبان، اور مختصر لاطینی فلسفہ سے بالکل نہیں نکل سکتا تھا۔ اس لئے مغربی یا یوں کہو کہ سلطنت کے ان مقبولوں نے جہاں لاطینی زبان بولی جاتی تھی مشرق کے مستنطہ نتائج کو بغیر کسی بحث یا انتقاد کے تسلیم کر لیا۔ دین ملین کا قول ہے کہ "لاطینی کلیسا نے ایسے اعتقادات اختیار کر لئے جن کے کامل اظہار سے اس کا تنگ اور تنگ مایہ لغت قاصر تھا، مگر روما اور مغرب کا اتحاد ہمیشہ اسی حد تک رہا کہ وہ اس نظام اعتقادات کو جسے مشرقی مجتہدین کے سنجیدہ ترین دنیات نے قائم کیا تھا خاموشی کے ساتھ تسلیم کرتا رہے، بجائے اس کے کہ بطور خود ان اسرار کے متعلق کوئی مجتہدانہ تحقیقات عمل میں لائے۔ لاطینی کلیسا انجمنائیس (اسکندریہ کا اسقف اعظم) کا وفادار شریک و شاگرد تھا۔" لیکن جب مشرق اور مغرب میں زیادہ تر جدائی ہو گئی، اور سلطنت کے لاطینی بولنے والے مغربی حصے نے خود اپنی

علمی زندگی شروع کی، اس وقت چند ایسے مسائل کے جوش نے جن سے مشرقی دماغ بالکل نا آشنا تھے مشرق کی وہ وقعت باقی نہ رہنے دی جو پہلے تھی جبکہ یونانی وینیات میں (لمین "لاطینی کلیسا و میناچہ") اور زیادہ باریکی کے ساتھ خدا کی ذات اور مسیح کی نوعیت کے متعلق بحثیں ہو رہی تھیں، اور یہ غیر تنہا ہی بحثیں طول پکڑ کر اس ضعیف جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کئے دیتی تھیں، مغربی کلیسا نے نہایت جوش و خروش سے مباحث کا ایک جدید سلسلہ چھڑ دیا جو لاطینی کلیسا والوں کے لئے خواہ وہ کسی قوم کے ہوں، آج تک موجب دلچسپی ہے۔ گناہ کی نوعیت اور اس کی تائید، یعنی وہ دین جو انسان کے ذمہ ہے اور اس کی نائمانہ ادائی، فدیہ کی ضرورت اور اس کا کافی ہونا اور سب سے بڑھکر اختیار اور تقدیر الہی کا ظاہری اختلاف، یہ وہ مسائل تھے جن کو اہل مغرب نے ایسے جوش و خروش کے ساتھ اٹھایا جس جوش و خروش کے ساتھ اہل مشرق نے اپنے عقائد کے مخصوص جہات کو اٹھایا تھا۔ اب امر غور طلب یہ ہے کہ یونانی بولنے والے اور لاطینی بولنے والے موعلوں کے دنیا کے مسائل میں ایسے بن اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ کلیسا کے مورخین یہ کہہ کر تقریباً اس کے حل تک پہنچ گئے ہیں کہ جدید مسائل ان ذہنی مسائل سے جنہوں نے مشرقی عیسویت کو متفرق کر دیا تھا زیادہ تر "علمی" تھے، مگر جہاں تک میرا علم ہے مورخین میں سے کوئی شخص اسے پوری طرح حل نہیں کر سکا ہے۔ ہاں میں بلا تامل یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان دونوں دینی نظاموں کا فرق یہ ہے کہ یہ مذہبی تخیلات مشرق سے مغرب کی طرف منتقل ہونے میں یونانی مابعد الطبیعیات کی آب و ہوا سے گزر کر قانون روما کی آب و ہوا میں داخل ہو گئے تھے۔ قبل اس کے کہ یہ مباحث غیر معمولی اہمیت حاصل کریں، صدیوں تک مغربی رومیوں کی تمام تر توجہ صرف اصول قانون کی طرف مبذول رہی تھی۔ اور وہ حالات زندگی کی ہر ممکن توقع

(۲۷)

(۳۱۸)

صورت کے لئے اصول کے ایک مخصوص مجموعہ کو کام میں لانے کی کوشش میں مصروف تھے کوئی دوسرا منتقل یا مذاق ایسا نہ تھا جو ان کی توجہ اس کام سے پھریکے، اس کی انجام دہی کے لئے ان کے پاس صحیح اور وسیع افہات کا مجموعہ، درست طریقہ استدلال، ہر طرز عمل کے متعلق متعارف اقوال کا ذخیرہ جس کی ایک حد تک تجربہ سے توثیق بھی ہو چکی تھی، اور ایک مستقل اخلاقی فلسفہ، موجود تھا۔ ایسی حالت میں یہ ناممکن تھا کہ وہ عیسوی مذہب کی کتابوں سے انھیں مسائل کو نہ منتخب کریں جو ان کے مروجہ خیالات سے مشابہ تھے، اور ان کے طریقہ بحث میں ان کے عدالتی رنگ کی جھلک نہ آجائے تقریباً ہر شخص جسے قانون روما سے اس قدر واقفیت ہے کہ وہ ان کے نظام فوجداری، اور ان کے اصول و جوہر، خواہ وہ معاہدہ سے پیدا ہوئے ہوں یا کسی فعل قابل ہر جہ سے۔ اور قرضہ اور اس کی عائد، زائل، اور منتقل ہونے اور فطری توریث میں شخصی وجود کے تسلسل کے خیالات سمجھ سکتا ہے، وہ یہ بتا سکتا ہے کہ وہ رجحان خاطر جس نے مغرب کے مذہبی مسائل کو اس قدر مقبول کر دیا کس طرح پیدا ہوا، اور وہ زبان کہاں سے آئی جس میں یہ مسائل بیان کئے گئے، اور وہ طریقہ استدلال جس سے ان کے حل میں کام لیا گیا کہاں سے اخذ کیا گیا یہ امر بھولنا نہ چاہئے کہ جو قانون روما مغربی دماغوں میں جاگزیں ہو گیا تھا وہ نہ قدیم شہر کا متروک نظام، اور نہ بیزنطی شہنشاہوں کا کاٹا اور چھپاٹا ہوا اصول قانون تھا، اس کی نسبت یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ قواعد کا ایسا مجموعہ تھا جو زمانہ حال کے خود رو اصول تخیل کے نیچے وبا ہوا پڑا تھا، جو آج کل سول قانون کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جس کا ذکر میں کر رہا ہوں وہ اصول قانون کا ایسا فلسفہ ہے، جس کو عہد انٹینی کے بڑے بڑے مقننین نے سوچ کر نکالا تھا اور جو اس وقت بھی ایک حد تک جینیٹین کے ڈائجسٹ (Pandects) سے

ماخوذ ہو سکتا ہے۔ یہ ایسا نظام ہے جس میں نقائص بہت کم پائے جاتے ہیں، شاید اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس میں نزاکت یقین اور صحت کا اس قدر لحاظ کیا گیا ہے کہ کوئی انسانی قانون انسانی معاشرت کو ان حدود میں محدود کر دینے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

یہ قانون روما کی اس ناواقفیت کا نتیجہ ہے جس کا نہ صرف اعتراف انگلستان کے رہنے والے کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات اس پر فخر کرنے سے بھی نہیں سہکتے، کہ انگلستان کے اکثر مستند اور مشہور مصنفین نے اس ناواقفیت کی بنا پر سلطنت روما کے عہد میں انسانی عقل کے متعلق بے حد تبعد العقل اور ناقابل قبولی راہیں قائم کی ہیں۔ یہ بات بھی اس قدر وثوق کے ساتھ کہی جانی چاہیے کہ گویا اس سہ کے بیان کرنے میں کسی غیر معمولی جرأت سے کام نہیں لیا جاتا کہ اگسٹس کے عہد کے بعد سے اس وقت تک کہ مذہب عیسوی کے سائل سے ایک عام دلچسپی پیدا ہوئی، مذہب دنیا کے تمام ذہنی قوی بے حس و حرکت پڑے تھے۔ ذہنی مضامین میں، یہ استثنائے طبعی علوم کے، غالباً دو ہی مضمون ایسے ہیں جو انسان کی تمام قوتوں اور قابلیتوں کو کام میں معروف رکھ سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک علم مابعد الطبیعیات کی تحقیق ہے، جس کی اس وقت تک کوئی انتہا نہیں ہو سکتی جب تک کہ دماغ خود اپنے متعلق سوچنے میں بے اطمینان لگا رہتا ہے۔ دوسرا مضمون قانون ہے، جو اتنا وسیع ہے جتنے انسانی معاملات ہیں۔ جس زمانہ سے اس وقت بحث ہے اس میں اتفاق سے یونانی بولنے والے ممالک ایک مضمون اور لاطینی بولنے والے ممالک دوسرے مضمون کی طرف متوجہ تھے۔ اسکندریہ اور مشرق کے تخیلات کے نتائج سے قطع نظر کر کے میں بھروسہ کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ روما اور مغرب دونوں جس کام میں معروف تھے وہ ایسا کام تھا کہ اس کے بعد ان کو دوسرے دماغی کام کرنے کی

ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ اور جہاں تک ہمیں علم ہے جو متواتر اور یکسو محنت اس پر کی گئی تھی اس کا نتیجہ اُسی کے مطابق نکلا۔ ایک پیشرو متقین کے سوائے شاید کوئی اور شخص پوری طرح یہ نہ سمجھ سکے کہ قانون ایک شخص کے ذہنی قوی کو کس حد تک اپنی طرف متوجہ رکھ سکتا ہے، مگر ایک معمولی شخص کو بھی یہ سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی کہ اس کی کیا وجہ تھی کہ اہل روما کی مجموعی ذہنی قوت غیر معمولی طور سے اصول قانون پر مبذول رہی۔ ”اصول قانون میں ایک مخصوص جماعت کی ترقی بالآخر انہیں حالات پر منحصر ہوتی ہے جس پر ان کی دوسری تحقیقات کی ترقی کا انحصار ہوتا ہے، جس کے خاص اجزاء یہ ہیں کہ قوم کے کتنے عقلا اس میں مصروف رہے اور کتنے زمانہ تک جو اسباب بواسطہ یا بلا واسطہ ایک فن کی ترقی اور تکمیل کے لئے ضرور ہوتے ہیں وہ سب مل ملا کر، بارہ الواج کے زمانہ سے لے کر دونوں سلطنتوں کی غلطی تک، بلا وقفہ اور بلا انفصال، روز افزوں قوت اور تعداد کے ساتھ، اہل روما کے اصول قانون کی ترقی اور تکمیل کرتے رہے ہیں۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جدید قوموں کی ذہنی جدوجہد سب سے پہلے اپنے قوانین ہی پر مبذول ہوتی ہے، اور جب ان کا دماغ کلیات کے قائم کرنے کی دانتہ کوشش کرنے لگتا ہے، تو سب سے پہلے روزمرہ زندگی کے واقعات، عام قواعد اور حاوی ضوابط کے دائرے میں داخل ہونے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ ایسے شغل کی ہر دفعہ زری کی جس پر ایک جدید قائم شدہ جمہوری حکومت کی تمام جدوجہد مصروف ہوتی ہے ابتدا میں کوئی حد نہیں رہتی، لیکن رفتہ رفتہ اس میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ اور جو توجہ تنہا قانون کی طرف ہوتی ہے وہ باقی نہیں رہتی۔ اہل روما

(۳۲۱)

کے بڑے بڑے متفنین کے دروازوں پر صبح کے وقت جو مجمع رہتا تھا وہ گھٹتا جاتا ہے۔ اور انگلستان کی قانونی تعلیم گاہوں میں بجائے ہزاروں کے صرف سیکڑوں طلباء نظر آتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ دوسرے علوم و فنون ادبیات اور سیاسیات، قوم کے دماغی جدوجہد کے ایک حصہ کے دعویدار ہو جاتے ہیں، اور اصول قانون کا عمل ایک پیشہ ور جماعت کے دائرہ میں آ جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دائرہ محدود یا مختصر نہیں ہوتا اور اس میں داخل ہونے کی ترغیب معاوضہ اور خود اس فن کی ذاتی دل آویزی سے ہوتی ہے۔ ان تبدیلیوں کا تسلسل انگلستان سے زیادہ روما میں ظاہر ہوا۔ جمہوری حکومت کے ختم تک فوج کی سرکردگی کی مخصوص لیاقت کے سوائے اظہار قابلیت کا واحد میدان قانون تھا۔ مگر اگستس کے عہد میں ہماری تاریخ کے عہد ایلزبتھ کی طرح دماغی ترقی کا ایک جدید دور شروع ہوا۔ ایلزبتھ کے عہد میں نظم و نثر نے جو ترقی کی اس سے ہم سب واقف ہیں، مگر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اس وقت بعض آثار ایسے موجود تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ زمانہ جو زیبائشی ادبیات کو نشوونما دے رہا تھا اس پر آمادہ ہے کہ طبیعی علوم کے میدان میں جدید فتوحات کے راستے کھول دے۔ پس سے حکومت روما کی ذہنی تاریخ کا راستہ اس راستہ سے جدا ہو جاتا ہے جس پر اس وقت ذہنی ترقی چل رہی ہے۔ روما کے حقیقی ادبیات کا مختصر عہد مختلف اثرات سے دفعتاً ختم ہو گیا، جس کے وجوہ اگرچہ ایک حد تک بیان کئے جاسکتے ہیں، مگر اس موقع پر ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ قدیم قوائے دماغی مجبور ہو کر پھر انھیں قدیم راستوں پر پڑ گئے، اور قانون پھر ایسے زمانہ کی طرح قابلیت کا میدان قرار پایا جیسا کہ اس زمانہ میں تھا جبکہ اہل روما فلسفہ کو نظر حقارت سے دیکھتے، اور نظم کو نادان اقوام کا کھیل سمجھتے تھے۔ شاہی زمانہ میں ان بیرونی ترغیبات کی نوعیت، جو ایک فطری قابل شخص کو متغیر ہو جانے کی طرف تھیں تھیں تھی

(۳۲۲) بخوبی ذہن میں آجاتی ہے، جب اس پر غور کیا جاتا ہے کہ پیشہ کے انتخاب میں اس کے لئے کتنے راستے کھلے ہوئے تھے۔ ممکن تھا کہ وہ علم بدیع کا معلم، یا کسی سرحدی فوج کا سرکردہ، یا پیشہ وریج کو ہو جا ان کے سوائے کارآمد زندگی کا اگر کوئی اور راستہ اس کے لئے کھلا ہوا تھا تو وہ یہی تھا کہ وہ قانون کو بطور پیشہ کے اختیار کرے۔ یہی ایک ایسا راستہ تھا جس سے وہ دولت، شہرت، خدمت، شہسای اعتبار، اور ممکن تھا کہ خود بادشاہی حاصل کر سکے۔

قانونی تعلیم کی قدر و قیمت اس قدر بڑھ گئی کہ سلطنت کے حصہ میں قانونی مدرس قائم ہو گئے، یہاں تک کہ ملک کا وہ حصہ بھی جو علم مابعد الطبیعیات کے زیر اثر تھا اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ بازنطیم میں دارالسلطنت کے منتقل ہو جانے سے مشرق میں قانونی تعلیم نے قابل احساس ترقی کی، مگر ان علوم و فنون کی تعلیم کو روک نہ سکی جو وہاں اس کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اس کی زبان لاطینی تھی جو سلطنت کے نصف مشرقی حصہ کے لئے غریبانوس تھی۔ مغربی حصہ ہی ایسا ہے جس کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قانون نہ صرف حوصلہ مند اور ذی ہمت لوگوں، بلکہ تمام ذہنی جدوجہد کا روح رواں تھا۔ خود روما کی تعلیم یافتہ جماعت میں یونانی فلسفہ صرف ایک عارضی مذاق رہا، اور جب جدید مشرقی دارالسلطنت کے قیام سے سلطنت دو اجزا میں منقسم ہو گئی تو یونانی تخیلات سے مغربی ممالک کی علیحدگی، اور اس کی ہمہ تن قانونی مصروفیت قطعی ہو گئی۔ یونانیوں کے اتباع کو ترک کر دینے کے بعد جب انھوں نے اپنی دنیات پر غور کرنا شروع کیا تو انھیں معلوم ہوا کہ وہ عدالتی خیالات اور عدالتی اصطلاحات سے محروم ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ مغربی دنیات میں قانون کی جڑیں بہت گہری گئی ہوئی ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد چند یونانی اصول، یعنی ارسطاطالیس کا فلسفہ مغرب میں داخل ہوا جس نے

اس کے ملکی عقائد کو بالکل دبا دیا ، لیکن جب اصلاح کے زمانہ میں وہ ایک حد تک اس اثر سے آزاد ہو گیا ، تو فوراً قانون اس کا جانشین ہو گیا۔ یہ تباہی مشکل ہے کہ کالون یا ارمینس کے مذاہب میں سے قانونی رنگ کس مذہب میں زیادہ تر پایا جاتا ہے۔

اہل روما کے مخصوص اصول معاہدہ کا جو قوی اثر زمانہ حال کے قوانین مطابقت کے شعبوں پر پڑا اس کی تفصیل کا تعلق کامل ہول قانون کی تاریخ سے ہے ، جس کی گنجائش اس کتاب میں نہیں نکل سکتی۔

اس اثر کا احساس اس وقت ہوا جبکہ مکتب بلوگنا (School of Bologna)

نے موجودہ یورپ کے فن قانون کی بنیاد قائم کی۔ اہل روما کا اپنی سلطنت کے زوال کے قبل معاہدہ کے تصور کو درجہ کمال پر پہنچا دینا ایسا واقعہ ہے جو اس زمانہ سے بہت پہلے مسلم اور اہم قرار پایا تھا ہے

میں بارا کہہ چکا ہوں کہ نظام جاگیر (Feudalism) متروک وحشیانہ

مراسم اور قانون روما کا ایک مرکب تھا ، اس کے سوائے نہ اس کی

کوئی اور تشریح ہو سکتی ، اور نہ سمجھ میں آ سکتی ہے۔ جاگیری عہد کے

ابتدائی تمدن کی شکل اس شکل سے زیادہ مختلف نہیں تھی جس

میں ابتدائی تمدن کے انسان ہر جگہ معمولی طور سے مل جل کر رہتے

تھیں۔ جاگیر بلحاظ ترکیب کے ایسے شرکاء کی ایک کل برادری

تھی جن کے مالکانہ اور ذاتی حقوق اس طرح مخلوط تھے کہ ان کا ایک

دوسرے سے جدا کرنا مشکل تھا۔ اس میں اور ہندوستان کی دیہی

برادری اور اسکاٹ لینڈ کے قبائل میں بہت سی باتیں ملتی جلتی

(۲۲۲)

پائی جاتی ہیں۔ پھر بھی اس میں بعض باتیں ایسی تھیں جو ان جماعتوں

میں مطلق نہیں پائی جاتیں جو پہلے پہلے تمدن کے میدان میں قدم

رکھتی ہیں۔ حقیقی قدیم جماعتوں کا باہم مل کر رہنا کسی قسم کے

صریح قواعد پر نہیں ، بلکہ ایک خیال یا یوں کہو کہ عقل حیوانی پر مبنی

تھا ، اور اس برادری میں جدید طور سے آکر شریک ہو جانے والے

اس عقل حیوانی کے دائرہ میں اس بنا پر داخل کر لئے جاتے تھے کہ وہ اس جماعت کے ساتھ حقیقی رشتہ کا ادعا کرتے تھے، اور حقیقی رشتہ ہی فطری طور سے عقل مذکور کے عالم وجود میں آنے کا سبب ہوتا ہے۔ لیکن عہد جاگیر کی ابتدائی جماعتوں کا باہمی تعلق صرف بر بنائے عقل حیوانی نہ تھا، اور نہ اس میں کسی مفروضہ کی بسا پر اضافہ ہوتا تھا۔ جو تعلق انھیں باہم ملائے ہوئے تھا وہ بر بنائے معاہدہ تھا، اور وہ معاہدہ ہی کے ذریعہ سے جدید شرکا کو حاصل کر سکتے تھے۔ جاگیردار اور اس کی رعایا کا ابتدائی تعلق صریح معاہدہ سے قائم ہوتا تھا۔ اور جو شخص اس برادری میں سفارش سے یا رعایا بن کر داخل ہوتا تھا اسے اپنے داخل کی شرائط پر صریح رضامندی کا اظہار کرنا ہوتا تھا۔ پس جو چیز جاگیری ادارات (Feudal institutions) کو قدیم اقوام کے خالص عہد آمد سے ممیز کرتی ہے وہ معاہدہ ہے۔ جاگیردار میں پدرسری خاندان کے سردار کی بہت سی خصوصیات پائی جاتی تھیں، لیکن اس کے اختیارات ان مختلف مروجہ مراسم سے محدود تھے جن کا ماخذ وہ صریح شرائط تھے جو داخل کے وقت طے کر لئے جاتے تھے۔ یہی وہ خاص اختلافات ہیں جو جاگیری تمدن کو صحیح طور سے قدیم تمدن قرار دینے میں مانع ہوتے ہیں۔ جاگیری تمدن بہ نسبت قدیم تمدن کے زیادہ تر دیرپا اور بہت زیادہ مختلف الوضع تھا۔ دیرپا اس وجہ سے تھا کہ صریح قواعد کا بہ نسبت فطری عادات کے ضایع ہونے کا بہت کم اندیشہ ہوتا ہے؛ اور مختلف ایوضع ہونے کا یہ سبب تھا کہ جس معاہدہ پر وہ مبنی ہوتے تھے وہ تفصیلی حالات اور ان اشخاص کی خواہشات کے مطابق ہوتے تھے جو اپنی اراضی حوالے یا عطا کر دیتے تھے۔ مونسر الذکر بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ تمدن کی ابتدا کے متعلق جو جابلانہ رائے ہم لوگوں میں شایع ہے وہ نظر ثانی کی محتاج ہے۔ اکثر یہ

کہا جاتا ہے کہ موجودہ تہذیب کا بے ترتیب اور مختلف الوضع نقشہ جرمن اقوام کی جوش زن اور بے ترتیب ذہانت کا نتیجہ ہے اور بیشتر اس کا مقابلہ سلطنت روما کے غیر دلچپ ضوابط مقررہ سے کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطنت روما موجودہ تمدن میں قانونی تصور چھوڑ گئی ہے جس کی طرف یہ تمام بے ترتیبی منسوب کیجا سکتی ہے! اگر وحشی اقوام کے دستور اور مراسم کی ایک خصوصیت دوسری خصوصیت زیادہ تر نمایاں ہو سکتی ہے تو وہ ان کی انتہائی یکسانیت ہے۔

فصل دہم

(۳۲۶)

افعال و تابلہ جہ (Delict) اور جرائم کی قدیم تاریخ

منجملہ ان قدیم غیر مذہبی قوانین کے جو ہمیں اس حالت میں پہنچے ہیں کہ ہم ان کے ابتدائی حجم کے متعلق کوئی صحیح قیاس قائم کر سکتے ہیں وہ صرف ٹیوٹانی اقوام کے مجموعہ ہائے قوانین ہیں جن میں ہمارے انگلویکسن آبا و اجداد کے قوانین بھی شامل ہیں۔ اگرچہ رومی اور یونانی مجموعہ ہائے قوانین کے جو اجزاء اس وقت موجود ہیں ان سے ان کی عام حالت کا پتہ چل جاتا ہے، مگر وہ اس مقدار میں نہیں ہیں کہ ان سے ان کی صحیح وسعت یا ان کے اجزاء کے باہمی تناسب کا پتہ چل سکے۔ تاہم قدیم قوانین میں، جو ہمارے علم میں ہیں، ایسے خصوصیات موجود ہیں جو انہیں مکمل اصول قانون کے نظام سے نمایاں طور سے ممیز کرتے ہیں۔ قوانین فوجداری کا جو مناسب قوانین دیوانی سے ہے وہ بے حد مختلف ہے جرمنی کے مجموعہ قوانین میں دیوانی کا جز فوجداری کے مقابلہ میں بہت مختصر ہے۔ جو روایتیں ڈریکو (Draco) کے

مجموعہ قانون کی سزاؤں کو برحمانہ بتاتی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں بھی تناسب کی یہی خصوصیت تھی۔ البتہ بارہ الہام میں جو بڑے بڑے ذہین مقننین کے مجموعی غور و فکر کا نتیجہ ہیں، اور جو ابتدا میں بہت نرم تھیں، دیوانی قانون کو تقریباً موجودہ زمانہ کی سی ترجیح حاصل ہے مگر افعال بیجا کے چارہ کار کے لئے جس قدر لکھا گیا ہے، اگرچہ وہ بے حد نہیں ہے تاہم نسبتاً زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ میرے خیال میں عام طور سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس قدر مجموعہ قوانین قدیم ہوتا ہے اسی قدر اس میں فوجداری احکام زیادہ اور تفصیلی ہوتے ہیں۔ اس حالت کا بار بار مشاہدہ ہو چکا ہے، اور اس کی توضیح ایک حد تک صحیح طور سے ان دست درازوں سے کی جا چکی ہے جس کی وہ قویں جو پہلے پہل ایسے قوانین کو ضبط تحریر میں لاتی ہیں عادی ہوتی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وحشیانہ زندگی میں خاص قسم کے واقعات متواتر پیش آنے کے لحاظ سے وضع قانون اپنے کام کو مناسب اجزا میں تقسیم کرتا ہے، مگر میرے خیال میں یہ بیان مکمل نہیں ہے۔ یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ قدیم مجموعوں میں دیوانی قانون کی بالترتیب کی ایسی خصوصیت ہے جو قدیم اصول قانون کی دوسری خصوصیات سے جن سے ہم قبل ازیں اس کتاب میں بحث کر چکے ہیں مطابقت رکھتی ہے۔ مہذب جماعتوں میں دیوانی قانون سے جو کام لیا جاتا ہے اس کا حصہ قانون اشخاص، قانون جائداد، قانون وراثت، اور قانون معاہدہ کے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جس قدر ہم تمدنی برادری کی پیدائش کے زمانہ کے قریب ہوتے جاتے ہیں، اسی قدر اصول قانون کے ان احساں کا دائرہ تنگ ہوتا جاتا ہے قانون اشخاص بجز قانونی حیثیت کے اور کچھ نہیں ہے، اور جب کوئی حیثیت والدین کے عام اختیارات کے تحت میں آکر باقی نہیں رہتی، اور زوجہ کو شوہر کے، اور بیٹے کو باپ کے، اور نابالغ کو اپنے یک جدی اولیاء کے

(۳۲۸)

مقابلہ میں کوئی حق نہیں ہوتا تو قانون اشخاص کا بید سنگ ہو جاتا ایک لازمی امر ہے۔ اسی طرح جائداد اور وراثت کے قواعد بھی اس وقت تک کثرت کے ساتھ نہیں ہو سکتے جب تک کہ اراضی اور مال خاندان کے اندر منتقل ہوتا رہتا ہے، اور اگر تقسیم ہوتا ہے تو اسی دائرہ میں تقسیم ہوتا ہے۔ مگر قدیم دیوانی قوانین کی کمی کا بڑا باعث معاہدہ کا نہ موجود ہونا ہے۔ بعض قدیم مجموعے تو اس کا ذکر ہی نہیں کرتے اور بعض اس کی جگہ پر حلف کے تفصیلی قواعد قائم کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخلاقی تصور جس پر معاہدہ کی بنا ہے ہنوز درجہ کمال کو نہیں پہنچا تھا۔ قانون فوجداری کی کمی کی کوئی ایسی وجہ نہیں ہو سکتی، اور اس لئے اگر یہ مقولہ بھی خطرہ سے خالی نہ سمجھا جائے کہ قوموں کا بچپن ہمیشہ ناقابل انتظام دست درازوں کا زمانہ ہوتا ہے تب بھی اس کا سمجھ میں آنا کچھ دشوار نہیں رہتا کہ جو تعلق اس زمانہ میں فوجداری قانون کو دیوانی قانون سے ہے وہ قدیم مجموعوں میں کیوں الٹ جاتا ہے۔

میں نے پہ بیان کیا ہے کہ قدیم اصول قانون میں قوانین فوجداری کو جو ترجیح دی گئی ہے وہ زمانہ حال کے قوانین میں نہیں پائی جاتی۔ قوانین فوجداری کی اصطلاح میں نے آسانی کے لحاظ سے استعمال کی ہے مگر قدیم مجموعوں کے دیکھنے سے حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ قانون کے جس حصہ پر انہوں نے غیر معمولی طور سے زور دیا ہے وہ حقیقی طور سے قانون فوجداری نہیں ہے۔ تمام مذہب نظام ہائے قانونی متفقہ طور سے ان جبرائیم میں جو حکومت یا جماعت کے خلاف ہوتے ہیں اور ان جرائم میں جو واحد شخص کے خلاف ہوتے ہیں تمیز کرتے ہیں، ان دو قسم کے مضامین کو جو اس طرح ممیز کئے گئے ہیں، بغیر اس ادعا کے کہ ان کا استعمال اصول قانون میں ہمیشہ اسی طرح ہوا ہے، میں اس موقع پر جرائم اور افعال ناجائز (Crimina and Delicta) کے ناموں سے موسوم کر سکتا ہوں۔ قدیم اقوام کا قانون فوجداری قانون جرائم نہیں ہے

بلکہ وہ قانون افعال ناجائز یا اگر انگریزی اصطلاح کا استعمال کیا جائے تو قانون ہرجہ (Tort) ہے۔ اس میں شخص مضرت رسیدہ شخص مضرت رساں کے خلاف معمولی طور سے بصیغہ دیوانی دعویٰ کرتا، اور بصورت کامیابی نقد رقم کی شکل میں معاوضہ پاتا ہے۔ اگر کمیس کی شرح کا وہ مقام کھول کر معاوضہ کیا جائے جہاں وہ فوجداری کے ان اصول قانون سے بحث شروع کرتا ہے جو بارہ الواج پر مبنی ہیں، تو ظاہر ہوگا کہ دیوانی افعال ناجائز مسلمہ قانون روما کی ابتداء سرقہ سے ہوتی ہے۔ اور وہ خلاف ورزیاں جنہیں ہم خالص جبرائیم سمجھنے کے عادی ہیں، افعال قابل ہرجہ منظور ہوتے ہیں۔ مقتنین نے سرقہ ہی کو نہیں بلکہ حملہ، اور سخت رہزنی کو بھی، مداخلت بیجا، ازالہ حیثیت عرفی اور غلط الزام کے ساتھ ملا دیا ہے۔ ان سب سے وجوب یا رشتہ متیانونی (Vinculum juris) پیدا ہوتا تھا اور ان سب کا معاوضہ ادائے رقم سے ہو سکتا تھا۔ یہ خصوصیت جس من اقوم کے مجتہد قوانین میں بہت صاف طور سے نظر آتی ہے۔ قتل انسان مستلزم سزا کے لئے ایک وسیع نظام خون بہا کا قرار دیا گیا تھا، جس میں کوئی استثناء نہ تھا اور خفیف مضرت کے لئے بھی اسی طرح کے معاوضہ کی تجویز تھی، جس میں بہت تھوڑے مستثنیات تھے۔ مسٹر کمبل (Kemble) انگلو سیکسن قانون کے متعلق (انگلو سیکسن ج ۱ صفحہ ۷۷) لکھتے ہیں کہ ”ہر آزاد شخص کی حیثیت کے مطابق اس کا خون بہا مقرر تھا، اور اسی طرح ہر زخم کے لئے جو اس کے جسم پر لگایا جائے، اور ہر ایسے صدمہ کے لئے جو اس کے دیوانی حقوق عزت یا امن کو پہنچایا جائے زر نقد کی مقدار معین تھی، اس مقدار میں اتفاقی حالات کے لحاظ سے اضافہ ہو سکتا تھا“ تصفیہ کا یہ طریقہ بظاہر آمدنی کا بڑا ذریعہ تصور ہوتا تھا، اور رقم وصول شدہ کے استحقاق اور ذمہ داری کے متعلق بجد پیچیدہ قواعد تھے، اور جیسا کہ قبل ازیں بیان کر چکا ہوں اکثر ان کا تسلسلہ انتقال بہت عجیب ہوتا تھا، اگر شخص متعلقہ

کی وفات تک ان سے برائت چل نہیں کر لی جاتی تھی۔ اس لئے اگر انکا ناجائز یا افعال قابل ہرجہ کا معیار قرار دیا جائے کہ اس میں شخص مضرت رسیدہ حکومت نہیں، بلکہ وہی شخص سمجھا جاتا تھا جو اس تکلیف میں مبتلا ہوا، تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اصول قانون کے ابتدائی زمانہ میں لوگوں کے پاس دست ورازی اور غریب سے محفوظ رہنے کا ذریعہ قانون جرائم نہیں بلکہ قانون ہرجہ تھا۔

یہی وجہ ہے کہ قدیم اصول قانون میں ہرجہ پر اس قدر زور دیا گیا ہے، اس کے ساتھ ہی گناہوں کی طرف سے بھی غفلت نہیں کی گئی ہے۔ میٹامانی مجموعہ ہائے قوانین کے متعلق یہ بیان کرنا تقریباً غیر ضروری ہے کیونکہ وہ مجموعے جس شکل میں ہم تک پہنچے ہیں وہ عیسائی و اصنان قانون کے مرتب یا ترمیم کئے ہوئے ہیں۔ مگر جن قدیم قوانین کو عیسائیت سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے ان میں بھی بعض قسم کے افعال اور ترک افعال کے لئے تعزیرانہ سزائیں مقرر کی گئی ہیں، اس بنا پر کہ وہ بدایا اور احکام الہی کی خلاف ورزیاں ہیں۔ ایچٹھن میں اریو پیٹیس کی مجلس رفقا جس قانون کے مطابق عمل کرتی تھی وہ غالباً ایک مذہبی مجموعہ تھا، اور روما میں قدیم زمانہ سے مذہبی پیشوا زنا، توہین مذہب، اور غالباً قتل عام کی بابت سزا دی کے مجاز تھے۔ لہذا یہ سمجھنا چاہئے کہ یونان اور روما کی حکومتوں میں گناہوں کی بابت سزا دی جاتی تھی، اور اسی طرح ہرجہ کی صورتوں میں سزا دینے کے قوانین موجود تھے۔ احکام الہی کی خلاف ورزی کا تصور مقدم الذکر احکام اور پڑوسیوں کے حقوق کی خلاف ورزی کا تصور موخر الذکر احکام کے وجود میں آنے کا باعث ہوا مگر حکومت یا عام جماعت کے خلاف جرائم کا تصور ابتدائیں صحیح اصول قانون فوجداری نہ پیدا کر سکا۔

باوجود اس کے یہ نہ فرض کر لینا چاہئے کہ کوئی ابتدائی سی ابتدا جماعت بھی حکومت کے مقابلہ میں افعال ناجائز کے سیدھے سادے تصور

سے خالی تھی۔ بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود اس تصور کا نمایاں طور سے پیش نظر ہونا ابتدا میں قانون فوجداری کے عدم نشوونما کا صحیح باعث ہوا۔ بہر حال جب اہل روما کی عام جماعت کو اپنی مضرت پہنچنے کا تصور پیدا ہو گیا، تو شخصی معزت کی یکامل مطابقت سے جو نتیجہ نکل سکتا تھا وہ نکالا گیا اور حکومت اس شخص سے جو اس کے مقابلہ میں کسی ناجائز فعل کا مرتکب ہوتا تھا کسی نہ کسی طرح بدلہ لینے لگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمہوری حکومت کے آغاز میں ہر ایسی خلاف ورزی کی جس سے اس کے استقلال یا اس کے مقاصد میں سخت خلل اندازی کا اندیشہ ہوتا تھا، اضعاف قانون کے وضع کردہ ایک جہد کا قانون سے سزا دی جاتی تھی۔ جبرم کا یہ ابتدائی تصور ہے؛ یعنی وہ ایسا پر اندیشہ فعل سمجھا گیا ہے کہ حکومت بجائے اس کے کہ اس کی سماعت دیوانی یا مذہبی عدالت میں ہونے دے، اس کے مرتکب کے لئے ایک مخصوص قانون یا عمل خاص (Privilegium) وضع کئے جانے کی ہدایت کرتی ہے۔ اس لئے ہر فرد قرار دادر جرم کی حیثیت قانون خاص بغرض سزا دی (Bill of Pains and Penalties) کی ہوجاتی تھی، اور جو کارروائی مجرم کے مقابلہ میں کی جاتی تھی وہ بالکل غیر معمولی بالکل بے ضابطہ، اور بلا لحاظ مقررہ قواعد اور معینہ حالات کیے ہوتی تھی۔ اور چونکہ فیصلہ کرنے والی عدالت خود فرماں روا حکومت ہوتی تھی اور افعال محکومہ اور ممنوعہ کی تقسیم نامکن تھی، اس لئے اس زمانہ میں کوئی قانون جبرائم یعنی فوجداری کا اصولی قانون موجود نہ تھا۔ یہ طریقت کارروائی بعینہ وہی تھا جو ایک معمولی قانون کے نفاذ میں اختیار کیا جاتا تھا، وہی لوگ اس کے محرک ہوتے تھے اور وہی تمام کارروائی کی جاتی تھی جو ایسے مواقع کے لئے مخصوص تھی۔ یہ امر بھی قابل بیان ہے کہ جب اس کے بعد ایک باضابطہ قانون فوجداری معہ عدالتوں اور اس کے عمدہ داروں کے معرض وجود میں آ گیا، اس وقت بھی قدیم ضابطہ

حب توقع اپنے اصول کی مطابقت کے لحاظ سے قابل عملدرآمد رہا، اور اگرچہ اس اختیار کا عمل میں لایا جانا پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا، مگر اہل رومائے مخصوص قانون کے ذریعہ سے ایسے جرائم کی سزا دی (۲۳۲) کا اختیار اپنے ہاتھ ہی میں رکھا جن کا ارتکاب ان کی عظمت و شان کے خلاف کیا جاتا تھا۔ جو لوگ یونان کی تاریخ کے ماہر ہیں انھیں یہ سچائی کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ اسی طرح باضابطہ عدالتوں کے قائم ہو جانے کے بعد یونان میں بھی مجرمین کی سزا دی کے لئے خاص قانون کے نفاذ کا طریقہ رائج رہا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ لوٹانی اقوام کے آزاد اشخاص جب وضع قوانین کے لئے جمع ہوتے تھے تو وہ سخت ترین حسبِ راء یا معزز مرتکبان جرائم کی سزا دی کے لئے مخصوص قانون وضع کرنے کے اختیار کے مدعی ہوتے تھے۔ انگلوکسین کی پٹارٹ (Witenagemot) کے اختیارات فوجداری بھی اسی نوعیت کے تھے۔

ممکن ہے کہ یہ خیال کیا جائے کہ قانون فوجداری کے قدیم اور جدید تصور میں جو فرق میں نے بتایا ہے اس کا وجود محض لفظی ہے، اور یہ کہا جائے کہ جماعت عامہ نے حسبِ راء کی بابت وضع قوانین کے ذریعہ سے سزا عائد کرنے کے علاوہ، ابتدا سے اپنی عدالتوں کے توسط سے خاطیوں پر زور ڈالا ہے کہ وہ اپنے افعال ناجائز کی بابت مصالحت کر لیں، اگر فی الحقیقت اس نے ایسا ہی کیا ہے تب بھی اس نے یقیناً یہ فرض کر لیا ہوگا کہ خاطی کے فعل ناجائز سے اس کو مضرت پہنچی۔ ہمارے زمانہ میں یہ نتیجہ خواہ کیسا ہی قوی کیوں نہ معلوم ہوتا ہو، مگر قدیم زمانہ کے لوگوں کی نسبت یہ خیال کرنا کہ فی الحقیقت وہ اس نتیجہ پر پہنچے تھے بہت زیادہ مشتبہ ہے۔ قدیم زمانہ میں عدالتوں کے ذریعہ سے حکومت کی دست اندازی کو جماعت کی مضرت کے تصور سے جس قدر بے تعلقی تھی اس کا اظہار ان مخصوص حالات سے ہوتا ہے کہ قدیم انصاف رسائی کے انتظام

(۳۳۳)

میں جو کارروائی ہوتی تھی وہ بعینہ انھیں افعال کی نقل ہوتی تھی جو متخاصمین اپنی خانگی زندگی میں عمل میں لاکر اپنی نزاعوں کو ختم ہو جانے دیتے تھے۔ حاکم عدالت نہایت احتیاط کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کرتا تھا جو ایسے خانگی ثالث کا ہوتا ہے جو اتفاقہ طور سے بلایا جائے۔

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ میرا یہ بیان محض خیالی نہیں ہے ہیں وہ شہادت پیش کروں گا جس پر یہ بیان مبنی ہے۔ سب سے قدیم عدالتی ضابطہ، جس کا علم ہمیں ہے، وہ اہل روما کا لیکس ایکٹوسیکرامنٹانی (Legis Acto Sacramenti) ہے، جو اہل روما کے معاہدے کے تمام قانون دعاوی کا ماخذ ثابت کیا جاسکتا ہے۔ گیمبس نے نہایت تفصیل کے ساتھ اس کے مراسم بیان کئے ہیں۔ اگرچہ یہ مراسم بظاہر بالکل بے معنی اور قابل مضحکہ معلوم ہوتے ہیں، مگر حقوڑے سے غور کے بعد ان کی تعبیر اور ان کا مفہوم صاف ہو جاتا ہے۔ شے مابہ النزاع کے متعلق یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ وہ عدالت میں موجود ہے۔ اگر وہ منقولہ ہوتی ہے تو فی الحقیقت حاضر کردیجاتی ہے۔ اگر غیر منقولہ ہوتی ہے، تو بجائے اس کے اس کا ایک حشر یا نمونہ لایا جاتا ہے، مثلاً اگر مابہ النزاع زمین ہے، تو اس کا ایک ڈھیلا اور اگر مکان ہے تو اس کی ایک اینٹ پیش کیجاتی ہے۔ گیمبس نے جو تمثیل پیش کی ہے اس میں مابہ النزاع ایک غلام ہے کارروائی اس طرح شروع ہوتی ہے کہ مدعی ایک چھڑی ہاتھ میں لئے آگے بڑھتا ہے، یہ چھڑی جیسا کہ گیمبس بصرحت بتاتا ہے، نیزے کی قائم مقام ہے۔ اور غلام پر ہاتھ رکھ کر اپنا حق ان الفاظ میں جتانے لگتا ہے۔ ”بروئے قانون کو یریشیم میں اس شخص کو اپنا آدمی مقرر دیتا ہوں بلحاظ اس صورت حال کے جو موجود ہے۔“

اور اس کے بعد یہ کہتا ہے کہ ”دیکھو میں تمہیں عصا سے چھوٹا ہوں“ اور غلام کو نیزے سے چھوٹا ہے۔ مدعی علیہ بھی یہی تمام افعال اور اشارات کرتا ہے۔ یہاں سے حاکم عدالت کی دست اندازی شروع ہوتی ہے اور وہ متخاصمین کو حکم دیتا ہے کہ غلام کو چھوڑ دیں یہ کہہ کر کہ ”تم دونوں آدمی اس سے دست بردار ہو جاؤ“ اس کی تعمیل کی جاتی ہے۔ اور مدعی مدعی علیہ سے دریافت کرتا ہے کہ اس کی مداخلت کے کیا اسباب ہیں۔ ان الفاظ میں کہ ”میں استدعا کرتا ہوں کہ آپ وہ وجوہ بیان کریں جن کی بناء پر آپ اس کے دعوے دار ہیں“

اس کے جواب میں اظہار حق کی پھر تجدید کی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ ”میں اپنے دعویٰ کو اس حق پر قائم کرتا ہوں کہ میں نے اسے عصا سے چھوٹا ہے“ اسے سنکر فریق اول اپنے مقدمہ کی صداقت پر ایک رقم بطور واؤں کے لگاتا ہے جو سکرامینٹم (Sacramentum) کے نام سے موسوم ہوتی تھی۔ یہ کہہ کر کہ ”چونکہ آپ میرے دعویٰ کی صداقت امد واجبیت پر معترض ہیں لہذا میں بھی آپ پر معترض ہوتا ہوں اور یہ رقم بطور داؤں کے جمع کرتا ہوں“ اور مدعی علیہ یہ الفاظ کہہ کر کہ ”میں بھی ایسا ہی کرتا ہوں“ اسے منظور کر لیتا ہے۔ اس کے بعد کی جو کارروائی ہوتی تھی وہ کسی خاص ضابطہ کے مطابق نہ ہوتی تھی، البتہ یہ امر قابل بیان ہے کہ حاکم، اوں کی رقم کی بابت ضمانت لے لیتا تھا جو ہمیشہ داخل حشرانہ حکومت ہو جاتی تھی۔

اہل روما کے ہر قدیم مقدمہ کی یہ ابتدائی روئداد تھی۔ ہر نزدیک ان لوگوں کے ساتھ اتفاق نہ کرنا محال ہے جو اسے انصاف کے آغاز کی زندہ تصویر اور شبیہ قرار دیتے ہیں۔ دو مسلح آدمیوں میں ایک تنازعہ شے کی بابت جھگڑا ہو رہا ہے حاکم

(پریٹس) کا جو کہ ایک باعزت شخص ہے اور اس سے گزر ہوتا ہے اور وہ مجھکڑے کو چکا دینے کے لئے مداخلت کرتا ہے۔ متخاصمین اپنے اپنے دعاوی بیان کرتے ہیں اور اس پر راضی ہوتے ہیں کہ وہ بطور ثالث کے ان کا فیصلہ کر دے۔ اور یہ بھی قرار پاتا ہے کہ جو شخص ہارجائے وہ ثالث کو ایک معین رقم اس کی محنت اور ترضیع اوقات کے معاوضہ میں ادا کرے۔ یہ تعبیر اس قدر قرین عقل نہ ہوتی اگر ایک حیرت انگیز اتفاق سے وہ مراسم جنھیں کیس نے آغاز کار روانی مقدمہ کے لئے لازم بیان کئے ہیں، بجنسہ وہی نہ ہوتے جو حسب بیان ہومر ہیفسٹس (Hephaestus) دیوتا نے اچلیزیر کی ڈھال کے پہلے نانہ میں منجد اور دو مضامین کے نقش کر دیتے تھے۔ ہومر نے دریافت مقدمہ کا جو منظر دکھایا ہے اس میں نزاع جائیداد کی بابت نہیں ہے بلکہ ایک قتل کے خون بہا کے متعلق ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل ابتدائی تمدن کے خصوصیات کے اظہار کے لئے دیدہ و دانستہ کیا گیا ہے۔ ایک شخص یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس نے خول بہا ادا کر دیا ہے، دوسرا شخص اس کے وصول سے منکر ہے۔ جس تفصیل کی وجہ سے یہ تصویر قدیم اہل روما کی طرز کار روانی کا آئینہ بن جاتی ہے وہ وہ انعام ہے جو ججوں کو دینے کے لئے رکھا گیا ہے۔ وسط تصویر میں سونے کے دو ٹیلنٹ (ایک قسم کے سکے) اس شخص کے لئے رکھے ہوئے ہیں جو سب سے بہتر وجود فیصلہ حسب اطمینان حاضمین بیان کر سکے گا۔ اس رقم کی زیادتی بمقابلہ ”سکرامنٹ“ کی تخفیف رقم کے میرے خیال میں اس ذوق کو ظاہر کرتی ہے جو تبدیل پذیر مراسم اور ایسے مراسم میں تھا جو داخل قانون ہو گئے تھے۔ شاعر نے آجوسماں دکھایا ہے اگرچہ وہ عہد فتوحات (Heroicage) کی شہری زندگی کا ایک مخصوص اور نمایاں سماں ہے مگر ابھی تک شاذ ہے، لیکن وہی آگے چل کر دیوانی ضابطہ کی تاریخ کے اعزاز میں

مقدمہ کا باضابطہ اور معمولی قاعدہ بن گیا۔ اس لئے قانونی کارروائی میں ثالث کے معاوضہ کی رقم کا مقدار مناسب میں لایا جانا ایک فطری امر تھا، اور بجائے اس کے کہ عام رائے کے مطابق متبادل چیز تھانوں کے کسی ایک کو دیا جائے وہ حکومت کو دیا جانے لگا جس کا نمائندہ حاکم عدالت ہوتا تھا۔ لیکن جو واقعات ہومر نے اس قدر صفائی اور کھینچنے سے اس قدر زیادہ خام اصطلاحات کے ذریعہ سے ظاہر کئے ہیں، ان دونوں کے معنی ایک ہیں۔ مجھے اس کے متعلق کسی قسم کا شک نہیں، اور میری اس رائے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ موجودہ یورپ کی قدیم قانونی کارروائیوں پر غور کرنے والے لوگوں کی یہ رائے منتشر پائی ہے کہ مجرین پر عدالتیں جو حیرانہ عائد کرتی ہیں وہ ابتدائی ”سکرامنٹ“ تھا۔ حکومت مدعی علیہ سے کوئی معاوضہ اس فعل ناجائز کی بہت نہیں وصول کرتی تھی جس کی نسبت سمجھا جاتا تھا کہ وہ حکومت کے خلاف صادر ہوا ہے، بلکہ جو معاوضہ مدعی کو دلایا جاتا تھا اس میں سے ایک حصہ کی طالب ہوتی تھی جسے وہ اپنے وقت اور محنت کی واجب قیمت تصور کرتی تھی۔ سٹرکیمبل انگلوسیکسن کے ”بنیم“ یا ”فریڈم“ (bannum) or fredum) کی بھی صریح یہی نوعیت قرار دیتے ہیں۔

قدیم قانون میں اس امر کے اور ثبوت بھی ملتے ہیں کہ ابتدائی زمانہ کے حکام عدالت ان اشخاص کے افعال کی بھی نقل کرانے تھے جو ایک خانگی تنازع میں بہ قیاس غالب واقع ہوتے ہونگے۔ ہرجہ دلانے میں ان کا معیار وہ انتقام ہوتا تھا جو بہ قیاس غالب ایسی صورت میں خود شخص متضرر لیتا۔ قدیم قانون میں جو اختلاف ان مجرین کی سراؤں میں پایا جاتا ہے جو بحالت ارتکاب یا فوراً بعد ارتکاب جرم یا ایک مدت گزر جانے کے بعد گرفتار ہوتے تھے، اس کی صحیح توضیح بھی اسی انتقام کے اصول سے ہوتی ہے۔ اس خصوصیت کی عجیب مثال سرقہ کے قدیم رومی قانون میں

ملتی ہے۔ بارہ الواح کے قانون سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرتہ کی دوستیں کی گئی تھیں، علانیہ، اور خفیہ، اور دونوں کی سزاؤں میں بے حد اختلاف رکھا گیا تھا، علانیہ سارق وہ تھا جو اسی مکان میں گرفتار ہو جاتا تھا جہاں اُس نے سرقہ کیا تھا، یا مال مسروقہ کے ساتھ بچ کر نکلتے وقت گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ بارہ الواح کے قانون کی رو سے ایسا مجرم اگر غلام ہو، سزائے موت کا مستوجب قرار پاتا تھا، اگر آزاد ہوتا تھا تو مال مسروقہ کے مالک کا غلام بنا دیا جاتا تھا۔ خفیہ سارق وہ تھا جو ان حالات کے سوائے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے دوسرے حالات میں گرفتار ہوتا تھا، اور اس کی نسبت قدیم قانون میں یہ حکم تھا کہ وہ مال مسروقہ کی دو گونہ (دو چاند) قیمت ادا کرے۔ کیلیس کے زمانہ میں علانیہ سارق کے لئے جو بچہ سخت سزا بارہ الواح کے قانون میں مقرر کی گئی تھی اس میں فطری طور سے بہت کچھ نرمی ہو گئی تھی، مگر قانون نے قدیم اصول کو اس طرح قائم رکھا تھا کہ اس سے مال مسروقہ کی چار گونہ قیمت وصول کی جاتی تھی، برخلاف اس کے خفیہ سارق سے تقریباً دو چاند قیمت کا مطالبہ ہوتا تھا۔ قدیم واضع قانون کا بے شک یہ خیال ہو گا کہ اگر شہر مالک بحالت خود چھوڑ دیا جاتا تو وہ غصہ کی حالت میں مجسم کو جو سزا دیتا وہ اس سزا سے مختلف ہوتی جو وہ مجرم کو ایک عرصہ کے بعد گرفتار ہونے کی حالت میں دینا کافی سمجھتا، اور اسی اندازہ پر یہ قانونی سزائیں قرار پائی تھیں۔ یہ اصول بعینہ وہی ہے جو انگلو سیکسن اور دوسرے جرمن مجموعہ قوانین میں اختیار کیا گیا ہے، ان میں اس کی اجازت ہے کہ اگر سارق تعاقب کے بعد مال مسروقہ کے ساتھ گرفتار ہو جائے تو اسے تعافی دیدی جائے، یا وہ اس کا سر اڑا دیا جائے، لیکن اگر تعاقب میں وقفہ پڑ جائے کے بعد کوئی شخص اسے مار ڈالے گا تو وہ قتل انسان

متلزم سزا کا مرتکب سمجھا جائے گا، اور اس پر اسی جرم کی کامل سزا عائد کی جائے گی یہ قدیم امتیازات نمایاں طور سے اس فرق کو ظاہر کر رہے ہیں جو غیر مہذب اور مہذب اصول قانون میں ہے اس میں شک نہیں کہ زمانہ حال کے حکام عدالت کو ان جسام کی سنگینی اور غیر سنگینی کے تعین کرنے میں بجد و دقت پیش آتی ہے جو ایک ہی اصطلاحی تعریف میں داخل ہوتے ہیں۔ اس کے کہنے میں کوئی دقت نہیں معلوم ہوتی کہ ایک شخص قتل انسان سرقت یا ازدواج ناجائز کا مرتکب ہوا ہے، مگر یہ کہنا اکثر حالات میں نہایت مشکل ہوتا ہے کہ اس نے کس حد تک اخلاقی جرم کا ارتکاب کیا ہے، اور اس کے لحاظ سے وہ کس مقدار سزا کا مستوجب ہے۔ اس کے صحیح طور سے تصفیہ کی کوشش میں اجتہاد اور وجہ تحریک کی تجزی میں شاید ہی کوئی ایسی مشکل ہو جس کا مفت بلہ ہمیں نہ کرنا پڑتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے زمانہ کے قانون کا روز افزوں رجحان اس طرف ہے کہ وہ اس بارے میں تاکیدی قواعد بنانے سے جہاں تک ممکن ہو محترز رہے۔

(۳۳۸) فرانس میں جوری کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اس امر کا فیصلہ کرے کہ جنس کا ارتکاب اس کے نزدیک ثابت ہے یا اس کے ساتھ ایسے حالات موجود ہیں جو اس جرم کو خفیف کر دیتے والے ہوں۔ انگلستان میں اب ججوں کو انتخاب سزائیں کامل اختیارات حاصل ہیں، اور قانون کے غلط استعمال کا آخری علاج تمام حکومتوں نے حق معافی کے تحفظ سے کیا ہے۔ جو عام طور سے جیف مجسٹریٹ کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ یہ دیکھ کر تعجب ہونا ہے کہ قدیم زمانہ کے لوگ ان دو سو اسی سے کس قدر کم متاثر تھے، اور کس دقت کے ساتھ انھوں نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ شخص متضرر کا فوری جوش اس انتقام کا معیار ہو سکتا ہے جس کے لینے کا وہ مستحق ہے۔ اور سزاؤں کے مراتب مقرر کرنے میں انہوں نے متضرر کے جذبات کے اتار چڑھاؤ کی کسی بھی

نقل کی تھی۔ میں یہ سننا چاہتا تھا کہ وضع قوانین کا یہ طریقہ اب بالکل منقود ہو گیا۔ مگر ایسا نہیں ہے، زمانہ حال کے بعض قانونی نظام ایسے ہیں جن میں سنگین جرائم کے مجرم کا بحالت ارتکاب گرفتار ہو کر شخص متضرر کے ہاتھ سے ضرورت سے زیادہ سخت سزا پانا غیر واجب نہیں متصور ہوتا۔ یہ رعایت اگرچہ بظاہر قرین عقل معلوم ہوتی ہے، مگر میرے نزدیک وہ ادنیٰ اخلاق پر مبنی ہے۔

جن خیالات کا اظہار میں نے کیا ہے وہی صاف طور سے قدیم جماعتوں میں بالآخر صحیح اصول قانون فوجداری کے قائم ہو جانے کے باعث ہوئے۔ بحالت ارتکاب جرم حکومت یہ سمجھنے لگی کہ خود اسے نقصان پہنچایا جاتا ہے، اور مجلس عامہ اور اس کے ساتھ واضعان قوانین (Popular Assembly) نے مجرم کی طرف نہایت تیزی سے اپنا ہاتھ

بڑھایا۔ قدیم زمانہ میں، نہ کہ زمانہ حال میں جیسا کہ میں آگے چل کر بتاؤں گا، ابتدائی فوجداری عدالتیں صرف مجلس وضع قوانین کی ذیلی کمیٹیاں تھیں (۲۲۹) جن کی طرف قدیم زمانہ کی دو بڑی حکومتوں کی قانونی تاریخ اشارہ کرتی ہے۔ یہ اشارہ ایک صورت میں تو کافی طور سے صاف

ہے، اور دوسری صورت میں بالکل یقینی ہے۔ اٹھینیا کا قدیم قانون فوجداری مجرم کی سزا دہی جزا "آرکینس" (Archons) کے سپرد کرتا تھا جو بہ حیثیت افعال ناجائز (Torts) کے مرتکب فعل کو سزا دیتے تھے

اور جزا "سینٹ او ف اریوپجس" (Senate of Areopagus) یعنی ارکان صدر عدالت کے جو بہ حیثیت گناہ (Sins) کے سزا صادر کرتے تھے۔

آخر میں یہ دونوں اختیارات پوری طور سے "ہلیا" (Heliaea) یعنی انصاف کی عام ہائی کورٹ میں منتقل ہو گئے اور دو آرکینس اور اریوپجس کے فرایض یا تو صرف انتظامی رہ گئے یا بالکل ناقابل لحاظ ہو گئے "ہلیا" کے قدیم لفظ کے معنی صرف مجلس کے ہیں، قدیم زمانہ کی "ہلیا" محض ایک نام مجلس تھی جو قانونی مقاصد کے لئے طلب کی جاتی تھی، اور

اتھینا کی مشہور و معروف ”ڈیکا سٹریاں“ (Dikasteries) صرف اس کی ذیلی کمیشن تھیں۔ روم میں ان کے مقابل میں جو تبدیلیاں ہوئیں ان کی تعبیر اس سے بھی زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ اہل روم نے اپنے تجربات کو صرف قانون نوحداری تک محدود رکھا، اور اہل یونان کی طرح ایسی عام عدالتیں نہیں قائم کیں جن کو دیوانی اور نوحداری دونوں کے اختیارات حاصل ہوں۔ اہل روم کے اصول قانون نوحداری کی تاریخ قدیم دو جوڈیشیا پاپولائی (judicia populi) سے شروع ہوتی ہے، جن کی صدارت کیا جاتا ہے کہ خود بادشاہ کرتے تھے۔ یہ صرف بڑے مجرمین کے جرائم کی باضابطہ دریافتوں کی قانونی شکل تھی۔ اس کمیٹی کا ابتدا سے کبھی اپنے نوحداری اختیارات ایک کمیشن کے سپرد کر دینا ظاہر ہوتا ہے جسے میٹی کے ساتھ دہی تعلق تھا ”جو ہاوس آف کامنز“ کی میٹی کو، ”ہاوس آف کامنز“ کے ساتھ ہوتا ہے، فرق اتنا تھا کہ اہل روم کے کمشنر صرف میٹی میں رپورٹ پیش کر دینے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ خود وہ اختیارات اہتمام کرتے تھے جو میٹی کے لئے مخصوص تھے، یہاں تک کہ مجرمین کو سزا بھی دیدیتے تھے۔ اس قسم کا کمیشن صرف کسی ایک مجرم کی دریافت کیلئے مقرر ہوتا تھا۔ مگر اس میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ اگر ایک ہی وقت میں دو یا تین کمیشن مقرر کئے جائیں، اور تیس غالب یہی ہے کہ جب متمدن جماعت کے حقوق کی خلاف ورزی میں مختلف سنگین واقعات پیش آتے تھے۔ تو ایک ہی وقت میں مختلف کمیشن مقرر ہوتے تھے۔ اس کا نتیجہ بھی چلتا ہے کہ بعض اوقات ان کمیشنوں کی حیثیت تقریباً وہی ہو جاتی تھی جو ہمارے یہاں مستقل کمیشنوں کی ہے، یعنی ان کا قدر موقت تھا اور کسی سنگین جرم کے وقوع کی ضرورت پر منحصر نہ تھا۔ قدیم ترین کارروائیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کمیشن ان دریافت جرائم متعلقہ قتل آبا (Questores paricidii) تمام جرائم متعلقہ قتل آبا اور عام قتل کی

دریافت اور بعضوں کے نزدیک تفتیش اور دریافت دونوں کے لئے باضابطہ طریقہ سے سالانہ مقرر ہوا کرتے تھے۔ اکثر مصنفین کا خیال ہے کہ اسی طرح دو اشخاص کا کمیشن (Duumviri Perduellionis) ان جرائم کی تحقیقات کے لئے جو حکومت جمہوری کے لئے سخت معزت رساں سمجھے جاتے تھے سالانہ مقرر ہوتا تھا مگر خاندان کے عہدہ داروں کو جو اختیارات دئے جاتے تھے اس سے ہم اپنی تحقیق میں ایک قدم آگے بڑھ جاتے ہیں۔ یعنی بجائے اس کے کہ حکومت کے خلاف کسی جرم کے واقع ہونے کی صورت میں انھیں اختیارات دئے جائیں انھیں ایسے جرائم کے متعلق جو واقع ہو سکتے تھے عام اختیارات حاصل ہو جاتے تھے، اگرچہ وہ عارضی ہوتے تھے۔ اس امر کا کہ ہم باضابطہ اصول قانون فوجداری کے لگ بھگ آگئے ہیں دو عام اصطلاحات در نظر آ رہی ہیں اور "جرائم متعلقہ حکومت" (Parricidium and Perduellio) سے بھی پتہ چلتا ہے۔ ان دو اصطلاحوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جرائم کی ایک گونا گویا تقسیم بھی عمل میں آگئی تھی مگر باضابطہ قانون فوجداری (قبل از لاو میس) تک جاری نہیں ہوا۔ اسی سہ میں اہل کالپورنیز پانہونے وہ قانون منظور کرایا جو (Lex calpurnia de Repetundio) کے نام سے موسوم ہے، یعنی ان دعاوی کا قانون جو باشندگان اضلاع ان اضلاع کے گورنر جنسروں کے مقابلہ میں اس غرض سے دائر کریں کہ جو انھیں ان سے غیر واجبی طور سے وصول کر لی گئی ہیں وہ واپس دلائی جائیں مگر ٹرا اور متقل فائدہ اس قانون کا یہ تھا کہ اس سے پہلی مرتبہ ایک متقل کمیشن کے تقرر کا یا یہ پڑا۔ یہ کمیشن برخلاف دوسرے موقت اور عارضی کمیشنوں کے متقل اور دوامی تھا۔ یہ ایک باضابطہ فوجداری عدالت تھی جو تاریخ نفاذ قانون مذکور سے اس وقت تک قائم رہنے والی تھی جب تک کہ کوئی دوسرا قانون نافذ ہو کر اسے برخاست نہ کر دے۔ قدیم کمیشنوں کی طرح اس کے ارکان بطور خاص نامزد نہیں کئے جاتے

تھے بلکہ خود اس قانون میں جس کی رو سے کمیشن مذکور قائم ہوا تھا یہ بتایا گیا تھا کہ کس جماعت سے ان کا انتخاب عمل میں آئے گا، اور کس مقررہ قواعد کے مطابق ان کی تجدید ہو سکے گی۔ جن حبرائے کی تحقیقات اس عدالت میں ہو سکتی تھی ان کی تفصیل بھی دی گئی تھی، اور یہ جدید عدالت اس کی مجاز کی گئی تھی کہ آئندہ ان تمام اشخاص کے متعلق تحقیقات کر کے احکام سزا نافذ کرے جن کے افعال تعریفات مصرحہ قانون مذکور میں داخل ہوتے ہیں۔ اس طور سے یہ ایک باضابطہ فوجداری عدالت تھی اور ایک باضابطہ اصول قانون فوجداری نافذ کرتی تھی۔

پس قانون فوجداری کی قدم تاریخ چار مراتب طے کرتی ہے۔ اول یہ سمجھنا کہ جرم کے تصور میں، ان فعل ناجائز یا ٹارٹ اور نیکناہ سے قطع نظر کر کے، حکومت یا مجموعی جماعت کی مضرت کا خیال مضمر ہے اور حکومت کا اس خیال کے کامل اتباع میں اس مضرت رساں فعل کی بابت جو اس کے خلاف کیا گیا ہے مرتکب سے منفردہ افعال کے ذریعہ سے انتقام لینے کے لئے براہ راست مداخلت شروع کر دینا یہ ابتدائی مرحلہ ہے، اب ہر فرد قرار داد جرم یا الزام بمنزلہ ایک خاص تعزیری قانون کے ہے جس میں ملزم کا نام اور اس کی سزا بتائی جاتی ہے۔ دوسرا مرحلہ اس وقت طے ہوتا ہے جب کہ جرائم کی کثرت واضعان قانون کو اس پر مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے اختیار مخصوص کمیشنوں کی طرف منتقل کر دیں، جن میں سے ہر ایک کو یہ ہدایت ہوتی ہے کہ وہ ایک مخصوص الزام کی دریافت کرے، اور اگر وہ ثابت قرار پائے تو مرتکب کو سزا دے۔ اس موقع پر ایک دوسری کارروائی یہ بھی ہوتی ہے کہ واضعان قانون بجائے اس کے کہ وقوع جرم کے بعد اس کی دریافت کے لئے کمیشن مقرر کریں، اس خیال سے کہ بعض اقسام کے جرم کے ارتکاب کا نہ صرف امکان بلکہ یقین ہے

موقت کمشنر مقرر کر دیتے ہیں جیسے کمشنران دریافت ”قتل آبا“ و حرام متعلقہ حکومت، وغیرہ۔ آخری مرحلہ اس وقت طے ہوتا ہے جبکہ کمیشن بجائے اتفاق یا موافق ہونے سے مستقل اجلاس یا عدالتوں کی تشکیل اختیار کر لیتے ہیں، یعنی جب کہ حکام عدالت، بجائے اس خاص قانون سے نامزد کئے جانے کے جو کمیشن کے تقرر کی اجازت دیتا ہے، اس اجازت کے ساتھ مقرر کئے جاتے ہیں کہ وہ آئندہ خاص جماعت سے اور خاص طریقہ سے منتخب ہوا کریں گے، اور جب کہ بعض افعال کی عام الفاظ میں تعریف کر کے یہ قرار دے دیا جاتا ہے کہ وہ جرائم ہیں اور ان کے ارتکاب کی صورت میں خاص سزائیں جو ان جرائم کے مناسب حال ہوں صادر کی جائیں گی۔

اگر مستقل کمیشنوں (Quaestiones Perpetuae) کی کوئی طول تر تاریخ موجود ہوئی، تو یقیناً وہ جداگانہ ادارات تصور ہوتے، اور ان کا تعلق ”کیٹیا“ کے ساتھ اس سے زیادہ ترقیب نہ ہوتا جیسا کہ ہماری عدالتوں کا تعلق بادشاہ کے ساتھ ہے، جو اصولاً انصاف کا سرحدہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ ان کی ابتدائی تاریخ ذہن سے محو ہو بادشاہوں کی خود سری نے انھیں تباہ و ضایع کر دیا، اور جب تک یہ مستقل کمیشن قائم رہے اہل روم انھیں صرف اختیارات منتقلہ کا خازن سمجھتے رہے۔ جرائم کی سماعت کا اختیار جماعت و اصناف قوانین کا ایک فطری حق سمجھا جاتا تھا، اور اہل شہر کے خیالات ہمیشہ کمیشنوں سے ”کیٹیا“ کی طرف منتقل ہوتے تھے جس نے اپنے لایفک اختیارات میں سے کچھ اختیارات استعمال کی غرض سے کمیشنوں کو دے دیئے تھے۔ کمیشن منتقل ہو جانے کے بعد بھی مجلس عامہ کی کیٹیاں یعنی ایک اعلیٰ اقتدار کے زیر حکم کار گزار جماعتیں سمجھی جاتی ہیں۔ اس خیال نے بعض اہم قانونی نتائج پیدا کئے جن کے علامات آخر زمانہ تک قانون فوجداری میں پائے جاتے رہے۔ اس کا ایک بلا واسطہ نتیجہ یہ تھا کہ ”کیٹیا“

(۳۲۳)

کمیٹیوں کے منتقل ہوجانے کے بعد بھی ایک زمانہ تک قانون حسن و
 بغرض سزا دہی (Bill of pains and penalties) کے ذریعہ سے اختیارات
 فوجداری عمل میں لائی رہی۔ اگرچہ جماعت واضعان قوانین نے آسانی
 کی غرض سے اپنے اختیارات انہی جماعتوں کی طرف منتقل کرنا منظور
 کر لیا تھا جو اس سے علاوہ تھیں، مگر اس سے کلیتہً اختیارات سے دست
 برداری مقصود نہ تھی۔ ”کمیٹیا“ اور کمیٹیوں دونوں پہلو بہ پہلو مجرمین کے
 حشر ائم کی دریافت کرتے اور سزا دیتے رہے۔ اور اگر کسی جرم کے
 متعلق عامہ خلالت میں غیر معمولی جوش و خروش پیدا ہوجاتا تھا تو
 مجرم کو دریافت کے لئے قومی مجلس (Assembly of the Tribes)
 میں پیش کرنا لازم ہوجاتا تھا، یہ حالت ختم حکومت تک قائم رہی۔
 نظام جمہوری کی ایک مخصوص خصوصیت کا پتہ کمیٹیوں کے زیر
 اختیار چھٹی رہنے سے بھی چلتا ہے۔ روما کی حکومت جمہوری کے
 نظام قانونی سے سزائے موت کا مفقود ہوجانا گذشتہ صدی کے
 مصنفین کا بہت پسندیدہ اور عزیز مضمون تھا۔ یہ لوگ ہمیشہ اسے
 اہل روما کے بعض خلقی نظریات یا زمانہ حال کی تمدنی تدبیر کے اظہار
 کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اس کی وجوہ بھروسہ کے ساتھ بیان کیجاتی
 ہے اس سے خود اس کا محض عارضی ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اہل روما
 کے واضعان قانون نے جو تین صورتیں یکے بعد دیگرے اختیار کیں
 ان میں سے صرف ایک، جیسا کہ مشہور اور معروف ہے، ”کمیٹیانتوریاٹا“
 (Comitia Centuriata) فوجی کارروائیوں کی غرض سے حکومت کی
 نمائندہ مقصور ہوتی تھی۔ اور اس لئے اس مجلس کو وہی تمام اختیارات
 حاصل ہوتے تھے جو بطرز مناسب ایک فوج کے جنرل کمانڈر کو دئے
 جاسکتے ہیں اسے منجملہ اور اختیارات کے یہ اختیار بھی تھا کہ وہ ہر
 مجرم کو ایسی سزا دے جو وہ ایک سیاسی کو قومی احکام کی خلاف
 ورزی میں دے سکتی تھی، مگر ”کمیٹیائیوریٹا“ یا ”کمیٹیائیوریٹا“

(Comitia Curiata or Comitia Tributa) کی یہ حالت نہ تھی۔ یہ دونوں کمیٹیاں اس وجہ سے کہ مذہب اور قانون نے اہل روما کی ذات کو شہر کی چار دیواری کے اندر مقدس قرار دے دیا تھا، اس معاملہ میں بالکل تپے دست دیا اور مجبور تھیں۔ یہ امر مسلم ہے کہ کمیٹیاں ٹریبوناً یعنی مجلس قابل میں قانوناً یہ اصول مقرر ہو گیا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ جو سزا دے سکتی تھی وہ صرف جبرائز تھا۔ جب تک کہ اختیارات فوجداری کا انحصار واضعان قانون پر رہا، اور جب تک کہ ”سنٹر“ اور قبیلے کی کمیٹیاں ایک ہی قسم کے اختیارات کام میں لاتی رہیں۔ لیکن خیرائے تھے استغاثوں کا واضعان قانون کے اجلاس پر پیش ہونا موجب آسانی سمجھا جاتا تھا جنہیں سنگین تر سزائوں کے صادر کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ مگر اتفاق یہ ہوا کہ مجلس قابل نے جو زیادہ تر جمہور تھی بقیہ مجلسوں کو نیت و نابود کر دیا اور بعد کی جمہوری حکومت کے زمانہ میں وہی عام طور سے مجلس وضع قانون ہو گئی۔ جمہوری حکومت کے زوال ہی کے زمانہ میں مستقل کمیشن (Quaestiones perpetuae) قائم ہوئے، اور جن قوانین کی رو سے وہ قائم ہوئے وہ واضعان قوانین کی ایک مجلس کے نافذ کردہ تھے جو اپنے مسمولی اجلاس میں کسی مجرم کو سزائے موت نہیں دے سکتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مستقل کمیشن جو منتقل اختیار رکھتے تھے ان اقتدارات اور اختیارات کے حدود سے باہر نہیں جاسکتے تھے جو اس مجلس کو حاصل تھے جس نے ان کو یہ اختیارات دئے تھے۔ وہ کسی ایسے عمل کے مجاز نہ تھے جو خود مجلس قابل نہیں کر سکتی تھی، اور چونکہ مجلس مذکور سزائے موت نہیں صادر کر سکتی تھی اس لئے یہ بھی سزائے موت صادر کرنے سے مجبور تھے۔ یہ امر جو اس طور سے وجود میں آیا قدیم زمانہ میں اس پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا جس سے زمانہ حال کے معننین اسے دیکھتے ہیں یہ امر بھی مشتبہ ہے کہ آیا اس کی وجہ سے اہل روما کا چال چلن کچھ بہتر ہو گیا تھا اس سے ان کے

(۳۴۵)

نظام کا بدتر ہونا تو یقینی ہے۔ ان دوسرے دستوروں اور قواعد کی طرح جو نسل انسان کے ساتھ ساتھ ان کی تاریخ کی انتہا تک چلے آئے ہیں، سزائے موت تہذیب و تمدن کے بعض مدارج میں ایک مسلمہ ضرورت مانی جاتی ہے۔ ایک زمانہ ایسا ہوتا ہے جب کہ اس کے حذف کر دینے کی کوشش ان دو بڑے طبعی رجحانوں کو جو قانون فوجداری کے اصل اصول ہیں سخت صدمہ پہنچاتی ہے۔ بغیر اس کے نہ سوسائٹی کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اُس نئے مجرم سے کافی انتقام لے لیا اور نہ وہ یہ خیال کرتی ہے کہ جو سزا مجرم کو ملی وہ دوسروں کو ایسے عمل سے روکنے کے لئے کافی ہے۔ روما کی عدالتوں کا سزائے موت کے صادر کرنے سے مجبور ہونا براہ راست اور صحیح طور سے اُن خوفناک انقلابات کا باعث ہوا جو ”پروکسکپشن“ (Proscriptions) کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ ان میں تمام قوانین باضابطہ طور سے معطل اور بیکار ہو گئے تھے، صرف اس وجہ سے کہ فرقہ واری جوش کو اس انتقام کے لینے کا جس کے لئے وہ بتاب تھا کوئی اور راستہ نہ ملتا تھا۔ اہل روما کی سیاسی قابلیت کے زوال میں سب سے بڑا حصہ انہیں بد نظمیوں کا تھا جس سے وقتاً فوقتاً قوانین معطل اور بے کار ہو کر رہ جاتے تھے، اور جب ایک مرتبہ ایسا عمل ہو گیا تو ہمیں اس کہنے میں مطابقت باک نہ کرنا چاہئے کہ اہل روما کی آزادی چند روز کی مہمان نظر آنے لگی۔ اگر عدالتوں کا طرز عمل عامہ خلافت کے جذبات کے نکلنے کا کافی موقع بھی دیتا تو اس میں شک نہیں کہ عدالتی ضابطہ اُسی قدر بدنام ہو رہا ہوتا تھا جیسے ہمارا ضابطہ خاندان اسٹورٹ کے آخر بادشاہوں کے زمانہ میں بگڑ گیا تھا مگر قومی چال چلن پر ایسا برا اثر نہ پڑتا اور نہ اہل روما کے ادارات کی مضبوطی میں اس قدر کمزوری پیدا ہونے پاتی۔

میں روما کے نظام قانون فوجداری کی دو اور عجیب خصوصیات

ہمان کروں گا جن کے پیدا ہونے کا باعث بھی یہی عدالتی اختیارات کا نظریہ تھا۔ اور وہ یہ ہیں، اول روما کی عدالت اے فوجداری کی بعد کثرت، اور دوسرے جرائم کی خیالی اور بے اصول تقسیم جس سے روما کے اصول قانون فوجداری کی تمام تاریخ ملوے۔ کہا گیا ہے کہ ان کے ہر کمیشن کی بنیاد، خواہ وہ مستقل ہو یا عارضی، ایک مختلف قانون پر قائم تھی۔ ان کے اختیارات کا انحصار ان قوانین پر تھا جو ان کے قیام کے باعث ہوئے تھے، اور وہ ان حدود کو نہایت احتیاط کے ساتھ ملحوظ رکھتے تھے جو ان کے اسناد میں مقرر کر دیئے گئے تھے، اور ان جرائم میں مطلق دخل نہ دیتے تھے جن کی تفصیل ان کے اسناد میں بفرجیت نہ کر دی گئی تھی۔ چونکہ یہ سب قوانین جن کی رو سے یہ کمیشن قائم ہوئے تھے خاص ضرورتوں کے لحاظ سے نافذ کئے گئے تھے، اور ہر ایک کے نفاذ کا مقصد یہ تھا کہ وہ خاص قسم کے افعال کو جنہیں ضروریات وقت نے مخصوص طور سے قابل نفرت یا خوفناک کر دیا تھا قابل سزا قرار دے، اس لئے ان قوانین میں نہ ایک دوسرے کا حوالہ تھا اور نہ وہ کسی عام اصول کے تحت میں لائے گئے تھے۔ بیس یا تیس قسم کے مختلف فوجداری قوانین جاری تھے، اور اسی قدر کمیشن ان کی پھیل کے لئے مقرر تھے۔ حکومت جمہوری کے زمانہ میں بھی ان مختلف عدالتوں کو یکجا کرنے، یا ان قوانین کے معانی میں جن کی رو سے یہ عدالتیں مقرر ہوئی تھیں اور جن میں ان کے فرائض تبادلے کئے تھے مناسبت پیدا کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ اہل روما کے اصول قانون فوجداری کی اس وقت وہی حالت تھی جو انگلستان میں چارہ کار دیوانی کی اس وقت تک رہی جب تک کہ انگلستان کے قانون عمومی کی عدالتوں نے اپنے حکم ناموں میں اس فرضی اقرار صالح (Fictitious averments) درج کرانے کا طریقہ جاری نہیں کیا جس سے انہیں ایک دوسرے کے

مخصوص اختیارات میں دست اندازی کا موقع حاصل ہو گیا۔ رومی کمیشنوں کی طرح ”کورٹس آف کومینس بینچ“ (Courts of Queen's Bench) کامن پلینز (Common Pleas) اور ”ایکسچیکر“ (Exchequer) کی تمام عدالتیں اصولاً ایک اعلیٰ تر اختیارات کے تحت میں قائم تھیں، اور ان میں سے ہر ایک مختلف اقام کے مقدمات کی سماعت کی مجاز تھی جن کی نسبت سمجھا جاتا تھا کہ وہ بالاتر اقتدارات کے ذریعہ سے ان کے تفویض ہوئے ہیں۔ مگر اہل روما کے کمیشنوں کی تعداد ان تین عدالتوں کی تعداد سے کہیں زیادہ تھی، اور ہر روما کے کمیشن کے اختیارات سماعت میں تمیز کرنے کی نسبت ”ویٹ منسٹریال“ کی تین عدالتوں کے اختیارات سماعت میں تمیز کرنا زیادہ تر آسان تھا۔ مختلف کمیشنوں کے متعین صیغہ اختیارات کی دریافت میں جو مشکل پیش آتی تھی اس نے (۳۲۸) کمیشنوں کی کثرت کو وقت کی حد تک محدود نہیں رکھا تھا بلکہ ایک درجہ اس سے بھی بڑھا دیا تھا۔ ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کے مبینہ حبرائے کی نسبت صاف طور سے یہ نہیں دریافت ہو سکتا تھا کہ وہ کس عام اعنوان میں داخل ہوتے ہیں تو محترم ایک ساتھ باکے بعد دیگرے مختلف کمیشنوں کے اجلاس پر اس امید سے پیش کیا جاتا تھا کہ کوئی کمیشن اپنے آپ کو مجاز سماعت قرار دے کر اس کی نسبت حکم سزا صادر کرے، اور اگر یہ ایک کمیشن کا سزا دے دینا بقیہ کمیشنوں کے اختیار سماعت کو ساقط کر دیتا تھا، مگر ایک کمیشن کی برائت دوسرے کمیشن کے اجلاس پر الزام کی جواب دہی کے لئے کافی نہیں منظور ہوتی تھی۔ یہ حالت اہل روما کے دیوانی قانون کی حالت سے بالکل مختلف تھی، اور ہم یقین ہے کہ اہل روما جو اصول قانون کی بے ترتیبیوں کے متعلق (جسے وہ اپنی زبان میں نامائے کمر نام سے موسوم کرتے تھے) بڑے ذی حس تھے کبھی ان بے ترتیبیوں کو ایک عرصہ تک قائم رکھنے کے روادار نہ ہوتے اگر کمیشنوں کی

افروسناک تاریخ سے یہ خیال نہ پیدا ہو گیا ہوتا کہ یہ کمیشن بجائے مستقل ذرائع اصلاح حسرائم کے زیادہ تر ملکی فریقوں کے ہاتھ میں عارضی آلات ہیں۔ قیام کشاہی کے بعد بادشاہوں نے بعجلت تمام اختیار سماعت کی کثرت اور اختلافات کو مسدود کر دیا، مگر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ وہ قانون فوجداری کا ایک دوسرا نقص جو عدالتوں کی کثرت سے قریبی تعلق رکھتا تھا دور نہ کر سکے۔ جینیٹن کے مجموعہ قوانین میں بھی حسرائم کی جو تقسیم کی گئی ہے وہ محض خیالی ہے۔ یہ صحیح بہتہ کہ ہر کمیشن ان جرائم کی حد سے آگے نہیں بڑھتا تھا جن کی سماعت کا اختیار اسے بروئے سند حاصل ہوا تھا۔ مگر ابتدائی قوانین میں ان سب کو ایک عنوان کی تحت میں لانے کی وجہ یہ تھی کہ یہ قوانین مذکور کی منظوری کے وقت وہ سب حسرائم یکساں قابل تنبیہ و تادیب مقصور ہوتے تھے؛ اور اس لئے ان میں کوئی مشترکہ جز سوائے اس کے نہ تھا کہ وہ بلحاظ معاملہ دریافت طلب کے کسی ایک خاص کمیشن کے اجلاس میں قابل دریافت تھے، یہ تعلق خطی طور سے لوگوں کے ذہن نشین ہو گیا تھا، اور جن حسرائم کا ذکر ایک قانون میں ہوا تھا ان کا باہمی تعلق ایسا مضبوط اور مربوط تھا کہ جب سیلا اور شہنشاہ اکٹھے نے اہل روما کے قانون فوجداری کی اصلاح کی باصنا بط کوئش کی اس وقت بھی واضعان قانون کو قدم تقسیم قائم رکھنی پڑی۔ سیلا اور اکٹھے کے قوانین سلطنت روما کے اصول قانون فوجداری کی بنیاد تھے، مگر ان کی بعض تقسیموں سے زیادہ کوئی چیز غیر معمولی اور تعجب انگیز نہیں ہو سکتی۔ مجھے مثلاً صرف یہی ایک واقعہ بیان کر دینا کافی ہے کہ دروغ حلفی ہمیشہ ضرب پہنچانے، زخمی کرنے، اور زہر خورانی کی مد میں شریک رہتی تھی، اس کی وجہ یقیناً یہی تھی کہ سیلا کے قانون اور قانون کارنیلیا نے ان تینوں قسم کے جرائم

(۳۴۹)

(Lex Cornelia de Sicariis et Veneficiis)

کی سماعت کا حق ایک ہی مستقل کمیشن کو عطا کیا تھا۔ اس خیالی تقسیم کا اثر اہل روما کی ملکی زبان پر بھی پڑنا ظاہر ہوتا ہے۔ لوگ فطری طور سے ان تمام جرائم کو جن کا ذکر ایک قانون میں ہوا تھا اس جرم کے نام سے موسوم کرنے لگے جو فہرست میں سب سے پہلے تھا اور وہ عدالتیں جو ان جرائم کی تحقیقات کے لئے مقرر ہوئی تھیں اسی نام سے رکاری جانے لگیں۔ اس طور سے تمام جرائم جن کی تحقیقات ”کمیشن تحقیقات زنا“ کے متعلق تھی زنا کے نام سے موسوم ہو گئے۔

(۳۵۰) میں نے اہل روما کے کمیشنوں کی تاریخ اور خصوصیات پر اس وجہ سے تفصیلی بحث کی ہے کہ اصول قانون فوجداری کی پیدائش کا اس سے بہتر کبھی اور سے پتہ چلنا دشوار ہے۔ آخری کمیشن شہنشاہ اگستس نے مقرر کئے اور اس کے بعد سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اہل روما کا قانون فوجداری کافی طور سے مکمل ہو گیا۔ اس کی ترقی کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے طریقہ بھی چل رہا تھا جسے میں نے ناجائز افعال (Wrongs) کو جرائم میں منتقل کرنے کے نام سے موسوم کیا ہے۔ زیادہ تر سنگین جرائم کے ارتکاب کی حالت میں روما کے واضعان قانون نے دیوانی چارہ کار ساقط نہیں کر دیا تھا کیوں کہ اس کے ذریعہ سے مفرت رسیدہ شخص کو چارہ کار حاصل کرنے کا موقعہ تھا جسے وہ یقیناً ترجیح دیتا ہوگا۔ مگر اگستس کے وضع قوانین کی تکمیل کے بعد تک بھی بعض بعض جرائم جو زمانہ حال کے لوگوں میں قطعی جرائم تصور ہوتے ہیں افعال ناجائز سمجھے جاتے تھے۔ یہ افعال ناجائز ایک زمانہ کے بعد جس کی صحیح تاریخ کا تعین نہیں ہو سکتا عدالت ہائے فوجداری سے قابل سزا قرار دئے گئے اور اس وقت سے قانون نے اس جدید قسم کے جرائم پر جو خلاصہ قوانین ”غیر معمولی جرائم“ کے نام سے موسوم کئے گئے ہیں لحاظ کرنا شروع کیا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ اس قسم کے افعال تھے جنہیں روما کا اصول قانون بلحاظ اپنے اصول کے

صرف ناجائز افعال سمجھتا تھا لیکن سوسائٹی کے وقار اور عظمت کے روز افزوں احساس نے اس امر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا کہ ان افعال کے ارتکاب کرنے والوں پر مجسز رقی مجاز کے کوئی اور سزا عائد نہ ہو سکے۔ اس لئے حضرت ربیدہ اشخاص کو یہ اجازت دی گئی کہ اگر وہ چاہیں تو ان افعال کو غیر معمولی جرائم قرار دے کر استغاثہ کریں یعنی وہ جاؤ کار اختیار کریں جو معمولی ضابطہ سے کسی قدر مختلف ہے۔ جس وقت سے ان غیر معمولی جرائم پر پہلی مرتبہ لحاظ ہونا شروع ہوا اس وقت سے سلطنت روما کے جرائم کی فہرست ایسی ہی طویل ہو گئی ہوگی جیسی موجودہ دنیا کی کسی قوم کی ہے۔

یہ تفصیل بتانا کہ سلطنت روما میں فوجداری عدالتوں کی کاروائی کس طرح ہوتی تھی غیر ضروری ہے، مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس کے اصول اور عمل کا موجودہ تمدن پر قوی اثر پڑا ہے۔ شہنشاہوں نے کمیشنوں کا طریقہ فوراً موقوف نہیں کر دیا، پہلے انھوں نے فوجداری کے وسیع اختیارات سینٹ (Senate) کو عطا کئے۔ مجلس مذکور نے ان اختیارات کے استعمال میں فی الحقیقت خواہ کتنی ہی تابعداری اور ذلت کا اظہار کیوں نہ کیا ہو مگر بلحاظ نام کے شہنشاہ کی حیثیت کسی طور سے بھی ایک رکن مجلس مذکور سے زیادہ نہ تھی۔ ابتدا سے بادشاہ ایک قسم کے متوازی اختیارات فوجداری کے دعوے دار تھے، اور ان کا یہ دعویٰ حکومت جمہوری کے اصول کی مندراموشی کے ساتھ ساتھ بڑھتا اور قدیم عدالتوں کے اختیارات کو دباتا گیا۔ رفتہ رفتہ جرائم کی سزا کا اختیار ان نظام کے ہاتھ میں آ گیا جن کا تقرر براہ راست بادشاہ کرتے تھے، اور مجلس سینٹ کے اختیارات شاہی پراپری کونسل کی طرف منتقل ہو گئے جو معاملات فوجداری میں آخری مراجعہ کی عدالت قرار پائی۔ ان اثرات سے زمانہ حال کا یہ متعارفہ اصول کہ بادشاہ جملہ انصاف کا سرچشمہ اور تمام الطاف

کا منج ہے نادانستہ طور سے پیدا ہو گیا۔ یہ روز افزوں خوشامد اور غلامی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اس کا زیادہ تر سبب حکومت کی مرکزی قوت تھی جو اس زمانہ میں درجہ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ معاملات فوجداری میں انصاف رسانی کا اصول پھر پھر اگر اسی نقطہ پر آگیا تھا جہاں سے وہ چلا تھا۔ اس کا آغاز اس عقیدہ سے ہوا تھا کہ جماعت کو بحیثیت مجموعی یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ایسے افعال کا بدلہ جو اس کے خلاف کئے جائیں خود لے، اور اس کا اختتام اس اصول پر ہوا کہ جرائم کی سزا کا اختیار بطریق خاص بادشاہ کو حاصل ہے جو اپنی رعایا کا نمائندہ اور محافظ ہے۔ جدید اور قدیم اصول میں جو بڑا فرق ہو گیا وہ صرف یہ تھا کہ انصاف کی محافظت نے بادشاہ کی ذات میں ایک قسم کا رعب اور وقار پیدا کر دیا۔

(۳۵۲) اہل روم نے انصاف کے ساتھ بادشاہ کے تعلق کا جو اصول آخر میں قائم کیا اُس نے موجودہ زمانہ کی سوسائٹیوں کو اس محنت سے بچانے میں بڑی مدد دی جو ان کو اُن تبدیلیوں کی دریافت میں اٹھانی پڑتی جن کا اظہار میں نے کمیشنوں کی تراسنج کے ذریعہ سے کر دیا ہے۔ ان قوموں کے قدیم قوانین میں جو یورپ کے مغربی حصہ میں آباد ہیں اس بترک خیال کی علامتیں پائی جاتی ہیں کہ جرائم کی سزا کا تعلق آزاد اشخاص کی عام مجلس سے ہے۔ اور بعض ممالک میں جن میں سے ایک اسکاٹ لینڈ ہے، موجودہ عدالتی انتظام کی پیدائش کی تاریخ شروع ہو کر واضعان قوانین کی ایک کمیٹی پر منتہی ہوتی ہے۔ مگر عام طور سے قانون فوجداری کی عاجلانہ ترقی کے دو اباب ہوئے: ایک سلطنت روم کی یاد دوسرے کلیسا کا اثر۔ ایک طرف قیصوں کی عظمت کے افانے جنہیں حنا ندان شارلیہین کے عارضی عروج نے برقرار رکھا تھا، بادشاہوں کو وہ عظمت اور وقار دے رہے تھے جو ایک وحشی سردار کی طرح حاصل

نہیں کر سکتا تھا، اور اسی کی بنا پر چھوٹے سے چھوٹے جاگیردار کی حیثیت سو سبائی کے محافظ اور ریاست کے نمائندہ کی ہو جاتی تھی۔ دوسری طرف کلیسا نے خوزیزی کے جذبہ کو دبانے کے لئے زیادہ تر سنگین جرائم کی سزا دی تھی۔ لے احکام کی تلاش شروع کر دی، یہ احکام انجیلوں کے ان فقرات میں ملے جن میں سزا کے اختیارات رسول مجسٹریٹوں کے ہاتھ میں دینے کا حکم ہے۔ عہد جدید سے یہ ثابت کیا گیا کہ دنیوی حکمرانوں کا وجود اسی غرض سے ہے کہ وہ برے کام کرنے والوں کو ڈرائیں، اور عہد قدیم کا یہ حکم پیش ہوا کہ ”جو شخص انسان کی خوزیزی کرتا ہے انسان ہی کے ذریعہ سے اس کی خوزیزی کی جائے گی“ میرے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ جس جرائم کے متعلق موجودہ خیالات دو مفروضات پر مبنی ہیں جن پر ازمنہ تاریک میں کلیسا بڑا زور دیتا رہا ہے، اول یہ کہ ہر جاگیردار حکمران اپنے درجہ کے لحاظ سے ان دنیوی مجسٹریٹوں کے مساوی قرار دیا جاسکتا ہے جن کا ذکر سینٹ پال نے کیا ہے دوسرے یہ کہ جن افعال کی بابت اسے سزا دی گئی کا اختیار ہو وہ احکام موسوی کی رو سے ممنوع قرار پائے ہوں یا کم از کم ایسے ہوں جن کی سماعت کا اختیار کلیسا نے اپنے لئے مخصوص نہ کر لیا ہو۔ الحاد، جس کی نسبت سمجھا جاتا تھا کہ وہ پہلے اور دوسرے احکام تورات میں داخل ہے، اور زنا اور دروغ حلفی کلیسائی جرائم منظور ہوتے تھے۔ ان مقدمات میں کلیسا اسی صورت میں غیر کلیسائی مداخلت کی امداد جائز رکھتی تھی جب کہ جرائم کی غیر معمولی سنگینی کے لحاظ سے زیادہ تر سخت سزا دینے کی ضرورت واقع ہوتی تھی۔ قتل اور سرقت بالجبر اور اس کی مختلف شکلوں کے متعلق کلیسا کی تعلیم یہ تھی کہ ان کی سماعت کا اختیار دنیوی حکمرانوں کو، نہ بطور لازمہ حیثیت بلکہ صریح احکام الہی سے حاصل تھا۔

بادشاہ الفرڈ کی تحریرات میں (کیبل جلد ۲ - صفحہ ۲۰۹) ایک ایسا فقرہ موجود ہے جس سے نہایت وضاحت کے ساتھ ان مختلف خیالات کی کشمکش کا پتہ چلتا ہے جو اس کے زمانہ میں اختیارات فوجداری کے متعلق شائع تھے۔ الفرڈ انھیں تہذیبی کلیا کے اختیارات اور ہنزہ قومی مجلس (Witan) کے اختیارات پر محمول کرتا ہے، اور بادشاہ کے خلاف بغاوت کے جرم کی نسبت صاف طور سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اسی طرح معمولی قواعد سے مستثنیٰ رہے جس طرح رومیوں کے قانون ”مچٹاس“ میں قیصر کے خلاف بغاوت کا جرم مستثنیٰ تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ ”اس کے بعد اکثر قوموں نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا اور دنیا میں بہت سے مذہبی جلسے منعقد ہوئے، انگریزی قوم میں بھی عیسائی ہونے کے بعد بزرگ بطریقوں اور ان کی محترم جماعت کا اجلاس ہوا جس میں یہ قرار پایا کہ اس جرم کی بنا پر جس کی تقسیم مسیح نے دی ہے، دیوی حکمران، ہماری اجازت سے ہر فعل ناجائز کی بابت بغیر کسی گناہ کے اس قدر جرمانہ وصول کرنے کے مجاز ہوں گے جو وہ عائد کریں۔ البتہ بادشاہ کے خلاف بغاوت کا جرم اس سے مستثنیٰ ہے، اس کے لئے ہم کسی

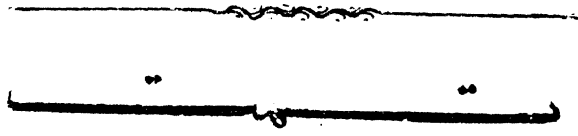
(۳۵۴)

لے شرع الہی کو اس کی تائید سے انکار ہے۔

یہاں اصل الامول شریعت ہے، کوئی فعل اگر شریعت کے مخالف ہو تو شخص یا جماعت تقیداً کافر و آئنا کلم ہے کہ ایسے مرتکب پر حد شرعی جاری کرے، خواہ وہ کوئی ہو، اس میں درویش و پادشاہ تک کی تفریق نہیں، پادشاہ بھی حدود شریعیہ تجاوز کر جائے تو جمہور پر اس کی اطاعت لازم نہ ہوگی، اور اس عدم اطاعت کو ”بغاوت“ کا جرم نہ کہیں گے۔

عمادی۔ ناظر مذہبی

قسم کی رعایت کرنے کی حسرات نہیں کر سکتے کیونکہ خود خدائے تعالیٰ
ایسے لوگوں پر رحم نہیں فرماتا جو اس کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں
اور نہ مسیح نے ان پر کوئی رحم فرمایا جنہوں نے اس کو بطمع زرموت
کے پنجہ میں پھنسا دیا تھا؛ اور اس کا حکم ہے کہ پادشاہ کے ساتھ
اُسی قدر محبت کی جائے جتنی اپنی ذات کے ساتھ کیجاتی ہے۔



(الف)

صفحہ کتاب انگریزی

اشعار یہ قدیم قانون

۲۲۱	اختیار اقتدارات شاہی جدید دریافت شدہ ممالک میں
۵۱	ایکویٹس کے اصطلاح کی تعریف نیز دیگر تصانیف
۵۲	ایکویٹس
۲۲۲	انگریز ششم - پوپ اور اس کا فرمان مذہبی
۳۵۳	الفرڈ، بادشاہ کے ریمارک اختیارات فوجداری پر
۸۴	امریکہ کی آزادی
۹۵	انگلوسکسین کی رشتہ داریاں
۲۴۹	ان کا قانون وراثت
۳۳۲-۳۳۳ و ۳۳۴	ان کا قانون فوجداری
۹	ارکن - ایشیا کا - اس کا عہدہ
۶۶	ارسطو طائیس کا رسالہ علم معانی اور بیان پر
۱۴۴	ایشیا کے وصیت نامے
۳۳۹	کا قانون فوجداری
۳۸	آگسٹس شہنشاہ - قانون روم میں اس نے جو تبدیلیاں کیں
۶	آسٹن - اصول قانون کے حدود کا تعین
۲۱۸	اسیران جنگ کے متعلق موجودہ قانون بین الاقوامی کے مآخذ
۲۱۹	قدیم قانون کا مآخذ
۲۶۶	ارامی کو پتہ پر دینے کا طریقہ روم میں

۱۳۱ و ۱۲۹	ایک جد کی اولاد کا ذکر
۲۳۱-۲۳۰	انتقال جائیداد کی قدیم شکلیں
۲۳۱	کے لئے جو مر اس م ادا کرنے ہوتے تھے
۹	امرا کا دور حکومت
"	یونان - اٹلی اور ایشیائے کوچک میں
۱۰	مغربی اور مشرقی میں فرق
۱۱ و ۱۰	امرا قانون کے محافظ اور نافذ کرنے والے
۱۱۷	کے ہاتھ میں عدالتی اختیارات کی اہمیت
	قبل ایجاد تحریر
۱۳۰-۱۲۹	ایک جدی رشتہ داری کا بیان
۱۸۰	انتقال کے ساتھ وصیت کا تعلق قانون روم میں
۱۸۲	اس تعلق کے نتائج
۱۸۳	انتقال کے چارہ کار
۳۲۶	افعال قابل ہرجہ اور جرائم کی قدیم تاریخ
۳۲۸	افعال ناجائز اور جرائم
۳۳۰	افعال ناجائز اور گناہ دونوں سے قدیم اصول قانون واقف تھا
۳۳۹	اصول قانون - فوجداری قدیم رومیوں کا
۳۵۳	الفرط بادشاہ کے ریمارک اختیارات فوجداری پر
۵۸۰، ۵۶۵، ۵۴۷	اعلان - رومی پریٹروں کے
۲۶۰، ۱۸۵	
۶۱	ایڈمن لارڈ - ان کی چانسلری
۲۳۴	انفسٹن کی تاریخ ہندوستان
۲۰۱	انگلستان کا قانون اراضی زمانہ حال میں
۱۱	کا قانون غیر موضوعہ پہلے غیر مرسوم تھا
۳۶	کی عدالتوں کا اصول کے اظہار میں تردد

۱۲۰	ایشیائی گالوں میں اختیار والدین کا دستور
۱۹۶	اختیار - اہل روم میں - وصیت نہ ہونے کی حالت میں ان کا { سلسلہ توریث
۵۴، ۵۱	ایکٹوٹس کا اصول
۹	اطلی کی جماعت امرا
۱۲	کے مجموعہ ہائے قوانین
۴۱	میں زمانہ قدیم میں تمدن کا غیر استقلال
۹۵	میں بادشاہوں کے حدود اختیار اراضی
۱۴۳	آقا اور غلام
۱۴۴	رومیوں میں
۱۱	امریکہ میں
۱۱۲	اخلاقی اصول قائم
۱۸۲	اعلان معاملہ
۱۱۹	اختیار والد اہل روم میں
۱۲۰	اہل گلیٹا میں
۱۲۱	اہل یونان میں
۱۲۴	کے کم ہو جانے کے اسباب اولاد کی ذات
۱۲۸	والد کی ذمہ داریاں
۱۲۸	والد اور بیٹے کا ایک ذات ہو جانا
۲۰۹ و ۲۰۸ و ۱۲۹ و ۱۲۸	کے حقوق اور فرائض
۱۲۰	اختیار والد قائم رہنے والا انتظام نہ تھا
۹	ایران کی بادشاہی عہد فتوحات وغیرہ میں
۲۴۴	ایران کے قدیم باشندوں کی صداقت
۲۵۹-۲۵۸	احکام بغرض قیام قبضہ
۲۰۰	اولاد کی جانشینی کی وجہ سے قانون وراثت میں تبدیلی

۲۰۱ و ۲۰۰	اولاد اکبر کی جانشینی کو مجموعہ قانون فرانس نے تقریباً مٹا دیا۔
۲۰۱	فرانسیسی نظام کا نتیجہ
۲۰۲	کے حقوق ہندوؤں میں
۲۰۳	کی ابتدائی تاریخ
۲۰۳	عطاءے حق استفادہ
۲۰۴	حق استفادہ کا موروثی حق میں منتقل ہونا
۲۰۵	فرانس اور جرمنی کے تملیک نامے
۲۰۶	کے اصول کی اشاعت
۲۰۷	کا اصول ہندوؤں میں سیاسی اور ملکی عہدوں کے لئے نہ کہ جائداد کے لئے۔
۲۰۸	کی قدیم شکلیں
۲۰۹	کا اصول کیوں دوسرے اصول پر غالب رہا
۲۱۰	کا ابتدائی اور بعد کا اصول
۲۱۳	کی کلیدی شکل
۲۱۵	کی اسلامی شکل
۲۱۵	پر تعدد ازدواج کا اثر
۱۹۱	اولاد کو محروم الارث کرنے کا انسداد قدیم قانون روم میں
۳۷ و ۳۷	اسکیولا۔ کیوسیولیس کا مجموعہ اصول قوانین
۱۳۰ و ۱۳۵	اسکنڈینیو کی قوانین۔ ان کے قوانین عورتوں کی دائمی ولایت کے متعلق
۲۰۶	انگلستان کی حقیقت "سو کیج" کا قانون
۲۶	ایٹین کی کوشش قانون فطرت اور قانون اقوام میں تیز کی
۱۳۶	ازدواج کی ادنیٰ اصل قدیم اہل روم میں

(ب)

۷۷	بنیالی کے وصیت نامے
۱۷۵	منتقم کی کتاب ”فرگیمنٹ اوں گورنمنٹ“
۶	کے اثرات انگلستان میں
۶۹	کے اصول کارومی اصول سے تشابہ
۶۹	کا اصول قانون
۱۰۵	کی تعریف الگزڈر ششم کے مذہبی فرمان کی
۳۲۲	اور اٹھن کے قواعد متعلقہ معاہدہ
۲۸۶	بلیک اسٹون - سرولیم - اس کا مذہب ابتدائی اصول قانون کے متعلق
۱۰۱-۱۰۰	کی تائید کسوتیلے بھائیوں کے اخراج کی
۱۳۴	کا اصول جائداد کی پیدائش کے متعلق
۲۲۳	کے اصول پر بحث
۲۲۵	بریکن کا سر قہ
۷۲	برگنڈی کے باشندے
۹۱	بلوغ اور غیر بلوغ قانون روم میں
۱۳۳	بزرگ خاندان کی حکومت ابتدائی جماعتوں میں
۲۰۸	بارہ الواح
۳۰ و ۱۲۰۱	ان کی تعبیر کے متعلق مجموعہ آرا
۳۰	ان کے احکام امر کی وصیتوں کے متعلق
۱۷۹	وصیتی انتقال کے متعلق
۱۹۱ و ۱۹۲	بیوہ کا حصہ شوہر کی جائداد میں
۱۹۹	کے نکاح پر جرمانہ جرمنی میں
۲۵۰	

(ب)

۴۱ و ۴۲	پروسیسی - قدیم روایں ان کے آنے کا سبب
۴۲	قدیم رومی جمہوری حکومت میں ان کا نہ شریک کیا جانا۔
۳۰۷	بادشاہوں کے آسمانی حقوق کی ابتدا
۰۸	بادشاہت کا آغاز زمانہ فتوحات میں۔
۹	بادشاہان سیدھوں کے اختیارات
۱۴۳	پلیٹو ریا کے قانون کا خلاصہ
۱۱۷	پڑوس ملک تعلقات میں
۱۱۳	پاسکل کے خطوط
۱۰۸	پدرسری حکومت کا اصول قدیم اصول قانون میں
۱۰۹	اصل اصول کتب مقدسہ سے
۱۱۰	ہومر کا بیان سکلاپ کے متعلق
۷۴ و ۷۳	پابند قانون منضبطہ اور پابند رسم و رواج میں فرق
۱۲۶	پکیو لیم اہل روم کا
"	پکسٹینسی
"	کازمی کا شریعی
۵۵	پریٹر کے عہدہ کی ابتدا
۵۰ و ۵۱ و ۵۲	کے اعلان
۵۸ و ۵۷	اہل روم کا انگلستان کے چانسلر کے مشابہ ہوتا تھا
۵۸	کی روک تھام
۵۹	عدالت نفقت کا اعلیٰ جج اور قانون غیر موضوعہ کا بڑا مجسٹریٹ ہوتا تھا
۵۵	پریگمینس
۵۶	کائنات قابل انفساخ اعلان

۵۸ و ۵۶

۲۶۰

۱۸۵

۱۸۶

۳۴۶

پریئر۔ سالوئس جولیا نس کا اعلان
 کے اعلانوں سے جو چارہ کار حاصل ہوتے تھے
 کے ایجاد کردہ وصیت نامے
 ان کی تفصیل
 پروکشریشن کی ابتداء و میوں میں

(ت و ط)

۱۱۵

۲۳ و ۶ و ۵

۱۷۱

۴۷

۲۲

۲۲

۲۱۵

۶۸

۱۰۶

۱۰۷

۵۵ و ۵۴

۳۲۸

۲۷۶

۲۱۵

تبئیت کے متعلق مفروضہ
 پرندہ بھی مراسم کا اثر
 ہندوؤں کے قانون میں
 تخلیق عالم کے متعلق قدیم یونانی فلسفیوں کا خیال
 تمدنی ضرورتیں اور تمدنی آراء ہمیشہ قانون کی پیشرو ہوتی ہیں
 وہ ذرائع جن سے قانون سوسائٹی کے ساتھ مطابقت
 ہو جاتا ہے -
 تعداد لازم و واج اس کا اثر اولاد اکبر کی جانشینی پر
 ترقی کے رک جانے کے اسباب انسانوں کی بڑی
 جماعت میں
 ٹیسی شس کی کتاب ”جرمنی“ کی قدر بحیثیت قدیم تاریخ کے
 اسکی صداقت کے متعلق شہادت
 ٹارکونس کے اخراج کے بعد جو ترقی قانون میں ہوئی
 ٹارٹ کا قانون
 ٹروگلو وائٹ
 ٹرکی میں سلسلہ تخت نشینی

(ج)

۱۶۶	جماعت مجموعی
"	انفرادی کے خصوصیات
۶۰	جسٹین کا مجموعہ قوانین
۳۹	اُسے انگلستان کی چانسی عدالت کے ججوں کا زندہ کرنا
۲۳۷	جرائم اور افعال ناجائز دو میجو جرائم اور افعال قابل ہرجہ
۳۳۱	جرم کے قدیم اور جدید تصور میں فرق
۳۴۸	جرائم کی خیالی تقسیم
۳۴۹	جرائم اور افعال ناجائز سیلا اور رگشس کے قوانین میں
۳۵۱	جرائم کے متعلق بعد کے قوانین
۳۵۰	جرائم غیر معمولی
"	جرائم کی سزا دہی کا طریقہ رومیوں میں
۳۵۲	حالیہ تاریخ
۲۶۳	جاگیر نظام میں حق ملکیت
۲۶۹	کے خدات
۹۴	کا تعلق ملکی حکومت سے
۹۵۹۴	کا بند و بست
۲۰۰۱۹۹	کا نتیجہ ہے زمانہ حال کی وصیت
۳۲۴	اور معاہدہ
۲۰۴	جاگیروں کے حق استفادہ کا موروثی ہو جاتا
۲۰۵۲۰۴	کے ابتدائی استفادہ کی صورت
۳۲۳	کے متعلق قانون
۳۱۴	جبر و اختیار کے مسئلہ سے یونانیوں نے بحث نہیں کی
۲۴۹	جرمنی کا قانون وراثت

۱۴۳-۱۴۵

جرمنی کی قدیم وصیت

۳۲۶

کا قدیم لغزیری قانون

۱۲۶

میں اختیار والدین

۱۴۵

میں قدیم جائداد

۲۰۲

میں خاندانی جائداد کے متعلق قدیم قانون

۱۰۶

کے متعلق ٹے سی ٹس کا بیان

۲۰۷

کے متعلق شبہات

۲۲۹

کی خاندانی مشترکہ جائداد

۵۶

جولینس سائوسٹیس پریٹر کا اعلان

۵۸

اس کے اعلان کا اثر پریٹروں کے اعلانوں پر

۵۱۴۴

جس ٹے نین کا مجموعہ قوانین

۶۰

کا کارپس جوریس

۱۲۶

کی تبدیلی اختیارات والدین میں

۱۹۵

کا اندازہ وراثت بغیر وصیت میں

۲۱۷

جائداد کی اہستہ ذاتی تاریخ

۱۷

کے حصول کے فطری طریقے

۲۱۸

کا قبضہ

۱۷

کا جنگ میں حاصل ہونا

۲۲۱

کی دریافت کے قواعد

۲۲۲

کی پیدائش کی تاریخ

۲۲۳

بلنگ اسٹون کی رائے اس بارہ میں

۲۲۶

سوگنی کا مقولہ

۲۲۷

کے قبضہ کے متعلق جو عام رائے ہے اس پر اعتراض

۲۳۱

کا اشتراک ہندوؤں میں

۲۳۵

کے بارہ میں اہل روم کے خاندان کا مقابلہ ہندوستان کی
بہائی برادری سے۔

۲۳۶	جائداد کا اشتراک روسی دیہات میں
۲۳۸ و ۲۳۷	خاندانی کے متعلق کروٹیا اور سکوونیا کے قوانین
۲۴۱	کے انتقال میں قدیم وقتیں
۲۴۲	کی فطری تقسیم
۲۴۵	کے انتقال کے قدیم طریقے
۲۴۶	کے متعلق ”ریس من سپی“ کی تعریف
۲۴۷	کے متعلق روایات
۲۴۸	”ریس من سپی“ اور ”ریس نک من سپی“ میں فرق -
۲۵۰ و ۲۴۹	کی وراثت اور حصول کے متعلق ہندوؤں کا قانون
۱۵۱	منقولہ اور غیر منقولہ کے متعلق فرانس کا قانون
=	انگلستان
۲۵۲	کے متعلق قدامت کا اصول
۲۵۲	جس کا منتقل کرنا منظور ہو اس کو ذریعہ عدالت حاصل کرنا
۲۵۷	پر عدالتوں کے قوانین اور ضوابط کا اثر
=	اور قبضہ میں فرق
۲۶۰	کا تصور قانون اور نصفت میں اہل روم اور انگلستان
۲۶۲	کے قانون کی رو سے
۲۶۳	کے حقوق مالکانہ جاگیر کی نقطہ نظر سے
۲۶۳	کے حقوق مالکانہ کے متعلق اہل روم اور وحشی اقوام
۲۶۵	کے قوانین -
۲۶۵	کے متعلق اہل روم کا نظام کاشت
۲۶۷ و ۲۶۶	اہل روم کی کالونی اور جنوبی یورپ کے سائر
۲۶۷	کے متعلق محدود مالکوں کے حقوق
۲۶۸	”اگری لمٹوئی“ دریاے رائن اور ڈینیوب پر
۲۵۶	کے حصول کے طریقے اہل روم اور انگلستان کے قانون میں

۲۲۰	جائداد - جس کا کوئی مالک نہیں قانون روم میں
۲۴۷	کے متعلق اہل روم میں روایات
۲۴۶	کے انتقال کا قدیم طریقہ
۲۵۰	جرمانہ - بیوہ کے عقد شادی پر جرمنی میں

(ج)

۵۸ و ۵۷	چانسلر - لارڈ کا مقابلہ روم پر پیر کے ساتھ
۳۹	چانسلری کی عدالت انگلستان پر تبصرہ
۳۰ و ۳۹	کی ابتدا
۲۱	چین کی ترقی کے رک جانے کے اسباب
۲۶۰	چانسلری کی عدالت کے حکمنامے

(ح)

۸۹	حکومت کی نوعیت - اس کے حدود اور اس کے حصول کے طریقے
۲۸۱	رومیوں کی
۲۸۸	حقوق و فرائض قانون روم کے
۲۰۳	حق استفادہ بطریق اہل روم
۱۸۸	حق برنبائے قدامت کا اصول
۲۵۲	اس کی تاریخ

(خ)

۲۵۰ و ۲۰۲	خاندانی جائداد قدیم اہل جرمن کی
-----------	---------------------------------

۱۱۷	خاندان - قدیم تمدن میں
۱۶۹	” کی علیحدگی
۱۶۳	” کا ایک جماعت سمجھا جانا
۲۰۸	” کا انتظام ابتدائی تمدنوں میں
۲۰۷	” ہائیلمینڈ کی سرکاری
۲۲۹	” قدیم قوانین میں منفرد اشخاص نہ متصور ہونے
	” خاندانی جائیداد کے متعلق - ہندوستان - روس
۲۳۹	” کروٹیا وغیرہ کے قوانین
۲۳۵	” اہل روم کا مقابلہ ہندوستان کی دیہاتی برادری سے
۲۰۵	” خاندانی ملکیت نامے فرانس میں
۲۵۰	” نوجوں ہسبجرمنی کا

(د)

۲۸۵	” دائین - کو قدیم قانون میں غیر معمولی اختیارات دئے جانے کا سبب
۲۳۷	” دیہات کی مشترکہ ملکیت
۲۳۱	” دریافت - حصول حکومت کا ایک طریقہ
۳۳۹	” دروغ خلق کی سزا قدیم اہل روم کس طرح دیتے تھے
۳۱۵	” دیہات اور اہل روم کے قانون میں تعلق

(د)

۳۰۷

ڈاکٹر وہیول کا تذکرہ



۵۰-۳۳ و ۵۹ و ۶۰

روما کے قدیم مقننین

۳۷

کے بعد کے مقننین

۶۷

ان کا قانون فطرت

۲۹

کے اصول قانون کا بہترین زمانہ

۴۷

کا قانون بین الاقوام

۲۶۵

رومیوں میں اراضی مقبوضہ پر کاشت کا طریقہ

۳۴۱

کا سب سے پہلا اصلی قانون فوجداری

۵۵ و ۹

”ریکس سکری فائیکولس“

۲۹

رومیوں میں زمینوں کے فلسفہ کی ترقی کے اسباب

۵۰

قانونی ترقی

۴۱-۴۲

روما میں پردیسوں کی آمد

۴۲

کی آمد کی روک تھام ابتدائی جمہوریت میں

۹۴

رومی کلیسا کو اعلیٰ ترین اختیار دینے کا حجان

۹۶

روما میں بین الاقوام معاملات میں مذہبی اثر کا زوال

۱۱۴

روما کے ابتدائی سیاسی خیالات

۷۷

روسیوں کی تحریرات کا اثر

۲۷۵ و ۲۷۴

کا اصول ابتدائی تمدنی معاہدہ کے متعلق

۴۳۷

روسی دیہات کے باشندوں میں مشترکہ ملک

۶۶ و ۱۶۹ و ۱۷۰

رومیوں کے خاندانی مراسم یا ”سکرا“

۴۲

قدیم مذہبی مقدمات

۲۷۴ و ۲۷۵

روسیوں کی رائے ابتدائی معاہدہ تمدن کے متعلق

(ز)

- ۴۸ زینو کا فلسفہ اور اس کے اصول
 ۴۸ " روم میں اس کی بغیر اشاعت
 ۴۹ " روم کے مقنین کا اتفاق زینو کے متبعین کے ساتھ
 ۴ رئیس مقنن نہیں بلکہ ایک جج سمجھا جاتا تھا

(س)

- ۱۷۱ سٹی - ہندوؤں میں
 ۳۸ و ۳۷ سالہ - ایل کارنیلیس نے قانون روم میں جو اضافے کئے
 ۲۵۶ { ساری کارروائی جو عدالت میں حصول جائداد کے لئے کی جاتی ہے
 ۵۴ رومی اور انگریزی قانون میں
 ۱۷۱ سیسر و کا ذکر
 ۱۱۰ " کا حوالہ قدیم رومیوں کے متعلق
 ۳۴۴ سکلاپ میں
 " سزائے موت کا نہ ہونا روم کی حکومت جمہوری کے زمانہ
 ۳۴۵ اس کے اسباب
 " سزائے موت کی ضرورت تمدن کے بعض مراحل میں
 ۳۳۶ و ۳۲۹ سر قہ قانون روم میں
 ۱۱۴ سیاسی خیالات قدیم زمانہ میں
 ۱۱۷ بنیاد جماعت امریکی
 ۲۷۱ نظام اور معاہدات
 ۱۳۳ سالی فرانک کا قانون
 ۲۵۹ - ۲۵۸ سوگنی کی رائے جائداد اور قبضہ کے متعلق
 ۲۲۶ " اس کے منقولے جائداد کے آغاز پر

۲۳۸	سکلووینا کے قوانین خاندانی جائداد کے متعلق
۶۵	سسوسائٹی - ابتدائی کے خطرات
۱۱۱	ابتدائی
۱۱۲	یا قبیلہ اور گروہ کے ابتدائی اخلاقی اصول
۱۱۴	کے ابتدائی سیاسی خیالات
۱۱۵	میں تبغیت کا مفروضہ
۱۱۷	جماعت امر کی بنیاد
۱۱۸	مقامی قربت کا اصول
۱۱۹	تقدیم خاندان
۱۲۰	اختیار والد
۱۲۱	پدری اور مادری رشتہ دار
۱۲۲	عورتوں کی ولایت
۱۲۳	تقدیم اہل روم کا ازدواج
۱۲۴	آقا اور غلام
۱۲۵	ترقی کرنے والی جماعتوں کی تحریک کا سلسلہ
۱۲۶	خاندان کا زوال
۱۲۷	کی حرکت حیثیت سے معاہدہ کی طرف
۱۲۸	میں فطری توریث
۱۲۹	تقدیم اور فطری توریث
۱۳۰	تقدیم خاندان ایک جماعت متصور ہوتا تھا
۱۳۱	تقدیم زمانہ میں افراد کا مجموعہ نہیں بلکہ خاندانوں کا
۱۳۲	مجموعہ تھا
۱۳۳	سولن کا مجموعہ قوانین
۱۳۴	دومانٹ کے اصول پر بحث
۱۳۵	سر قہ - اہل روم کے قدیم قانون میں

سرتہ زمانہ حال کی خیانت بجرمانہ
سی سالہ جنگ کے خوفناک اثرات معاہدات باہمی کی گائی
کے باعث ہوئے

(ش)

- ۲۷۳ شارلیمین کا دعویٰ عالم گیر حکومت کا
۲۰۳ کا عطیہ حق استفادہ
۱۶۱ شرکا و دشمن کے حقوق اور ان کے فرائض
۲۰۱ کے حقوق قانون روم میں
۳۲ شرحیں۔ روم کے مقننین کی
۲۳۱ و ۲۳۲ شراکت جائداد۔ ہندوؤں میں
۲۳۲ قانون روم میں غیر معمولی اور عارضی ہونا
۱۷۸ شرفا کے وصیت نامے روم میں
۱۷۹ ان کا جواز بارہ الواح سے
۱۸۰ ان کا اثر دنیا کی موجودہ تہذیب پر
۳۵۱ اس اصول کی ابتدا کہ بادشاہ انصاف کا سرچشمہ ہے
۹۱، ۹۰ قانون بین الاقوامی کا اصول شاہی اختیارات حدود
رضی کے متعلق
۹۱ قبیلہ کی شاہی
۹۳ شارلیمین اور عالم گیر حکومت
۹۳ حدود ارضی کی پادشاہی نظام جاگیر کا ایک نتیجہ ہے
۹۴ کلیمائے روم
۹۵ ہسپانیہ
انجھوٹیکسن شہزادے

۹۵	شاہی نیپس۔ اسپن۔ واپلی
۹۵	ویش
۹۸	ملکی بادشاہت اور زمانہ حال کے قوانین موضوعہ کا
۹۵	اشتراک
	اسپن کے بادشاہ

(ع)

۱۳۲	عورتوں کی حیثیت کے متعلق قانون
۱۳۵	کے متعلق قانون روامیں دائمی حفاظت کا حکم
۱۳۵	کی ہندوؤں میں دائمی حفاظت
۱۳۵	کی اسکینڈینیویا میں دائمی حفاظت
۱۳۶	کے قدیم نکاح روامیں
۱۳۷	کے بعد کے
۲۶۱	کے مخصوص حقوق مالکانہ جو عدالت چانسری نے
	پیدا کر دیے۔

(غ)

۱۸۴	غلام کے معنی قدیم رومیوں کی زبان میں
۱۸۱	مشتری خاندان کی حیثیت
۱۸۲	اس کے حقوق اور فرائض
۱۸۴	”مشتری خاندان“ کی اصطلاح پر ریمارک
۱۴۴	غلامی۔ قدیم
۱۴۴	رومیوں میں
۱۴۴	امریکہ میں

۱۲	قدیم مجموعہ ہائے قوانین کے احکام اور نظائر میں فرق
۱۲	کازمانہ
۱۲	سولین اور ڈریکو کے
۱۷۷	کی ضرورت قدیم جماعتوں میں
۱۱	قانون انگلستان کا قدیم زمانہ میں غیر مکتوبہ تھا
۱۲	نظائر اور قانون سوئٹزرلینڈ میں فرق
۲۸	نظائر کی بے ترتیبی
۳۰	نظائر اور رومیوں کے جوابات عقلائے قانون دان
۳۸	میں تشابہ
۱۲۶	قسططین - بادشاہ روم کی اصلاح قانون میں
۶	اس کی کمی ہوئی تبدیلیاں اختیارات پدیری میں
۸	قانون رسمی
۱۱	ہومر کے اصطلاحات مراسم کے لئے
۷۲	کارخانہ اور اس کی محافظت ایک مخصوص جماعت سے
۳۲۷	قانون کلیسا میں محل اور اس کے مقاصد
۳۳۳	قانون تعزیری قدیم مجموعوں میں
۳۳۹	قانون "لیکس ایگٹوئیکر انشائی" رومیوں کا
۳۴۱	قانون تعزیری قدیم آئینا کا
۱۲	صحیح جو رومیوں میں پہلی مرتبہ مرتب ۱۷۱
۳۲۶	کی قدیم تاریخ
۲۴۹	قانون ڈریکو کی بے ترتیبی
۲۷۷	میں احکام فوجداری
۲۷۹	قانون وراثت جرمنی کا
۲۷۷	قانون بین الاقوام اور قانون اقوام کا زمانہ حال میں اختلاط
۸۲	کی پیدائش میں قانون فطرت کا حصہ

۸۴	قانون بین الاقوام کے بنیادی اصول موضوعہ	
۸۵	{ کے متعلق گروٹس اور اس کے متبعین کے خیالات	
۸۹	کادائرہ	
۹۰	کی روسی حدود مملکت میں حکومت	
۹۶	گروٹس کی رائے کے متضاد	
۹۷ و ۹۷	{ کے متعلق گروٹس کے نظام کو تسلیم کرنے کے لئے عامہ خلافت کی آمادگی	
۹۷	{ کے متعلق گروٹس کی کتاب "وی جوریٹی ایٹ" سپیس کی کامیابی	
۹۷	{ میں موجودہ عام قانون کا بادشاہی کے ساتھ اتفاق	
۹۸	{ میں مال غنیمت کا ماحذ	
۲۱۹	قانون گبورٹین	
۴۲	اس کے اصول	
۵۲	اس میں اور قانون اسلام میں فرق	
۵۲	قانون روما -	
۱	بارہ الواح	
۳۰ و ۲۰۱	نذہبی مراسم کا اثر قانون تبنیت اور وصایا پر	
۶	روما کے مجموعہ قوانین کی قسم	
۱۳	بقیاس غالب یونانیوں سے آمد و کا ملنا	
۲۳	منفردہ کے معنی	
۲۳	اس کی مثال	
۳۰	عقلا یا ماہرین فن قانون کے قنادے	
۳۲	جمہوری روما کے مجسٹریٹ کے فرائض منصبی	

۳۳	قانون روما۔ کیوں عام اور مشہور نہیں کیا گیا
۳۴	کے عمدہ خصوصیات کا ماخذ
۳۷ و ۳۸	فتوول کا معقودہ ہو جانا
۳۷ و ۳۸ و ۳۹	پر میٹر کے اعلان
۳۸ و ۳۹	قانون کارینڈانی
۳۷	بعد کے مقننین
۳۸ و ۳۹	روما کے موضوع قوانین کا تذکرہ
۴۰ و ۴۱	کی نصف
۴۱	روما کے اصول قانون کا زریں عہد
۵۹ و ۶۰	روما کا اصول نصف
۶۰	انگلستان اور روما کی نصف کے مشترکہ خصوصیات
۸۵ و ۸۶	کا احسان قانون بین الاقوام پر
۱۲۱	اختیار والد
۱۲۹	میں پدری اور مادری رشتہ دار
۱۳۵	میں عورتوں کی دائمی ولایت
۱۳۷ و ۱۳۸	روما میں ازدواج
۱۴۱	ذکوریتامی کی ولایت
۱۴۳	میں قانون اشخاص۔ آقا اور غلام
۱۵۳	میں وصیت کے قواعد
۱۷۸ و ۱۷۹	میں وصیت ناموں کی تقسیم کنٹیا کلاٹاس
۱۷۷	قدیم بلا وصیت وراثت کے متعلق
۱۷۸	اہل روما کے وصیت نامے
۱۸۱	”بین سی پیشن“
۱۸۲	”نن کو پیشو“
۱۸۵	میں امراتے وصیت نامے

۱۸۶	قانون روم میں مہر کا استعمال پہلی مرتبہ بغرض توثیق
۱۹۱	میں عرفی دعویٰ متعلقہ وصیت نا واجب
۱۹۳	میں اولاد کو محروم الارث کر دینا
۱۹۸	میں توریث بلا وصیت
۲۰۱	میں امانتی ہبہ بلا وصیت
۲۰۸	میں شرکاء ورثہ کے حقوق قبضہ
۲۳۰	میں قانون اشخاص اور قانون اشیاء میں فرق
۲۳۲	رومی تقسیم کا اثر
۲۳۵	میں مشترکہ ملکیت عارضی اور مستثنیٰ سمجھی جاتی تھی
۲۴۶ و ۲۴۷	کے خاندان کا مقابلہ ہندوستان کی برادری کے
۲۴۷	میں اعلیٰ اور ادنیٰ اشیاء
۲۵۲	میں "مین سی مین" میں قدامت
۲۵۶	میں سازشی کارروائی حصول جائداد کے لئے
۲۵۷	میں جائداد اور قبضہ میں فرق
۲۶۳	اور وحشیوں کے قوانین
۲۷۸	رومی معاہدات
۲۸۸	میں چار معاہدے
۳۱۵ و ۳۱۶	اور دینیات میں تعلق
۳۲۰	میں ترقی کے اسباب
۳۲۲	مشرقی سلطنت میں
۳۲۸	کے سول افعال نا جائز
۳۳۳	کالیکس ایکٹو سیکر انشائی
۳۳۹	کا قدیم اصول قانون فوجداری

۳۴۶	قانون روما میں عدالت ہائے فوجداری کی کثرت
۳۴۷	اس کی وجہ قیام کیش قرار پاسکتی ہے -
۲۱۸	قانون بین الاقوام میں مال غنیمت کا ماحذ
۲۰۱	قانون اراضی انگلستان کا زمانہ حال میں
۲۵۲	ارضی اور مال منقولہ میں انگلستان کا فرق
۱۰۰	قانون قدیم
۱۰۰	فطری حالت کے متعلق اور اس کے مطابق نظام کے
۱۰۱ و ۱۰۰	قدیم اصول
۱۰۲	کے متعلق گروئیں بلیک اسٹون و لاک وہاں
۱۰۴	مانیکس کی رائے
۱۰۵	بنہتم کی رائے
۱۰۸	موجودہ آر اسے بے اطمینانی
۱۱۵	میں خاندان پدر سری کا اصول
۱۱۷	میں تنہیت کا مفروضہ
۱۱۹	میں متروک خاندان
۱۲۹	میں اختیار والدین
۱۳۵	میں پدری اور مادری رشتہ دار
۱۳۶	میں عورتوں کی ولایت
۲۶۴	میں اہل روما کا قدیم قانون از وواج
۳۸ و ۳۷	میں آقا اور غلام
۳۸	قانون وحشی اقدام کے
۳۸	کارنلیس کا
۳۳۳	جو لیا آگسٹس کا
۲۳ و ۲۲	ایکٹو سیکر امنائی رومیوں کا
	قانون کے وضع کا زمانہ

۲۶	قانون اس کے تطابق کے ذرائع تمدن ضرورتوں کیساتھ
۲۷	اس میں اور قانونی مفروضات میں فرق
۲۳	قانون مشترکہ اقوام
۲۴	اس کی پیدائش کے اسباب
۲۴	کو اہل روڈ ٹاکس نظر سے دیکھتے تھے
۲۵	موجودہ مقننین کس نظر سے دیکھتے ہیں
۲۴ و ۲۵	اور قانون فطرت میں فرق
۵۱	دونوں میں الیتام کا نقطہ
۵۲	اور قانون کیورپٹرین میں فرق
۹۰	کا اثر موجودہ تہذیب پر
۲۶	قانون فطرت
۲۷	کے متعلق یونانیوں کا خیال
۶۲	کی زمانہ حال کی تاریخ
۶۷	رومی مقننین کا
۶۹	بنیتھم کے اصول کا نمونہ قدیم زمانہ میں
۷۰	کا وسیع اثر موجودہ تمدن پر
۷۰	کی تاریخ
۷۵	کو ترجیح فرانس میں
۷۶	کی حالت اٹھارھویں صدی کے وسط میں
۷۷	داسیو
۸۰	کا اثر انقلاب فرانس پر
۸۱	انسانی مساوات
۸۲	کا اثر موجودہ قانون بین الاقوام پر
۲۲۲ و ۲۱۸	قبضہ قانون روم میں ایک فطری ذریعہ تھو
۲۱۸	حقیقت کا
	وہ اشیاء جن پر کبھی کسی کا قبضہ نہیں ہوا

۲۱۸	قبضہ - وہ اشیاء جن کا کوئی مالک نہیں
۲۱۸	وہ اشیاء جو پڑائی میں ہاتھ نہیں
۲۲۱	وہ اشیاء جو پہلی مرتبہ دریافت ہوں
۲۲۷	کے عام اصول پر اعتراض
۳۲۶	قانون تعزیری قدیم جمہوروں میں
۲۵۲	قدامتہ جائداد کی تاریخ
۳۰	قانون دان عقلماء کے جوابات یا فتاوے
۳۰	ان میں اور نکلیا
۳۰	نظام میں شہداء
۳۷ و ۳۷	ان کا منقود ہو جانا
۲۰	قویں ترقی کرنے والی اور بجاالت خود قائم
۲۱	ان میں فرق
۲۲	وہ ذرائع جن کے استعمال سے قانون ترقی
۱۳	کرنے والی جماعتوں کے مطابق رہتا ہے
	قانون منقوشہ الواح

(ک)

۲۱۸	کیٹ ہسپو کی بادشاہی کے خصوصیات
۱۲۸	کارا کالہ - اس کے قانون کے اثرات توسیع اختیارات
۳۱۶	پدری میں -
۳۱۷	کلیسا - مشرقی و مغربی - مشرقی کلیسا کے متخرفہ مذہبی مسائل
۳۱۷	کو مغربی کلیسا کا بعد رو و قدح کے منظور کر لینا
۱۷۶	مغربی کے مسائل
۱۸۰	کیٹ ہسپو کلیسا میں وصیت ناموں کی تفصیل
۳۲۴	کا خاتمہ
	سفورٹا - اس کے اختیارات

۳۴۴	کینیڈا - کوریٹا - اس کے اختیارات
"	ٹریبونل - " - "
۳۴۵	کمیشن
"	بغرض دریافت قتل والدین
۳۴۶	دو انتخاب کا - حکومت جمہوری کے خلاف جرائم {
۳۴۷	کی دریافت کے لئے
۳۴۸	فوجداری کی رو میں کثرت
۳۴۹	مستقل روما میں
۳۴۳ و ۳۴۲	کا اصول
۳۴۷	کے نتائج
۲۶	کینیس کا ذکر
۱۱۹	کا بیان اختیار والدین کے متعلق
۱۳۶	کی اطلاع اس امر کے متعلق کہ عورتوں پر دای {
۲۶۲	حفاظت ہے
	کا بیان دہری ملکیت کے متعلق
	(ک)
۸۵۴	گروٹ کی تاریخ یونان کا حوالہ
۸۵	گروٹس - ہیگلو اور اس کے متبعین کے خیالات قانون {
	بین الاقوام پر
۸۸	کا اصول
۹۷	کی کتاب "دی جورنل ایٹ پیس"
۱۰۰	کا اصول فطرتی حالت کے متعلق
۳۱۱	اور اس کے متبعین کا فلسفہ اخلاق
۳۱۲ و ۳۱۱	کے اصول کا مقابلہ مذہبی فقہاء کے اصول کے ساتھ

۳۱۲

۳۳۰

گناہ - صغیرہ اور کبیرہ میں فقہا کا امتیاز
متذکرہ اصول قانون قدیم

(ل)

۲۰۵

۷۷

۱۰۱

۹۱

۸۲

لڈی - (غلام) جرمی میں
لاک جان کا تذکرہ
کی رائے قانون کی ابتدا کے متعلق
لبارڈ کا تذکرہ
لونی ہوشن - فرانس کا بادشاہ اور اس کے احکام

(م)

۳۱۱

۷

۳۱۲

۳۱۳

۲۶۱

۱۲۹۰۵۲

۲۸۶

۱۹۱

۱۵۱

۲۷۰

۲۷۱

مذہبی فقہا
کے طریقہ کا مقابلہ گروش کے طریقہ کے ساتھ
کے طریقہ کی ابتدا
کے طریقہ کو جو صدمہ پائل نے پہنچایا
مامون لہ کے حق کا پیدا ہونا
مادری اور پدری رشتہ داروں میں فرق
معاہدہ رومی کی تجزی
محروم الارث ہو جانا اولاد کا اہل روایں
معاہدہ کی طرف رجحان سوسائٹی کا حیثیت سے
تخلع نظر کر کے
کی قدیم تاریخ
اور فن سیاسیات

۲۷۴	معاهدہ روسیو کا اصول ابتدائی تمدنی - کا
۲۷۶	مانشکی کی حکایت قوم ٹوگلو ڈاٹ کی عہد شکنی کے متعلق
۲۷۷	کا ابتدائی تصور
۲۷۹	رومی
۲۸۰	کے متعلق قدیم قانون میں خصوصیت کا پیدا ہونا
۲۸۲	- اور انتقال میں تاریخی تعلق
۲۸۳	”نیزم“ میں تبدیلیاں
۲۸۵	”نیزم“ میں تبدیلیاں
۲۸۵	”نیزم“ میں تبدیلیاں
۲۸۶	اور انتقال کا ابتدائی تعلق
۲۸۷	لے قدیم اور جدید اصول
۲۸۸	کا رومی و جواب
۲۸۹	کی رومی تقسیم
۲۹۰	زبانی
۲۹۱	تحریری
۲۹۲	حقیقی
۲۹۳	تبراضی طرفین
۲۹۴	کے قانون میں تبدیلیاں
۲۹۵	کے قانون میں ترقی
۳۰۰	نما معاہدہ
۳۰۴	کا قانون اور جاگیرات
۳۲۳	محافظ - ذکر یتیمائے کے رومیوں میں
۱۲۳	موروثی لعنت کا خیال یونانیوں میں
۱۱۲	مدیون پر قدیم قانون میں سختی کے اسباب
۲۸۵	مہر کے اصول کا مغربی یورپ کے رسمی قانون میں اضافہ
۱۹۹	

۲۱۵	مصر میں تخت نشینی کا سلسلہ وراثت
۲۶۵	محدود ملکیت کا اصول
۸۱	مساوات انسانی کا اصول
۸۲	حسب مفہوم متقنین روما
۷	کے معنی زمانہ حال میں
۷	کے متعلق لوی ہٹن کے قواعد
۸۸	کے گرد و پیش کے متبعین کے خیالات
۸۴	امریکہ کے اعلان خود مختاری میں
۲۱ و ۱۹	مفروضات قانونی
۲۱	کی قدیم تاریخ
۲۳	مفروضہ کے معنی قدیم قانون روما میں
۷	مفروضات قانونی کا مقصد
۲۴	کی مثالیں انگلستان اور روما کے قانون سے
۲۵ و ۲۴	کے فوائد قدیم زمانہ میں اور ان کا بیکار
۲۶ و ۲۵	ہو جانا زمانہ حال میں
۲۶	اور نصفیت میں فرق
۲۷	اور وضع قوانین میں فرق
۲۷	کی مثالیں
۲۸	نظائری قانون اور اس کی بے ترتیبی
۳۲	مقنین روما کی شرحیں
۲۱۵	مسلمانوں کا قانون وراثت
۲۸۲ و ۲۸۱ و ۲۸۰ و ۲۷۹	بین سی پیش اہل روما کا
۲۴۷	اس کی تعمیل کا طریقہ ادنیٰ اشیاء
۲۸۱	میں۔ اہل روما میں
۹۲	میر و ونجیا کے شاہان فرانک

۲۶۷	یٹالیہ جنوبی یورپ کے
۸۱	ہائیر فرانسی کے انقلاب میں
۷۶	ہائیر کی کتاب پر ریمارک
۱۰۲	اس کا اصول قانون
۲۷۶	کاغذ رٹگلو واٹس کے متعلق
۲۶۱	موتن کے حقوق ملکیت جو عدالت چانسری نے پیدا کر دیئے
۱۷۵	موسوی قانون میں وصیت کا حق نہ تھا
۳۰۳	معاملات معاہدہ نما
۳۰۵	کے معنی قانون روم میں
۱۵۸	مجموعہ حقوق و فرائض کا بیان

(ن)

۱۵۷	نیولین کا مجموعہ قوانین - اختیارات وصیت کی روک
۲۰۵	نواباوی رومیوں کی
۲۶۶	ان کی ابتدا اور وقوع
۱۳۸ و ۱۳۶	نکاح - مذہبی قدیم اہل روم میں اور بعد کا نکاح
=	کی اعلیٰ ترین شکل
۲۲	نصف کی قدیم تاریخ
۲۵	کے ذریعہ سے تو انین کا تمدنی ضروریات کے ساتھ
۲۵	مطابق کیا جانا
۲۵	کی اصطلاح کے معنی
۲۷ و ۲۶	اور قانونی مفروضات میں فرق اور قوانین موضوعہ
۳۹	میں فرق
	اور قانون فطرت پر ریمارک

۳۹	نصفت کی انگریزی عدالت چانسی
۲۰۲۹	اس نظام کی ابتدا
۴۰	اہل روم کی
۵۱	کی اصطلاح کی تاریخ اور ابتدا
۵۱	لفظ ”ایکیوش“
۵۳	کے لفظ سے اہل روم کے سامنے کیا قصور پیش ہو جاتی تھی
۵۸	انگلستان کے چانسلر اور رومن پریشر کا مقابلہ
۶۰	کی قوت ہو کا خاتمہ رومیوں میں
۶۰	انگریزی اور رومی مشترکہ خصوصیات
۲۶۰	اور قانون کا فرق ان کے تصور میں حقوق مالک کے متعلق
۹۵	نیپلس کے بادشاہوں کے حقوق شاہی
۲۶۹ و ۲۷۲	نیزم قدیم اہل روم کا
۲۸۲	میں تبدیلیاں
۱۳۴	نارمنڈی کے مراسم
۵۶	نا قابل انفساخ اعلان
۲۱۳	نیا بتی شکل - وراثت تخت نشینی میں فرانس میں

(۹)

۱۹۳	وصیت اہل روم کے قانون میں
۱۳۵	ولایت - عورتوں پر مدامی تھی قانون روم میں
۱۳۵	ہندوؤں میں
۱۳۵	اسکینڈینیویا کے باشندوں میں

۱۴۳ و ۱۴۲	ولایت موجودہ اصول قانون میں اور اس کا مقابلہ
۱۶۱	قانون روم سے
	وراثت کی تعریف
	وراثت کے حقوق و فرائض
۲۰۱ و ۱۶۹ و ۲۰۱	قانون روم میں
۱۳۴	وراثت میں سوتیلے بھائیوں کی محرومی
"	میں نارمنڈی کا رواج اخیانی بھائیوں کے متعلق
۲۰۵	کے متعلق تملیک نامے جرمنی میں
۲۰۷	ہائی لینڈ کے سرداروں میں
۲۱۲	میں اولاد اکبر کا قاعدہ
۱۸۵	عام شکل ہے جائشینی کی
۱۶۱	کی تعریف رومیوں کی
۱۶۸	کا قدیم رومی قانون
۱۷۳	وجوب قانون روم کے بغیر وصیت کے
۶	وراثت ہندوؤں کے رسمی قانون کے مطابق
۱۵۲	وصیتی
"	کی قدیم تاریخ
۱۵۳	کلیسا کا اثر وصیت ناموں کو وسیع بنانے میں
۱۵۴	کا انگریزی قانون
۱۵۴	وصیت کے ساتھ جن اوصاف کا ہونا ضرور ہے
۱۵۵	وصیت کے فطری حقوق
۱۵۷	پر قبوہ جو مجموعہ قوانین نپولین سے قائم ہوئے
"	وصیت کی نوعیت
۱۵۸	فطری وراثت کے حقوق اور فرائض
۱۶۱	کی معمولی تعریف اہل روم کی

- وراثت موجودہ اصول قانون اور روما کے قدیم قانون {
 میں وصیت کے متعلق اختلاف
 ۱۶۸ کا قدیم قانون اہل روما کا اور وصیت کے متعلق {
 اس کا تصور
 ۱۶۹ وصیت کے قدیم مقاصد
 " اہل روما کے خاندانی مراسم
 " ہندوؤں کے خاندانی مراسم
 ۱۴۰ و ۱۴۱ میں وصیت کی ایجاد اہل روما کی ہے
 ۱۴۲ کے متعلق اہل روما کا خیال
 ۱۴۳ وصیتی غیر وصیتی سے بعد کی ہے
 " وصیت ناموں کی تفصیل قدیم زمانہ میں
 ۱۴۵ قدیم جرمنی کے باشندوں کی وصیت
 ۱۴۵ یہودیوں اور بنگالیوں کی وصیت
 ۱۴۳ و ۱۴۵ اہل روما کی قدیم وصیتوں کی تفصیل
 ۱۴۴ کا بیان
 ۱۴۸ اہل روما کی جماعت امر کی وصیتوں کا اثر موجودہ {
 تہذیب پر
 ۱۸۰ "عین سی پشن"
 ۱۸۱ وصیت کا تعلق انتقالات سے
 ۱۸۰ وصیت بذریعہ ترازو
 ۱۸۱ و ۱۸۹ و ۱۹۰ وصیت کا جو تعلق انتقالات سے تھا اس کا نتیجہ
 ۱۸۲ چارہ کار
 ۱۸۳ قدیم وصیت نامے ضبط تحریر میں نہ آتے تھے
 "مشتري خاندان" کی اصطلاح پر ریمارک
 ۱۸۴ پر پیر کے اعلانی وصیت نامے
 ۱۸۵

۱۸۷	وراثت "قبضہ جائداد" کی اصطلاح
۱۸۸ و ۱۸۹	قدیم وصیت میں اصلاح
۱۹۱	وصیت اور وراثت کے متعلق قدیم اور جدید خیالات
"	اولاد کا ارث سے محروم کیا جاتا
۱۹۹	وصیت اور نظام جاگیر کی کا زمانہ ایک تھا
۱۹۹	مہر کے اصول کا اضافہ
۲۰۱	ورثہ اور شریک ورثہ کے حقوق قانون روم میں
۱۷۳	بعد وصیت کے مرنا
۱۹۴ و ۱۹۵	کا قدیم قانون
۱۹۵	میں "جسٹس ٹین" کا اصول سجاوٹ وصیت نہ ہونے
۱۹۶	بلا وصیتی میں ترتیب بروئے قانون روم
	بغیر وصیت کے مر جانے کے متعلق اہل روم کے خیالات
۱۹۶ و ۱۹۷	متوفی کی تمام اولاد کے حقوق قانون روم میں
۲۰۲	عام جانشینی
۱۷۷ و ۱۷۸	اس کی نوعیت
۱۵۹	مام جانشین
۱۶۰	قدیم رومیوں میں جانشین کرنے کا طریقہ
۱۶۹	دندان کا ذکر
۹۱	وینیشیا کے باشندے ان کا قبیلہ کی بادشاہی سے
۹۵	ملکی بادشاہت کی طرف منتقل ہونا
۹۱	دس گاتھ کا ذکر
۷۷	والشیر کا
۳۰۷	وہمیول - ڈاکٹر کی رائے ابتدائی تمدنی معاہدہ پر

۳۰۸

۶

وہ اصول ان کی رائے اخلاقی فلسفہ کے متعلق
وصیت پر مراسم کا اثر

(۵)

۳۳۵ و ۳۳۴

۱۱۰

ہومر کا بیان ایک قدیم مقدمہ کے متعلق
سکلاپ کے متعلق

۴ و ۳۲

۵

۱۶ و ۱۵ و ۵

۶

۲۴۹

۷

۱۳۵

۱۴۱

۱۴۱

۲۰۴ و ۳۰۲

۲۳۱

۲۳۲

۲۳۴ و ۲۳۳

۱۰۱

۹

۲۱

متعلق رسم و رواج

وراثت

فرق وراثت اور کتاب میں

ولایت دواعی عورتوں پر

حق توریث جائیداد متوفی - سکرستی

ہندوؤں میں وصیت کی جگہ بنیت ہے

اولاد اکبر کے متوفی علی یا موروثی عہدوں میں

نہ جائیداد میں

جائیداد مشترکہ کی شکل - دیہاتی برادری

میں مشترکہ ملک

دیہاتی جماعت کی سادہ ترین شکل

ہاس قانون کی ابتدا کے متعلق اس کی رائے

ہندوستان کی اقوام کی فتوحات اور امر کا دور

کی وجہ جس کے آگے وہ نہیں بڑھا

ہندوؤں کے خاندانی مراسم
ہندوستان کی دیہاتی برادری

۱۷۱
۲۳۱ و ۲۳۴

(ی)

۹	یونان کی جماعت اُمرا
۴۷ و ۴۸	کا اصول متعلقہ قانون فطرت
۵۱	کا فخر مساوات قانونی پر
۶۶	کار حجان قانون اور واقعات کے مخلوط کر دینے کی طرف
۱۱۲	کا تصور موروثی لعنت کے متعلق
۱۳ و ۱۴	کی مدد رومیوں کے وضع قوانین میں
۱۴ و ۱۵	کے محدود اختیارات والدین
۳۰۲	کا علم مابعد الطبیعیات
۳۱۴	کا فلسفہ قانون نہ پیدا کر سکتا
۱۷۴	یہودیوں کے وصیت نامے
۱۴۲	یتامی - ذکر کی ولایت قانون روم میں

صحف نامہ

”قدیم قانون“

صحیح	غلط	۱	۲
۴	۳	۱	۲
فائیکوس	فائیکوس	۸	۱۵
پورے طور	پوری طور	۱۱	۴
”کوڈ“ کی	”کوڈ کی“	۱۷	۳
پورے طور	پوری طور	۶۴	۱
تسلیم	تسلم	۶۵	۲۴
پولون	پوبون	۹۹	۲
Le	Lex	۱۲۵	۲۳
نظہور میں آجی تھی	نظہور آجی تھی	۱۶۱	۲
غیر مستلک	غیر مسلوک	۱۷	۱۳
تو ہم سے	تو	۱۷۴	۱۱
ملقب	ہم سے		۱۲
درجہ	متقب	۲۱۴	۳
پابند	درجہ	۲۲۱	۲۲
لائی	یابند	۲۹۰	۲۱
	لالی	۳۱۹	۳

